

خطباتِ
ڈاکٹر ذاکر نائیک پارٹ 2

دین دلیل کے ساتھ

ڈاکٹر ذاکر عبدالکریم نائیک

An Urdu Translation of

Universal Brotherhood

عالمی بھائی چارہ

(زیرِ اہتمام: اقصیٰ ایجوکیشنل سنٹر، بھیونڈی، انڈیا)

"اسلام کا بنیادی عقیدہ یہی ہے کہ اس بات پر ایمان لایا جائے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اس کائنات کا بلاشرکت غیرے خالق و مالک ہے۔ صرف وہی ہے جس کی عبادت کی جائے۔ اگر آپ بغور جائزہ لیں تو ایک، اور صرف ایک خدا پر ایمان عالمی بھائی چارے کی ایک عملی صورت ہے۔"

ڈاکٹر ذاکر عبدالکریم نائیک

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

معین ڈان:

الحمد للّٰہ رب العالمین. والصلوۃ والسلام علٰی
نبی الکریم وآلِ واصحابِ اجمعین.

حاضرینِ محفل!

صبح بخیر!

ایک بار پھر بھیونڈی والوں کیلئے نہایت فخر اور سعادت کی بات ہے کہ آج ہمارے درمیان ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب موجود ہیں۔ میں خوش آمدید کہتا ہوں جناب ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب اور محترم شخصیات کو جو زندگی کے ہر شعبے سے متعلق ہیں۔ یہ استقبال منتظمین اقصیٰ ایجوکیشن سوسائٹی کی طرف سے ہے۔

دوستو! اب ہم باقاعدہ جلسہ شروع کرنے جا رہے ہیں۔ میں قاری عبدالسلام سے درخواست کروں گا کہ وہ ڈائس پر تلاوتِ قرآنِ پاک کیلئے تشریف لائیں۔ جناب قاری عبدالسلام!

السلامُ علیکم!

((((......تلاوت......))))

جزاک اللہ!

قاری عبدالسلام نے قرآن پاک کی سورۃ النساء کی پہلی آیت کی تلاوت فرمائی۔ جو لوگ یہاں موجود ہیں اُن کیلئے میں اس آیت کا ترجمہ پیش کرنا چاہوں گا۔

ترجمہ: ''شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ اے لوگو! اپنے رَب سے ڈرو، جس نے تمہیں ایک جان (آدم علیہ السلام) سے پیدا کیا، اور اُسی سے اُس کا جوڑا پیدا کیا، اور ان دونوں سے پھیلائے بہت سے مرد اور عورتیں، اور اللہ سے ڈرو جس کے نام پر تم آپس میں حق مانگتے ہو اور (خیال رکھو) رشتوں کا، بیشک اللہ ہے تم پر نگہبان۔''

(سورۃ النساء، سورۃ نمبر 4، آیت نمبر 1)

اَب میں اپنے مہمانوں کا تعارف کرانا چاہوں گا جو سٹیج پر موجود ہیں۔ میں بہت شکرگزار ہوں جناب ہنگورانی صاحب کا جو سینئر ایڈووکیٹ ہیں کہ اُنہوں نے آج کے جلسے کی صدارت کو قبول کیا۔ جناب کے آر ہنگورانی جو پچھلے پینتالیس سال سے بھیونڈی میں وکیل ہیں۔ آپ پچھلے چھ سال سے بھیونڈی بار ایسوسی ایشن کے صدر بھی رہ چکے ہیں اور ان کا مذاہب پر بڑا گہرا تقابلی مطالعہ ہے۔

ہمارے آج کے مہمانِ خصوصی پر بھاکر ہیگڑے کی شخصیت بھیونڈی والوں

کیلئے جانی پہچانی ہے۔ وہ پچھلے پچاس سالوں سے اس صوبے کے کامیاب وکیل ہیں۔ وہ لاء کمیشن کے ممبر بھی تھے اور اُنہوں نے ہی دی لیگل ایڈ اینڈ لوک عدالت کی بنیاد ڈالی جو بھیونڈی میں پہلی مرتبہ متعارف ہوئی۔ پچھتر سال کی عمر میں بھی وہ ایک کامیاب وکیل ہیں۔ اُنہوں نے جونیئر وکیلوں کی گائیڈنس کیلئے کئی کتابیں بھی لکھیں۔ آجکل یہ بمبئی میں ٹاٹا کے شکار لوگوں کے بچاؤ میں مصروف ہیں۔

ہمارے خاص مقرر جناب ڈاکٹر ذاکر نائیک صدر اسلامک ریسرچ فاؤنڈیشن جو تقابلی مذاہب پر ایک بے خوف عالمی مقرر ہیں۔ وہ ایک ایسی شخصیت ہیں الحمدللہ جن کے سبب اسلامک ریسرچ فاؤنڈیشن کا عالمی سطح پر استقبال کیا جارہا ہے۔ اسلام کی صحیح پیشکش علم اور وضاحت کیلئے اور اسلام کے متعلق غلط فہمیاں دُور کرنے کیلئے، حالانکہ وہ ایک میڈیکل ڈاکٹر ہیں لیکن اُنہوں نے اپنے آپ کو عالمی سطح پر اسلامی حقانیت پھیلانے کیلئے وقف کردیا ہے، خاص طور پر انگریزی زبان بولنے والے کروڑوں سامعین کیلئے۔ صرف بتیس سال کی عمر میں ڈاکٹر ذاکر اسلامی تعلیمات کو سمجھاتے ہیں اور مطمئن کرنے والے انداز اور سائنسی دلیل کے ساتھ لوگوں کی غلط فہمیوں کا ازالہ کرتے ہیں۔ ان کے اندر بے شمار قرآنی آیات اور دوسری مذہبی کتابوں کو لفظ بہ لفظ پیش کرنے کی صلاحیت ہے۔ مشکوک لوگ سوال و جواب کے کھلے دَور میں ان کے عوامی خطبوں کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ اُنہوں نے پچھلے چند سالوں میں مختلف ممالک میں جاکر سینکڑوں لیکچرز دیئے ہیں، جن میں امریکہ، آسٹریلیا، کینیڈا، دوبئی، سعودی عرب، بحرین، کویت، قطر، سری لنکا، ملائشیا، سنگاپور اور دیگر ایسٹرن ممالک شامل ہیں۔ ہندوستان میں دیئے گئے بہت سے عوامی لیکچرز کے علاوہ اُنہوں نے دوسرے مذاہب اور عقیدوں کی اہم شخصیات کے

ساتھ کئی فیصلہ کن مناظرے کیئے۔ (ڈاکٹر ذاکر نائیک کے کامیاب مناظروں پر مشتمل کتاب "ڈاکٹر ذاکر نائیک کے فیصلہ کن مناظرے" اس وقت پاکستان میں بے پناہ مقبولیت کی حامل ہے، جسے بک کارنر شوروم، جہلم ہی نے شائع کیا ہے)۔

ڈاکٹر ذاکر نائیک اس وقت بہت سے عالمی ٹیلی ویژن چینلز پر دکھائی دیتے ہیں۔ ان سے عالمی سطح پر میڈیا کے ذریعے مسلسل انٹرویوز میں پوچھا جاتا ہے کہ اسلام کیوں عورتوں کے حقوق کے خلاف ہے؟ انسانی حقوق، جدید سائنس اور جمہوریت کے خلاف کیوں ہے؟...... لیکن اُنہوں نے بے خوفی سے اسلام کی حقانیت سے میڈیا کی غلط کہانیوں کو دُور کیا۔ اُنہوں نے پہلے سے قائم نتیجوں اور میڈیا کے تعصب کو بے اثر بنایا، جن کی بنیاد ناجائز فرضی نتائج اور فیصلے ہیں۔ اس وقت ڈاکٹر ذاکر نائیک کی اسلام اور تقابلی مذاہب پر سینکڑوں دستاویزات اور لیکچرز کتابی شکل میں منظرِ عام پر آ چکے ہیں۔

دوستو! یہاں میں سب کے تعارف کا اختتام کرتا ہوں۔

میں اقصیٰ ایجوکیشنل سوسائٹی کی طرف سے ٹی سی پی جناب سکینہ صاحب کا استقبال کرتا ہوں، جو ابھی ابھی سٹیج پر تشریف لائے ہیں۔ اور اَب میں جناب محمد نائیک سے باقی اجلاس سنبھالنے کی درخواست کرتا ہوں۔ جناب ڈاکٹر محمد نائیک!

ڈاکٹر محمد نائیک:

جزاک اللہ الخیر آپ کے تعارف کیلیۓ!

ہمارا اِجلاس ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب کی تقریر "عالمی بھائی چارہ" سے شروع ہوگا۔ اُس کے بعد سوال وجواب کا دَور شروع ہوگا۔ آپ "عالمی بھائی چارہ" کے موضوع پر سوال، معلومات یا جرح کر سکتے ہیں، تا کہ یہاں پر موجود سب لوگ

موضوع کو سمجھ سکیں۔

میں دعوت دیتا ہوں جناب ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب کو کہ وہ تشریف لائیں اور ''عالمی بھائی چارہ'' کے موضوع پر تقریر کریں۔

ڈاکٹر ذاکر نائیک کا خطاب

يٰأَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ.

ترجمہ: ”اے لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تا کہ ایک دوسرے کو پہچانو، اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو بلاشبہ اللہ خوب جاننے والا باخبر ہے“۔

(سورۃ حجرات، سورۃ نمبر 49، آیت نمبر 13)

جناب ایڈووکیٹ ہیگڑے صاحب، جناب ایڈووکیٹ ہنگورانی صاحب، قابل احترام بزرگو اور میرے عزیز بھائی بہنو!

میں آپ سب کا اسلامی طریقے سے استقبال کرتا ہوں۔

السلام وعلیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ!

آپ سب پر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ رحم فرمائے اور بے حساب کرم فرمائے!

آج کی اِس خوبصورت صبح کا موضوع ہے......

"عالمی بھائی چارہ"

یوں تو بھائی چارے کی بہت سی قسمیں ہوتی ہیں، مثلاً بھائی چارہ خونی رشتے کی بنیاد پر، بھائی چارہ علاقائی بنیاد پر، قوم، ذات اور عقائد کی بنیاد پر بھائی چارہ وغیرہ۔ مگر بھائی چارے کی یہ تمام قسمیں بہت محدود ہیں۔ لیکن الحمدللہ اِسلام عالمی بھائی چارے پر یقین رکھتا ہے نہ کہ اس بات پر کہ اِنسانوں کو ذات برادری یا چھوٹے بڑے میں فرق کے ساتھ پیدا کیا اور میں نے اپنی بات قرآنِ مجید کی سورۃ حجرات سورۃ نمبر 49 آیت نمبر 13 سے شروع کی تھی، جس میں عالمی بھائی چارے کا اِسلامی نظریہ بہترین انداز میں سمجھایا گیا ہے۔ جوکہ یوں ہے:

ترجمہ: "اے لوگو! بے شک ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، اور تمہاری ذاتیں اور قبیلے بنائے، تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ بیشک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے بڑا عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہے، بیشک اللہ جاننے والا خبردار ہے۔"

(سورۃ حجرات، سورۃ نمبر 49، آیت نمبر 13)

قرآنِ مجید کی یہ آیت بتاتی ہے کہ اے لوگو! ہم نے تم کو مرد و عورت کے ایک جوڑے سے پیدا کیا۔ مطلب یہ کہ تمام اِنسانی نسل صرف ایک مرد اور عورت

کے جوڑے سے شروع ہوئی۔ دُنیا کے تمام اِنسانوں کا جدِّ امجد صرف اور صرف ایک ہی ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے تمام اِنسانی نسل کو قوموں اور قبیلوں میں بانٹ دیا ہے تاکہ وہ ایک دوسرے کو پہچان سکیں نہ کہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے نفرت کریں یا فساد کریں۔ کسی کو پرکھنے کی بنیاد اللہ تعالیٰ کے نزدیک اِس آیت کے مطابق نہ تو وہ جنس ہے، نہ ذات، نہ رنگ، نہ نسل، نہ دولت بلکہ وہ ہے تقویٰ۔ جس کا مطلب ہے اللہ پر یقین کرنا، پرہیز گار ہونا اور نیک عمل کرنا۔ جو کوئی زیادہ نیک عمل کرے گا، زیادہ پرہیز گار ہوگا، زیادہ اللہ پر یقین رکھے گا اُس کیلئے اللہ تعالیٰ کے پاس اونچا درجہ ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور ہر چیز پر خبردار ہے۔ اور اللہ تعالیٰ قرآنِ مجید کی سورۃ رُوم، سورۃ نمبر 30، آیت نمبر 22 میں فرماتا ہے:

ترجمہ: ''اور اُس کی نشانیوں میں سے ہے آسمانوں کا اور زمین کا پیدا کرنا، اور تمہاری زبانوں اور تمہارے رنگوں کے مختلف ہونے میں (نشانیاں ہیں)، بیشک اس میں دانشمندوں کے لئے نشانیاں ہیں''۔

قرآنِ مجید میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف طرح کی زبانیں پیدا کیں، اور رنگ پیدا کئے۔ کالے، گورے، پیلے اِنسان سب اللہ کی نشانیاں ہیں، لہٰذا رنگوں اور زبانوں کا یہ اختلاف ایک دوسرے کو کمتر سمجھنے کیلئے نہیں۔ ہر وہ زبان جو اِس دُنیا میں موجود ہے وہ میٹھی زبان ہے۔ جو زبان آپ کیلئے اجنبی ہے وہ آپ کو عجیب لگ سکتی ہے۔ جس زبان کو آپ نے پہلے سنا اُس کو سن کر ہنسی آ سکتی ہے لیکن جو لوگ اُس زبان کو بولتے ہیں اُن کیلئے وہ سب سے میٹھی زبان ہے۔ اِس لئے اللہ تعالیٰ فرماتا

ہے کہ اُس نے مختلف زبانیں اور رنگ ونسل کا یہ اختلاف محض تعارف اور پہچان کیلئے پیدا کیا۔

قرآنِ مجید کی سورۃ الاِسراء سورۃ نمبر 17 آیت نمبر 70 میں ہے:

ترجمہ: ''اور ہم نے اولادِ آدم علیہ السلام کو عزت بخشی، اور ہم نے انہیں خشکی اور دریا میں سواری دی، اور ہم نے انہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا، اور ہم نے انہیں اپنی بہت سی مخلوق پر بڑائی دے کر فضیلت دی۔''

اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرماتا کہ اُس نے صرف عالموں یا امریکیوں کو یا کسی خاص قوم کو عزت بخشی بلکہ اللہ تعالیٰ نے تمام اولادِ آدم کو بغیر کسی قوم، نسل، ذات، جنس کا فرق کیے ہوئے عزت بخشی اور بہت سے مذاہب کے ماننے والوں کا یقین ہے کہ تمام اِنسانیت کو ایک ہی جوڑے سے پیدا کیا گیا ہے اور وہ ہیں آدم اور حوا۔ لیکن کچھ ماننے والے ہیں جو کہتے ہیں کہ یہ سب عورت کے گناہ کے سبب سے ہوا۔ یعنی ہر اِنسانی پیدائش ایک گناہ سے ہوئی اور وہ لوگ عورت یعنی حوا پر اِلزام لگاتے ہیں۔

حقیقت میں قرآنِ مجید کئی مقامات پر آدم اور حوا علیہم السلام کے واقعات بتاتا ہے۔ لیکن ہر جگہ پر برابری کے ساتھ دونوں کو یعنی آدم و حوا علیہم السلام کو ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے۔ اگر آپ سورۃ اعراف سورۃ نمبر 7 آیت نمبر 19 تا 27 پڑھیں:

ترجمہ: ''اے آدم علیہ السلام! تم اور تمہاری بیوی (حوا) جنت میں رہو، پس کھاؤ جہاں سے تم چاہو اور اُس درخت کے قریب نہ جانا (اگر ایسا کرو گے) تو ظالموں میں سے ہو جاؤ گے، پس وسوسہ ڈالا شیطان نے اُن کیلئے (اُن کے دِل میں) تاکہ اُن کے

ستر کی چیزیں جو اُن سے پوشیدہ تھیں اُن کیلئے ظاہر کر دے اور بولا تمہارے رَبّ نے تمہیں اِس درخت سے منع نہیں کیا مگر اس لئے کہ (کہیں) تم فرشتے ہو جاؤ یا ہمیشہ رہنے والوں میں سے ہو جاؤ اور اُن سے قسم کھا گیا کہ میں بے شک تمہارے لئے خیر خواہوں سے ہوں، پس اُن کو مائل کر لیا دھوکہ سے، پس جب اُنہوں نے درخت چکھا تو اُن کیلئے اُن کی ستر کی چیزیں کھل گئیں اور وہ اپنے اوپر جوڑ جوڑ کر رکھنے لگے (ستر چھپانے کیلئے) جنت کے پتے اور اُن کے رَبّ نے اُنہیں پکارا کیا میں نے تمہیں اُس درخت سے منع نہیں کیا تھا؟ اور کہا تھا تمہیں کہ بے شک شیطان تمہارا کھلا دُشمن ہے، اِن دونوں نے کہا اے ہمارے رَبّ! ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا اور اگر تُو نے ہمیں نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم ضرور خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے، فرمایا تم اُترو! تم میں سے بعض بعض کے دُشمن ہیں اور تمہارے لئے زمین میں ایک وقت (معین) تک ٹھکانا اور سامانِ زیست ہے، فرمایا اِس میں تم جیو گے اور اِس میں تم مرو گے اور اِسی سے تم نکالے جاؤ گے، اے اولادِ آدم! ہم نے تم پر اُتارا لباس جو ڈھانکے تمہارے ستر اور (موجبِ) زینت ہو، اور پرہیزگاری کا لباس سب سے بہتر ہے، یہ (لباس) اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ وہ غور کریں، اے اولادِ آدم! (کہیں) شیطان تمہیں بہکا نہ دے، جیسے اُس نے نکالا

تمہارے ماں باپ (آدم وحوا) کو جنت سے، اُن کے لباس اُتروادیئے تاکہ اُن کے ستر ظاہر کردے، بے شک تمہیں دیکھتا ہے وہ، وہ اور اس کا قبیلہ اُس جگہ سے جہاں تم اُنہیں نہیں دیکھتے، بے شک ہم نے شیطانوں کو اُن لوگوں کا رفیق بنادیا جو ایمان نہیں لاتے۔"

آدم اور حوا علیہم السلام کا ذِکر ایک درجن سے زائد مرتبہ کیا گیا ہے اور قرآن میں ہے کہ اُن دونوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور دونوں نے توبہ کی اور دونوں کو معاف کردیا گیا۔ دونوں اِس غلطی میں برابر کے شریک ہیں۔ قرآنِ مجید میں ایک بھی ایسی آیت نہیں ہے جو صرف حضرت حوا پر الزام لگاتی ہو۔ جبکہ قرآنِ پاک میں ایک آیت ایسی ہے جس کے مطابق صرف آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ سورۃ طٰہٰ، سورۃ نمبر 20، آیت نمبر 121 میں ہے:

ترجمہ: "اور آدم علیہ السلام نے اپنے ربّ کی نافرمانی کی تو وہ بہک گیا۔"

لیکن اگر آپ قرآن پڑھیں تو دونوں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے برابر کے ذمہ دار ہیں۔ دونوں نے توبہ کی اور دونوں کو بخش دیا گیا۔

بعض لوگوں کا یہ عقیدہ ہے جو کہتے ہیں کہ حضرت حوا علیہا السلام نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور وہی اِنسان کے گناہ گار پیدا ہونے کی ذمہ دار ہیں لیکن اِسلام اس بات سے اتفاق نہیں کرتا۔ اس طرح یہ بات کہ اللہ تعالیٰ نے سزا کے طور پر عورت کو دردِزہ دے دیا یعنی Laber Pains، حمل جیسی سزا سے نوازا، اسلام اس بات کا بالکل بھی قائل نہیں۔

اور جلسے کی شروعات میں قاری صاحب نے قرآن پاک کی سورۃ النساء، سورۃ نمبر 4، آیت نمبر 1 کا حوالہ دیا تھا، جس کے مطابق:

ترجمہ: اے لوگو! اپنے رَب سے ڈرو، جس نے تمہیں ایک جان (آدم علیہ السلام) سے پیدا کیا، اور اُسی سے اُس کا جوڑا پیدا کیا، اور ان دونوں سے پھیلائے بہت سے مرد اور عورتیں، اور اللہ سے ڈرو جس کے نام پر تم آپس میں حق مانگتے ہو اور (خیال رکھو) رشتوں کا، بیشک اللہ ہے تم پر نگہبان۔''

اِسلام میں حمل عورت کے مرتبے کو گھٹاتا نہیں بلکہ بڑھاتا ہے اور قرآنِ پاک کی سورۃ لقمان، سورۃ نمبر 31، آیت نمبر 14 میں ہے:

ترجمہ: ''اور ہم نے انسان کو تاکید کی اس کے ماں باپ کے بارے میں (حسنِ سلوک کی) اس کی ماں نے کمزوری پر کمزوری (جھیلتے ہوئے) اسے پیٹ میں رکھا اور دو سال میں اس کا دودھ چھڑایا کہ میرا شکر کر اور ماں باپ کا، میری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے''۔

اسی طرح قرآنِ پاک کی سورۃ احقاف، سورۃ نمبر 46، آیت نمبر 15 میں ہے:

ترجمہ: ''اور ہم نے انسان کو ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیا، اس کی ماں اسے تکلیف کے ساتھ (پیٹ میں) اُٹھائے رہی اور اس نے اسے تکلیف کے ساتھ جنا، اور اس کا حمل اور اس کا دودھ چھڑانا تیس مہینے میں ہوا۔''

حمل عورت کا مرتبہ بڑھاتا ہے، گھٹاتا نہیں اور اِسلام عورت اور مرد کو برابری کا درجہ دیتا ہے۔ صحیح بخاری شریف، کتاب الآداب، باب نمبر 2 حدیث نمبر 2 میں ہے کہ

''ایک شخص حضرت محمد ﷺ کے پاس آیا اور پوچھا:

یا رسول اللہ ﷺ! اِس دُنیا میں کس کا مجھ پر سب سے زیادہ حق ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا:

تیری ماں کا!

اس آدمی نے پوچھا:

اُس کے بعد؟

آپ ﷺ نے فرمایا:

تیری ماں کا!

اس آدمی نے پوچھا:

اُس کے بعد کون؟

آپ ﷺ نے تیسری مرتبہ فرمایا:

تیری ماں کا!

آدمی نے پوچھا:

اُس کے بعد کون؟

تب آپ ﷺ نے فرمایا، تیرے باپ کا''۔

مختصر صرف یہ کہ 75% یعنی بچوں کی محبت اور خدمت کا پونا حصہ صرف

ماں کیلئے ہے۔ 25% محبت اور خدمت کا باپ کیلئے ہے۔ مختصر یہ کہ ماں کو ملتا ہے سونے کا تمغہ، اُس کو ملتا ہے چاندی کا تمغہ اور اُسی کو ملتا ہے تانبے کا تمغہ اور باپ کو صرف تسلی بخش انعام سے ہی کام چلانا پڑتا ہے۔ یہ ہیں اِسلام کی تعلیمات۔

اِسلام میں مرد اور عورت برابر ہیں، لیکن برابری کا مطلب ہو بہو ہونا نہیں۔ اسلام میں حقوقِ نسواں کے حوالے سے بہت سی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ اگر قرآن اور صحیح احادیث کی مدد سے سمجھا جائے تو بہت سے مسلموں اور غیر مسلموں کی یہ غلط فہمیاں دُور ہو سکتی ہیں۔

جیسا کہ میں نے کہا مرد اور عورت کُلی طور پر برابر ہیں لیکن برابری کا مطلب ہُو بہو ہونا نہیں۔ میں آپ کو ایک مثال دیتا ہوں کہ اگر طلباء کی جماعت میں دو طلباء...... طالب علم A اور طالب علم B دونوں اوّل آتے ہیں اور دونوں کو ملتے ہیں 100 میں سے 80 نمبر...... لیکن اگر آپ جوابی پرچے پر غور کریں، اِس میں 10 سوال ہیں...... ہر سوال کیلئے 10 نمبر...... پہلے سوال میں طالب علم A پاتا ہے 10 نمبر...... طالب علم B پاتا ہے 10 میں سے 7 نمبر...... اِسی سوال نمبر 1 میں طالب علم A طالب علم B سے بہ نسبت آگے ہے۔ سوال نمبر 2 میں طالب علم B پاتا ہے 10 میں سے 9 نمبر اور طالب علم A پاتا ہے 10 میں سے 7...... سوال نمبر 2 میں طالب علم B طالب علم A سے بہ نسبت آگے ہے۔ باقی کے 8 سوالوں میں دونوں پاتے ہیں 10 میں سے 8 اور اگر آپ دونوں طلباء کے نمبر جوڑیں تو دونوں پاتے ہیں 100 میں سے □6□80 اِس لئے اگر آپ دونوں کا تجزیہ کریں...... طالب علم A اور طالب علم B کلی طور پر برابر ہیں۔ لیکن کچھ سوالوں کے جواب میں طالب علم A بہ نسبت آگے ہے کچھ سوالوں کے جواب میں طالب علم B بہ نسبت

آگے ہے۔ لیکن کلی طور پر دونوں برابر ہیں۔ اسی طرح اِسلام میں مرد اور عورت برابر ہیں۔ بھائی چارے کا مطلب اِسلام میں یہ نہیں کہ صرف ایک ہی جنس کے لوگ برابر ہیں۔ عالمی بھائی چارے سے یہی مراد ہے کہ رنگ، نسل، زبان اور عقائد کے علاوہ جنس کی بنیاد پر بھی انسانوں کے درمیان کوئی فرق روا رکھنا جائز نہیں۔ یہاں تک کہ جنس بھی کُلّی طور پر برابر ہے۔

اِسلام میں مرد اور عورت برابر ہیں لیکن کچھ مسئلوں میں مرد کو برتری حاصل ہے، کچھ معاملات میں عورت کو برتری حاصل ہے۔ لیکن کُلّی طور پر دونوں برابر ہیں۔

مثال کے طور پر ایک چور میرے گھر میں گھس آتا ہے، میں یہ نہیں کہوں گا کہ میں عورتوں کے حقوق کو مانتا ہوں اور اُن کی آزادی پر یقین رکھتا ہوں اِسلئے میری بہن، میری بیوی، میری ماں کو چور سے جا کر لڑنا چاہئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ سورۃ النساء، سورۃ نمبر 4، آیت نمبر 34 میں فرماتا ہے:

ترجمہ: ''اللہ نے مرد کو زیادہ طاقت دی''۔

یعنی مرد زیادہ طاقتور ہے عورت سے، اِسلئے جہاں طاقت کا سوال ہے وہاں مرد کو برتری حاصل ہے، کیونکہ اُن کو زیادہ طاقت دِی گئی ہے، عورتوں کی حفاظت کرنا اُن کا فرض ہے۔ یہاں مرد کو برتری حاصل ہے۔ جہاں محبت و خدمت کا سوال ہے، جو بچوں کو اپنے ماں باپ کو دینی چاہئے وہاں عورت کو برتری حاصل ہے، جیسے میں نے پہلے بھی کہا کہ بہ نسبت باپ کے ماں تین گناہ زیادہ احترام اور خدمت پاتی ہے۔ یہاں عورت کو برتری حاصل ہے۔ لیکن کلّی طور پر آپ غور کریں تو مرد اور عورت اِسلام میں برابر ہیں اور مزید تفصیلات کیلئے آپ میرا وِڈیو کیسٹ

دیکھ سکتے ہیں جس کا موضوع ہے ''اسلام میں عورتوں کے حقوق (Women Rights in Islam)'' (یہ لیکچر ''خطبات ڈاکٹر ذاکر نائیک پارٹ 1'' کے پانچ مجموعی لیکچرز میں شامل ہے، جو ''بک کارنر شورُوم جہلم'' سے شائع ہوا)۔

اِس لیکچر کے پہلے حصے میں تقریر ہے اور دوسرے حصے میں سوال و جواب کا دَور ہے۔ اِس لیکچر میں ''اسلام میں عورتوں کے حقوق'' کے موضوع پر تفصیل سے بات کی گئی ہے اور بہت سی غلط فہمیاں جو لوگوں کے دماغوں میں ہیں، دُور کی گئی ہیں اور اسلام میں عورتوں کے حقوق کے حوالے سے میں نے اپنی اِس تقریر کو چھ بڑے حصوں میں تقسیم کیا ہے:

☆ روحانی حقوق
☆ معاشرتی حقوق
☆ سماجی حقوق
☆ قانونی حقوق
☆ تعلیمی حقوق
☆ سیاسی حقوق

جس میں مکمل طور پر ان حقوق پر گفتگو کی گئی ہے اور ثابت کیا ہے کہ کُلّی طور پر مرد اور عورت برابر ہیں۔

اِسلام میں اللہ تعالیٰ کا تصور اُس خدائے برتر کا تصور نہیں ہے جو کسی خاص نسل یا ایک خاص اِنسانی گروہ کو دیکھتا ہے۔

قرآنِ پاک کی پہلی سورۃ فاتحہ میں ہے:

ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جو تمام جہانوں کا رَب ہے، بہت

مہربان، رحم کرنے والا ہے، روزِ جزا کا مالک ہے۔''

(سورۃ فاتحہ، آیت نمبر 1 تا 3)

خدائے برتر کو''ربّ العالمین'' کہا گیا ہے یعنی تمام جہانوں کا ربّ!

اور قرآنِ مجید کی آخری سورۃ الناس آیت نمبر 1 میں ہے:

ترجمہ: ''کہو میں پناہ مانگتا ہوں (تمام) انسانوں کے ربّ کی۔''

اللہ تعالیٰ تمام اِنسانوں کا ربّ ہے نہ کہ لوگوں کے خاص گروہ کا یا کسی خاص نسل کا۔ اور قرآن مجید میں بہت سی آیات ہیں جو یہ کہہ کر شروع ہوتی ہیں، ''یا ایھاالناس" اے اِنسانو! ...... ''یا ایھاالناس" اے اِنسانو! ...... ''یا ایھاالناس" اے اِنسانو!

اور میں نے بھی اپنی تقریر کے شروع میں دو آیتوں کا حوالہ دیا تھا، جو ''یا ایھاالناس" اے اِنسانو! ......!! شروع ہوتی ہیں.

اور قرآن مجید کی سورۃ بقرہ، سورۃ نمبر 2، آیت نمبر 168 میں ہے:

''یا ایھاالناس ......

ترجمہ: ''اے لوگو! زمین میں جتنی بھی حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں، اُنہیں کھاؤ پیو! اور شیطان کے بتائے ہوئے راستوں پر نہ چلو، وہ تمہارا کھلا دُشمن ہے۔''

ساری دُنیا میں عالمی بھائی چارے کو عام کرنے کیلئے اِسلام میں ایک اخلاقی معیار ہے، ایک اخلاقی قانون ہے، جو ساری دُنیا میں بھائی چارے کو عام کرنے میں مدد کرتا ہے۔

قرآن مجید کی سورۃ مائدہ، سورۃ نمبر 5، آیت نمبر 32 میں ہے:

ترجمہ: ''جو شخص کسی کو بغیر اِس کے کہ وہ کسی کا قاتل ہو یا زمین میں فساد مچانے والا ہو، قتل کر ڈالے تو گویا اُس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا اور جو شخص کسی ایک کی جان بچالے اُس نے گویا تمام لوگوں کو بچالیا۔''

قرآنِ مجید میں ہے کہ اگر کوئی شخص کسی اِنسان کو قتل کرتا ہے، چاہے وہ مسلم ہے یا غیر مسلم، یہ اسی طرح ہے جیسے اُس نے پوری انسانیت کا قتل کیا۔ اور اگر وہ اِنسان کسی کو بچاتا ہے چاہے وہ مسلم ہو یا غیر مسلم، کسی بھی ذات رنگ یا عقیدے سے ہو ٹھیک ویسے ہی ہے جیسے اُس نے ساری انسانیت کو بچایا۔

قرآنِ مجید میں ایسے بہت سے قوانین ہیں، جن سے پوری دُنیا میں اخلاقی انتظام اور عالمی بھائی چارہ عام ہو جائے گا۔

قرآنِ مجید میں ہے کہ کبھی کسی کو چوری نہیں کرنی چاہئے۔ یہ جرم ہے یہ گناہ ہے۔ اِسلام کے پاس ایک طریقہ ہے زکوٰۃ کا، جس میں ہر صاحبِ نصاب کو زکوٰۃ ادا کرنا ہوتی ہے۔ یعنی جس کے پاس بے حساب دولت ہے تو اُسے ہر قمری سال کے آخر میں اپنی بچت کا اڑھائی فیصد حصہ خیرات میں دینا چاہئے۔ اگر دُنیا کا ہر اِنسان زکوٰۃ دے تو اِس دُنیا سے غریبی بالکل مٹ جائے گی۔ دُنیا میں ایک اِنسان بھی ایسا نہیں ہوگا جو بھوک سے مرے گا۔

قرآنِ مجید میں ہے کہ تمہیں پڑوسیوں کی مدد اور اُن کے کام آنا چاہئے:

ترجمہ: ''کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جو روزِ جزا اور سزا کو جھٹلاتا ہے؟ یہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے، اور مسکین کو کھانا کھلانے کی رغبت نہیں دلاتا۔ پس ان نمازیوں کیلئے خرابی ہے جو اپنی

نمازوں سے غافل ہیں، جو دکھاوا کرتے ہیں اور عامِ ضرورت
کی چیزیں (لوگوں کو) دینے سے گریز کرتے ہیں''۔

(سورۃ الماعون، سورۃ نمبر 107، آیت 1 تا 7)

قرآنِ مجید میں ہے کہ لعنت ہے اُن لوگوں پر جو پڑوسیوں کی بھی مدد نہیں کرتے اور اسی طرح ایک حدیثِ نبوی ﷺ کا مفہوم ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے فرمایا کہ وہ مسلمان نہیں جو پیٹ بھر کر سوتا ہے جبکہ اُس کے پڑوسی بھوکے ہیں۔ جس کا مطلب ہے کوئی شخص جو پیٹ بھر کے کھانا کھا کر سوتا ہے، جبکہ اُس کے پڑوسی بھوکے ہیں تو اُس نے اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے حکم کی نافرمانی کی۔

قرآنِ کریم فضول خرچی سے بھی روکتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوا!

ترجمہ: ''اور دو قرابت دار کو اس کا حق، اور مسکین اور مسافر کو، اور
اندھا دُھند فضول خرچی نہ کرو۔ بیشک فضول خرچ شیطانوں
کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے ربّ کا ناشکرا ہے۔''

(سورۃ بنی اسرائیل، آیت 26، 27)

اگر آپ ایک فضول خرچ انسان ہیں تو یہ عالمی بھائی چارے کی فضا کو خراب کرنے کا سبب ہے۔ کیونکہ اگر ایک شخص ایسا کرتا ہے تو اس کے نتیجے میں دُشمنی اور نفرت کے جذبات کو فروغ ملتا ہے۔ کیونکہ جب ایک شخص فضول خرچی یا ریاکاری کرتا ہے تو اس کے نتیجہ میں نفرت اور حسد کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ کسی بھی حال میں ہمیں کسی کا حق نہیں مارنا چاہیے بلکہ ایک دوسرے کی مدد کرنی چاہیے۔ اپنے پڑوسی کی مدد کرنی چاہیے۔ یہ وہ اخلاقی اصول و قواعد ہیں جو قرآنِ عظیم نے بیان کئے۔

اسی طرح قرآنِ پاک میں رشوت کو بھی ناپسند کیا گیا ہے۔ جیسا کہ قرآنِ کریم کی سورۃ البقرہ، سورۃ نمبر 2، آیت نمبر 188 میں ارشاد ہوا ہے:

ترجمہ: ''اور تم لوگ آپس میں ناحق ایک دوسرے کا مال نہ کھاؤ اور اس سے حاکموں تک (رشوت) نہ پہنچاؤ کہ جس سے دوسروں کا مال تمہیں جان بوجھ کر ظالمانہ طریقے سے کھانے کا موقع ملے۔''

یعنی اس بات سے منع کیا جا رہا ہے کہ دوسروں کا مال ہتھیانے کی کوشش نہ کرو۔ اسلام اس بات کو سختی سے منع کرتا ہے کہ کوئی شخص اپنے کسی بھائی کا مال زبردستی دبانے کی کوشش کرے۔

ایسے ہی اسلام یہ بھی منع کرتا ہے کہ نشہ، شراب اور جواء وغیرہ سے بچو۔ جیسا کے قرآنِ کریم کی سورۃ المائدہ، سورۃ نمبر 5، آیت نمبر 90 میں ارشاد ہوتا ہے:

ترجمہ: ''اے ایمان والوں یہ شراب اور یہ جواء اور بت اور یہ پانسے (فال کے تیر) ناپاک ہیں، یہ سب گندے شیطانی کام ہیں، تم ان سے بالکل بچ کے رہا کرو تا کہ تم بامراد رہو''۔

اس آیت میں قرآنِ پاک ہمیں جوئے اور نشہ آور اشیاء کے استعمال سے منع کر رہا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی بتا رہا ہے کہ یہ شیطانی کام ہیں جن سے شیطان خوش ہوتا ہے۔ ہمیں یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ معاشرے میں بہت سی برائیوں کی بنیادی وجہ منشیات کا استعمال ہے اور یہ چیز ایک مثالی بھائی چارے کی راہ میں بھی رکاوٹ کا باعث بنتی ہے۔ اگر اعداد و شمار کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات پتہ چلتی

ہے کہ امریکہ میں اوسطاً روزانہ تقریباً ایک ہزار نو سو جنسی زیادتی کے کیس ہوتے ہیں اور اکثر کیسوں میں زیادتی کرنے والے اور زیادتی کا شکار ہونے والے نشے کی حالت میں پائے جاتے ہیں۔

اسی طرح اعداد وشمار سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں مُحرم عورتوں سے زنا کے واقعات کی شرح ۸ فیصد ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہر بارھواں یا تیرھواں شخص محرم کے ساتھ زنا کا مرتکب ہوتا ہے اور یہ سارے واقعات نشے کی حالت میں رونما ہوتے ہیں۔

دنیا میں ایڈز کے تیزی سے پھیلاؤ کی ایک اہم وجہ منشیات کا استعمال ہی ہے۔ اسی وجہ سے قرآن نے منشیات وغیرہ کو شیطانی کام قرار دیا ہے۔ کامیابی اور فلاح کیلئے ان اعمال سے بچنا بہت ضروری ہے۔ اگر ہم ان اعمال کا شکار ہوتے ہیں تو دُنیا میں بھائی چارے کے عمل کو نقصان پہنچتا ہے۔ قرآنِ پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

ترجمہ: ''زنا کے قریب مت جاؤ، بیشک یہ بے حیائی اور بُرا راستہ ہے''۔

(سورۃ بنی اسرائیل 17، آیت نمبر 32)

یہاں اسلام نے بدکرداری سے منع کیا ہے۔ ایسے ہی سورۃ حجرات 49 آیت نمبر 11، 12 میں ارشاد ہوتا ہے:

ترجمہ: ''اے ایمان والو! (تم میں سے) ایک گروہ (کچھ مرد) دوسرے گروہ (مردوں) کا مذاق نہ اُڑائیں، کیا عجب! کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں کا (مذاق) اُڑائیں، کیا

عجب! کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور ایک دوسرے پر عیب نہ
لگاؤ، اور باہم برے القاب سے نہ چڑاؤ (نام نہ بگاڑو) ایمان
کے بعد گناہ (کا نام) بُرا نام ہے، اور جو باز نہ آیا تو یہی لوگ
ظالم ہیں۔"

یہاں کسی کی پیٹھ پیچھے برائی کو بہت بڑا گناہ قرار دیا گیا ہے اور اس عمل کو ایسے کہا گیا ہے جیسے کوئی اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھا رہا ہو۔ اس کی مثال پیش کی گئی ہے۔ انسان کا گوشت کھانا حرام ہے اور پھر اپنے ہی مردہ بھائی کا گوشت؟ یعنی حرمت دوگنی بڑھ گئی۔ آدم خور لوگ بھی کم سے کم اپنے ہی بھائی کا گوشت کھانے کو تیار نہیں ہوتے۔ اس لئے اگر آپ کسی کی غیبت کرتے ہیں تو آپ نے دوہرا گناہ کیا ہے۔ تو کیا آپ اس کو پسند کریں گے؟ قرآن نے اس کا جواب دیا ہے کہ نہیں پسند کرو گے۔ کوئی بھی اس کو پسند نہیں کرے گا۔

قرآنِ پاک میں آیا ہے:

ترجمہ: "اس شخص کیلئے ہلاکت ہے جو لوگوں کو برا بھلا کہتا ہے اور
(پیچھے) برائیاں کرتا ہے۔"

قرآنِ مجید اور صحیح حدیث میں دیئے گئے یہ تمام اخلاقی اصول حقیقی بھائی چارے کو فروغ دینے کیلئے اور اسے مضبوط کرنے کیلئے ہیں۔ اسلام اس حوالے سے دوسرے مذاہب سے مختلف ہے کہ یہ صرف بھائی چارے کا ذکر ہی نہیں کرتا بلکہ اس کو عملی طور پر بھی نافذ کرنے کیلئے ان باتوں پر زور دیتا ہے۔

مسلمان اس بھائی چارے کے عملی مظاہرے دن میں پانچ مرتبہ باجماعت نماز کی صورت میں کرتے ہیں۔

صحیح بخاری شریف کی ایک حدیث ہے:

ترجمہ: ''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہم نماز باجماعت کیلئے کھڑے ہوتے ہیں تو کندھے سے کندھا اور پاؤں سے پاؤں ملا کر کھڑے ہوتے ہیں۔''

اسی طرح سنن ابوداؤد شریف، کتاب الصلوٰۃ میں ایک حدیث ہے:

ترجمہ: ''حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، جب تم نماز کیلئے کھڑے ہو تو اپنی صفیں برابر کر لیا کرو اور کندھے کے ساتھ کندھا ملایا کرو اور شیطان کیلئے درمیان میں خالی جگہ نہ چھوڑا کرو۔''

اس حدیث میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نماز کے دوران ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کھڑے ہوا کرو اور شیطان کیلئے درمیان میں خالی جگہ نہ چھوڑا کرو۔ یہاں اس شیطان کا ذکر نہیں کیا گیا جو آپ ٹی وی پر دیکھتے ہیں جس کے سر پر دو سینگ ہوتے ہیں اور ایک دم بھی ہوتی ہے۔ یہاں اس طرح کی کوئی مخلوق مراد نہیں ہے بلکہ یہاں نسل پرستی، علاقائی تعصب ذات پات، رنگ و نسل اور زبان کے تعصب کے شیطان کا ذکر کیا گیا ہے جسے درمیان میں گھسنے سے روکا گیا ہے۔

عالمی بھائی چارے کی سب سے بڑی مثال ''حج'' ہے۔ پوری دنیا سے کوئی پچیس لاکھ انسان حج کی ادائیگی کیلئے سعودی عرب کے شہر مکہ میں جمع ہوتے ہیں۔ یہ لوگ دُنیا کے کونے کونے سے آتے ہیں۔ امریکہ، کینیڈا، برطانیہ، سنگاپور، ملائیشیا، انڈیا، پاکستان، انڈونیشیا دُنیا کے ہر خطے سے مسلمان حج کی ادائیگی کیلئے مکہ پہنچتے ہیں۔

حج کے موقع پر ہر انسان ایک جیسی اَن سلی چادریں (احرام) اوڑھے ہوتا ہے۔ آپ اپنے اردگرد موجود لوگوں کے بارے میں یہ نہیں جان سکتے کہ ان کی حیثیت کیا ہے؟ چاہے وہ کوئی بادشاہ ہے یا فقیر، سب ایک ہی طرح کے لباس میں ہوتے ہیں۔ بین الاقوامی بھائی چارے کی اس سے بڑی مثال اور کیا ہو سکتی ہے؟

حج دنیا کا سب سے بڑا اجتماع ہوتا ہے اور اس میں امیر یا غریب، گورا یا کالا، مشرقی یا مغربی، سب ایک ہی لباس میں ملبوس ہوتے ہیں۔

حضرت محمد ﷺ نے اپنے آخری خطبہ میں یہ اعلان کر دیا کہ تمام انسان ایک ہی خدا کی مخلوق ہیں:

> ''کسی عربی کو کسی عجمی پر یا کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں، کسی گورے کو کسی کالے پر یا کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں، ہاں فضیلت صرف اور صرف تقویٰ کی بنیاد پر ہے۔''

صرف تقویٰ، پرہیز گاری اور اللہ سے ڈرنے والے کو ہی فضیلت حاصل ہے۔ قوم، رنگ یا نسل برتری کا معیار نہیں۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ہاں سب انسان برابر ہیں۔

حج کے اجتماع میں تمام لوگ ایک ہی فقرہ بار بار دہراتے ہیں:

لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ........!

''میں حاضر ہوں، اے اللہ میں حاضر ہوں، کوئی نہیں معبود..........''

جب وہ یہ فقرے بار بار دہراتے ہیں تو ان کے ذہن میں یہ پختہ ہو جاتے ہیں اور جب وہ واپس جاتے ہیں تو یہ الفاظ ان کے ذہن میں مسلسل رہتے ہیں۔

اسلام کا بنیادی عقیدہ یہی ہے کہ اس بات پر ایمان لایا جائے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اس کائنات کا بلاشرکت غیرے خالق و مالک ہے۔ صرف وہی ہے جس کی عبادت کی جائے۔ اگر آپ بغور جائزہ لیں تو ایک، اور صرف ایک خدا پر ایمان عالمی بھائی چارے کی ایک عملی صورت ہے۔

ایک ہی خدا سارے انسانوں کا خالق ہے۔ کوئی امیر ہے یا غریب، گورا ہے یا کالا، مرد ہے یا عورت، چاہے اس کا تعلق کسی بھی عقیدے، مذہب، ذات، ملک یا علاقے سے ہو، سب برابر ہیں کیونکہ سب کا خالق ایک ہی ہے۔ سب کو ایک خدا نے پیدا کیا ہے۔ اگر آپ ایک خدا کو مانتے ہیں تو پھر آپ کے درمیان عالمی بھائی چارہ ممکن ہے۔

یہی وجہ ہے کہ دُنیا کے تمام بڑے مذاہب میں ایک سب سے اعلیٰ خدائے واحد کا تصور موجود ہے۔ انگلش کی آکسفورڈ ڈکشنری میں مذہب کی تعریف اس طرح بیان کی گئی ہے:

"Blief in a super human controlling power, a God or gods that deserve worship & obedience"

اس کی روشنی میں اگر آپ کسی مذہب کو سمجھنا چاہتے ہیں تو اس کیلئے لازمی ہے کہ اس مذہب میں موجود خدا کے تصور کو دیکھا جائے۔ ہاں کسی مذہب میں خدا کے تصور کو اس کے ماننے والوں کے اعمال و افعال کو سامنے نہیں رکھا جائے گا۔ اس لئے کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ کسی مذہب کے ماننے والے اس مذہب کی حقیقی تعلیمات سے واقف ہوں اور ان پر عمل پیرا بھی ہوں۔ اس لیے یہ ایک بہترین طریقہ ہوگا کہ اس مذہب کی مقدس کتب کا جائزہ لیا جائے اور یہ جان لیا جائے کہ

ان کے اندر خدا کا کیا تصور پیش کیا گیا ہے۔

قرآنِ پاک کی سورۃ آلِ عمران سورۃ نمبر 3، آیت نمبر 64 میں ہے:

ترجمہ: ''اے محمد ﷺ! ان اہلِ کتاب سے کہو کہ آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہم میں اور تم میں یکساں ہے، یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا ربّ نہ بنائے، اگر وہ اس بات سے انکار کریں تو صاف کہہ دو کہ گواہ رہو ہم تو مسلمان ہیں۔''

اللہ تعالیٰ آپ کو ایک راستہ دِکھاتا ہے کہ کس طرح مختلف لوگوں سے بات کی جائے۔ اور فرمایا کہ ایسی باتوں کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں یکساں ہیں۔ پہلی بات کیا ہے؟...... کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔ نہ اُس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں۔ اس لئے خدا کے تصور کو سمجھنے کیلئے کسی بھی مذہب میں ہمیں سمجھنا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں کتابیں کیا کہتی ہیں۔ اگر آپ نے خدا کے تصور کو سمجھ لیا، آپ مذہب کو سمجھ جائیں گے۔

آیئے ہم سب سے پہلے ہندو مذہب میں خدا کے تصور کا تجزیہ کرتے ہیں۔

اگر آپ کسی عام ہندو (جو کوئی عالم نہ ہو) سے پوچھیں کہ تم کتنے خداؤں کی عبادت کرتے ہو تو ان کا جواب مختلف ہو سکتا ہے جیسے کہ کوئی کہے گا تین، کوئی سو اور کوئی ایک ہزار جبکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا جواب 33 کروڑ ہو۔ مگر اس کے برعکس اگر آپ کسی قابل شخص (جو ہندو کتابوں کا ماہر ہو) سے یہی سوال کریں گے تو

وہ یہ جواب دے گا کہ ہندوؤں کو حقیقت میں صرف ایک خدا کو پوجنا چاہئے اور صرف اسی پر ایمان رکھنا چاہیے۔

لیکن ایک عام ہندو ''حلول (Panthisim)'' کے عقیدے پر ایمان رکھتا ہے۔ ایک عام ہندو کہتا ہے کہ ہر چیز خدا ہے، پیڑ خدا ہے، سورج خدا ہے، انسان خدا ہے، بندر خدا ہے، سانپ خدا ہے یا چاند خدا ہے۔ ہم مسلمانوں کا نظریہ ہے کہ سب کچھ خدا ''کا'' ہے۔ وہ ''کا'' کہتے ہیں۔ سب کچھ خدا کا ہے۔ پیڑ خدا کا ہے، سورج خدا کا ہے، چاند خدا کا ہے، بندر خدا کا ہے، انسان خدا کا ہے، سانپ خدا کا ہے۔ اس لئے ہندوؤں اور مسلمانوں کے بیچ بڑا فرق صرف اتنا ہے کہ عام ہندو کہتا ہے کہ ہر چیز خدا ہے جبکہ ہم مسلمان کہتے ہیں کہ سب کچھ خدا کا ہے۔ خدا...... ''کا'' لگاتے ہیں۔ فرق ہے صرف ''کا'' کا۔

اگر اس فرق کو حل کر لیا جائے تو ہندو اور مسلمان کے درمیان اختلاف کو ختم کیا جا سکتا ہے اور یہ کیسے ختم کیا جا سکتا ہے؟

اس کا حل ہمیں قرآنِ عظیم بتاتا ہے۔ جس میں ہے کہ جو باتیں ہم میں یکساں ہیں ان پر اتفاق کر لیا جائے۔ ان میں پہلی بات کیا ہے؟ وہ یہ کہ ہم ایک خدا کے علاوہ کسی کی عبات نہیں کریں گے۔

ہندو مذہب میں سب سے زیادہ مقدس اور سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ''بھگوت گیتا'' ہے۔ اگر آپ اس کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس میں لکھا ہے کہ

''وہ سب جن کی عقلیں دُنیاوی خواہشات نے ہڑپ لی ہیں،
وہ جھوٹے خداؤں کی پوجا (عبادت) کرتے ہیں۔''

(بھگوت گیتا، باب نمبر 7، شلوک 20)

اِس کا مطلب ہے کہ جن کی عقلیں دُنیاوی خواہشوں نے ہڑپ لی ہیں وہ دیوتاؤں کو مانتے ہیں، ایک سچے خدا کے علاوہ۔

اور اگر آپ پڑھیں اپنشد کو تو آپ کو چندوگیہ اپنشد میں یہ لکھا ہوا ملے گا:

''ایکٹ کم دو ایتم''۔

''صرف ایک خدا ہے، دوسرا نہیں''۔

(ادھیائے 6، ورگ نمبر 2، شلوک نمبر 1)

سویتا سواترا اُپنشد ادھیائے نمبر 6، شلوک نمبر 9 میں ہے:

''نہ کَس سے کسیج جنے دا نہ کدے پا''

''خدائے برتر کا کوئی پالن ہار نہیں ہے، اور نہ ہی اُس کے کوئی ماں باپ ہیں''۔

اس کا ذکر سویتا سواترا اُپنشد ادھیائے نمبر 4، شلوک نمبر 19 میں ہے:

''نہ تس سے پریتما استی''

''اس جیسا کوئی نہیں ہے۔''

آگے جا کر سویتا سواترا اُپنشد ادھیائے نمبر 4، شلوک نمبر 20 میں ہے:

''اس کی کوئی صورت نہیں ہے، اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا۔''

ہندو مذہب میں سب سے مقدس ویدوں کو مانا جاتا ہے اور بنیادی طور پر یہ چار وید ہے:

- ☆ رگ وید
- ☆ یجر وید
- ☆ سام وید

☆ اتھر وید

اگر آپ ان کو پڑھیں تو ان میں مندرجہ ذیل بیانات لکھے ہوئے ملیں گے۔

"نہ تس سے پریتما استی"

''اس کا کوئی عکس نہیں۔''

یعنی خدائے برتر کی کوئی تصویر نہیں۔

(یجر وید، ادھیائے نمبر 32، شلوک نمبر 3)

''خدائے برتر کا کوئی جسم نہیں اور وہ پاک ہے۔''

(یجر وید ادھیائے نمبر 40، شلوک نمبر 8)

اور یجر وید کے اگلے شلوک میں ہے:

"اندھاتما پرویشانتی یا سن سنبھوتی پرویشانتی"۔

''وہ اندھیروں میں جا رہے ہیں جو سنبھوتی کو پوجتے ہیں۔''

(یجر وید ادھیائے نمبر 40، شلوک نمبر 9)

سنبھوتی کا مطلب قدرتی چیزیں، جیسے ہوا، پانی، آگ۔

اور اگلا شلوک کہتا ہے:

وہ اور زیادہ اندھیروں میں داخل ہو رہے ہیں جو سنبھوتی کو پوجتے ہیں۔ سنبھوتی یعنی بنائی ہوئی اشیاء، جیسے کرسی، میز، بت وغیرہ۔ یہ کون کہتا ہے؟؟؟......

یجر وید ادھیائے نمبر 40، شلوک نمبر 9!

اور اگر آپ آگے پڑھیں جس میں اس بات کا ذکر کیا گیا ہے:

"دیو ما او سی"

''واقعی سب سے بڑا خدائے برتر ہے۔''

(اتھروید، ادھیائے نمبر 20، حم نمبر 58، شلوک نمبر 3)

ویدوں کے درمیان سب سے زیادہ ''رگ وید'' کو مانا جاتا ہے، جس میں ذکر ہے کہ

''سادھو، سنت اور مہا پورش (متقی لوگ) خدا کو بہت سے ناموں سے پکارتے ہیں۔''

(رگ وید، کتاب نمبر 1، حم نمبر 164، شلوک نمبر 46)

اور اگر آپ رگ وید پڑھیں:

''خدا کی بہت ساری صفات ہیں۔''

(رگ وید، کتاب نمبر 2، حم نمبر 1)

اُن میں سے ایک نام رگ وید کتاب نمبر 2، حم نمبر 1، شلوک نمبر 3 میں آیا ہے، جو ہے:

''برھما''

اگر برھما کا انگریزی میں ترجمہ کریں، جس کا معنی ہے Creator یعنی ''پیدا کرنے والا''۔ اگر عربی میں ترجمہ کریں تو اسکا مطلب ہے ''خالق''۔

ہم مسلمانوں کو اس بات پر قطعی کوئی اعتراض نہیں ہے کہ اگر عظیم خدا کو خالق کہا جائے یا Creator یا برھما۔ لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ برھما وہ خدا ہے جس کے چار سر ہیں اور ہر سر پر ایک تاج ہے تو ہم مسلمان اس پر شدید احتجاج کریں گے۔ جبکہ آپ سویتا سواترا اُپنشد کے خلاف جا رہے ہیں۔ جس میں آیا ہے کہ

''نہ تس سے پریتما استی''

''اس جیسا کوئی نہیں ہے۔''

(سویتا سواترا اُپنشد، ادھیائے نمبر 6، شلوک نمبر 9)

آپ خدا کو عکس دے رہے ہیں۔

ایک اور صفت رگ وید کتاب نمبر 2، حم نمبر 1، شلوک نمبر 3 میں بیان کی گئی ہے، جو ہے:

''وِشنو''

اور اگر آپ وشنو کا ترجمہ انگریزی میں کریں۔ اس کا ایک مطلب ہے The Sustainer یعنی ''سنبھالنے والا''، ''پالنے والا۔'' اگر آپ عربی میں ترجمہ کریں تو اس کا مطلب ہے ''رَبّ۔''

ہم مسلمانوں کو اس بات پر قطعی کوئی اعتراض نہیں ہے کہ اگر عظیم خدا کو ''سنبھالنے والا''، ''پالنے والا''، ''رَبّ'' یا ''وشنو'' کہہ کر پکارا جائے۔ لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ وشنو وہ خدا ہے جس کے چار ہاتھ ہیں اور اس کے ایک ہاتھ میں ''چکر'' ہے، اس کے ایک ہاتھ میں کنول کا پھول ہے، اس قسم کی تشبیہات جب دی جائیں گی تو ہمیں اس پر ضرور اعتراض ہوگا۔ جبکہ آپ خدا تعالیٰ کو ایک تصویر دے رہے ہیں اور آپ یجروید کے خلاف جا رہے ہیں۔

جس میں ہے:

''نہ تس سے پریتما استی''

''اس کا کوئی عکس نہیں۔''

(یجروید، ادھیائے نمبر 32، شلوک نمبر 3)

اس کا ذکر رگ وید میں بھی ہے:

"ما چید نئی دی سنشرت"

"تمام تعریفیں اُس اکیلے کے لئے ہیں، اُس اکیلے کی عبادت کرو۔"

(رِگ وید، بھاگ نمبر 8، اَدھیا نمبر 1، شلوک نمبر 1)

رِگ وید میں آگے جا کر لکھا ہے:

"یا اِکْ ھت مشتی ھی"

"صرف ایک خدا ہے، صرف اُسی اکیلے کی عبادت کرو۔"

(رِگ وید، بھاگ نمبر 6، جم نمبر 45، شلوک نمبر 16)

برہما سُوترا...... بنیادی عقیدہ ہندوؤں کا یہ ہے:

"ایکْ کم درُوھی ناستے، نے نا ناستکْ انچن"

"بھگوان (خدا) ایک ہی ہے، دوسرا نہیں ہے، نہیں ہے، نہیں ہے، ذرا بھی نہیں ہے۔"

صرف ایک خدا ہے، دوسرا نہیں ہے، نہیں ہے، نہیں ہے، ذرا بھی نہیں ہے۔ اس لئے اگر آپ ہندوں کی کتب کو پڑھیں تو آپ کو ہندوازم میں خدا کا سمجھنا نہایت آسان ہوگا۔

اب ہم یہودی مذہب میں خدا کے تصور کا تجزیہ کرتے ہیں۔ جس کا ذکر پرانے عہد نامے میں آیا ہے:

موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

"شما ازرائیلو! عدنا الحیی و عدنا لخط"

یہ ایک عبرانی قول ہے جس کا مطلب ہے کہ

''سنو اے عزرائیل! ہمارا خدا، ایک ہی خدا ہے''۔

(Book of Deuteronomy، باب نمبر 6، آیت نمبر 4)

اس کا ذکر ایسایا کی کتاب میں بھی آیا ہے:

''صرف میں خداوند ہوں، اور میرے سوا کوئی بچانے والا نہیں۔''

(ایسائیا، باب نمبر 43، آیت نمبر 11)

ایسائیا کی کتاب، باب نمبر 45، آیت نمبر 5 میں ہے:

''میں خداوند ہوں، اور کوئی بھی نہیں، میرے سوا کوئی خداوند نہیں۔''

ایسائیا کی کتاب، باب نمبر 46، آیت نمبر 9 میں ہے:

''میں خدا ہوں اور کوئی بھی نہیں، میں خدا ہوں اور کوئی مجھ سا نہیں۔''

ایکساڈیس کی کتاب، باب نمبر 20، آیت نمبر 3 تا 5 میں ہے۔

اور اسی طرح ڈیوٹرانومی کی کتاب، باب نمبر 5، آیت نمبر 7 تا 9 میں ہے

''میرے آگے تو کسی اور معبودوں کو نہ ماننا۔ تم اپنے لئے کوئی تراشی ہوئی مورت (بت) نہ بنانا، نہ کسی چیز کی صورت بنانا، جو اوپر آسمان میں ہے یا نیچے زمین پر یا زمین کے نیچے جو پانی میں ہے۔ تُو اُن کے آگے سجدہ نہ کرنا، اور نہ اُن کی عبادت کرنا، کیونکہ میں تیرا خداوند...... غیور خدا ہوں''۔

آپ عہد نامہ قدیم کا مطالعہ کرنے کے بعد یہودیوں میں خدا کے تصور کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ یہ کہنا بالکل حق بجانب ہے کہ یہودیوں میں خدا کے تصور کو سمجھنے کیلئے عہد نامہ قدیم سے ہی سمجھا جائے۔

اس سے پیشتر کہ عیسائیت میں خدا کے تصور پر بات کی جائے میں یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ اسلام اکلوتا غیر عیسائی مذہب ہے، جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ماننا ایمان کا لازمی حصہ ہے۔ کسی شخص کا اس وقت تک ایمان مکمل ہی نہیں ہوتا جب تک کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا نبی نہیں مانتا۔

☆ مسلمان انہیں Christ یعنی مسیحا سمجھتے ہیں۔

☆ ہمارا یہ بھی عقیدہ ہے کہ ان کی پیدائش معجزانہ طور پر ہوئی تھی، یعنی بغیر کسی مرد کی مداخلت کے، جو آج کل کے کئی ماڈرن عیسائی نہیں تسلیم کرتے۔

☆ ہمارا ایمان ہے کہ اُنہوں نے پیدائشی اندھوں اور کوڑھیوں کو شفاء دی، اللہ ربّ العزت کے حکم سے!

☆ ہمارا ایمان ہے کہ اُنہوں نے مُردوں کو زندہ کیا، اللہ ربّ العزت کے حکم سے!

مسلمان اور عیسائی ساتھ ساتھ جا رہے ہیں۔ لیکن کچھ عیسائی کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خدائی کا دعویٰ کیا۔

حقیقت میں اگر آپ بائبل پڑھیں تو پوری بائبل میں ایک بھی جگہ پر ایسا واضح بیان نہیں جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خود کو کہا ہو کہ وہ خدا ہیں۔ یا اُنہوں نے کہا ہو کہ میری عبادت کرو۔

اگر آپ بائبل پڑھیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خود کہا:

’’اگر تم مجھ سے محبت کرتے ہو تو اس بات پر خوش ہوتے کہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں کیونکہ میرا باپ مجھ سے بڑا ہے۔‘‘

(گوسپل آف جان، باب نمبر 14، آیت نمبر 28)

’’میرا باپ سب سے بڑا ہے‘‘۔

(گوسپل آف جان، باب نمبر 10، آیت نمبر 29)

’’میں خدا کی روح کی مدد سے بدروحوں کو نکالتا ہوں۔‘‘

(گوسپل آف میتھیو (متی کی انجیل)، باب نمبر 12، آیت نمبر 28)

’’میں بدرُوحوں کو خدا کی قدرت سے نکالتا ہوں۔‘‘

(گوسپل آف لیوق، باب نمبر 11، آیت نمبر 20)

’’میں خود کچھ بھی نہیں کرسکتا، جیسا میں سنتا ہوں ویسا فیصلہ کرتا ہوں، اور میرا فیصلہ صحیح ہے کیونکہ میں اپنی مرضی سے کچھ نہیں کرتا بلکہ اپنے باپ کی مرضی سے کرتا ہوں۔‘‘

(گوسپل آف جان، باب نمبر 5، آیت نمبر 30)

اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ میں اپنی مرضی نہیں بلکہ خدا کی مرضی چاہتا ہوں تو اصل میں خدا کی رضا کی اتباع کرتا ہے۔ اگر اس لفظ کا عربی میں ترجمہ کیا جائے تو وہ ہوگا ’’اسلام۔‘‘ ایسا شخص جو اپنی مرضی کو خدا کی مرضی کے تابع کردے اسے مسلمان کہتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام یقیناً توریت کو یا نبیوں کو منسوخ کرنے نہیں آئے تھے، حقیقت میں وہ اُن کی تصدیق کیلئے آئے تھے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خود

فرمایا:

''یہ ہرگز مت سمجھو کہ میں توریت یا سابقہ انبیاء کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں، میں منسوخ کرنے نہیں بلکہ مکمل کرنے آیا ہوں۔ میں سچ کہتا ہوں کہ جب تک کہ آسمان اور زمین اپنی جگہ سے ہل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک بات توریت سے ہرگز کم نہ ہوگی، جب تک کہ سب کچھ مکمل نہ ہو جائے۔ پس جو کوئی اس کے چھوٹے سے چھوٹے حکم کو بھی توڑے گا اور دوسروں کو بھی ایسا کرنے کو کہے گا ایسا آدمی آسمان کی بادشاہی میں سب سے چھوٹا کہلائے گا۔ مگر (اس کے برعکس) جو ان (احکامات) پر عمل کرے گا اور ان کی تعلیم دے گا وہ آسمان کی بادشاہی میں بڑا کہلائے گا۔ اس لئے میں تم سے کہتا ہوں کہ اگر تمہاری راست بازی فقہا اور فریسیوں کی راست بازی سے زیادہ نہ ہوگی تو تم ہرگز آسمان کی بادشاہی میں داخل نہ ہو سکو گے۔''

(گوسپل آف میتھیو (متی انجیل)، باب نمبر 5، آیت نمبر 17 تا 20)

یہ سارے حوالے بائبل کی کنگ جیمز ورژن سے لئے گئے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اگر تم جنت میں جانا چاہتے ہو تو تمہیں پرانے عہد نامے کے ہر ایک قانون کو ماننا ہوگا کہ

ا۔ خدا ایک ہے۔

۲۔ اُس کا کوئی شریک نہیں۔

۳۔ تم اللہ کا کوئی عکس نہیں بنا سکتے۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کبھی بھی خدا ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ حقیقت میں اُنہوں نے یہ فرمایا کہ اُنہیں خدا نے بھیجا تھا۔ اس کا ذکر انجیل میں آیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ

''یہ لفظ جو تم سنتے ہو، یہ میرے نہیں ہیں۔ بلکہ میرے باپ کے ہیں، جس نے مجھے بھیجا۔''

(گوسپل آف جان، باب نمبر 14، آیت نمبر 24)

''یہ زندگی اَبدی ہے، تاکہ تم جان سکو کہ صرف ایک خدا ہے، عیسیٰ مسیح جسے اُس (خدا) نے بھیجا۔''

(گوسپل آف جان، باب نمبر 17، آیت نمبر 3)

''اے اسرائیلیو! ......سنو! ...... کہ یسوع ناصری ایک شخص تھا جسے خدا کی طرف سے ہونا تمہارے اوپر اُن معجزوں اور عجیب کاموں اور نشانوں سے ثابت ہوا جو خدا نے اس کے ذریعے تمہیں دکھائے اور تم خود ہی جانتے ہو۔''

(بک آف ایکٹس (اعمال)، باب نمبر 2، آیت نمبر 22)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے جب دریافت کیا گیا کہ پہلا حکم کیا ہے تو انہوں نے وہی کہا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا:

''اے اسرائیل! سُن لے، خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے۔''

(گوسپل آف مارک، باب نمبر 12، آیت نمبر 29)

اس لئے اگر آپ بائبل پڑھیں تو آپ عیسائیت میں خدا کے تصور کو سمجھ سکتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں انجیل کو پڑھے بغیر عیسائیت میں خدا کے تصور کو سمجھنا ناممکن ہے۔

آیئے اب ہم تجزیہ کرتے ہیں کہ اسلام میں خدا کا تصور کیا ہے؟

اس کا بہترین جواب قرآنِ پاک کی سورۃ اخلاص میں دیا گیا ہے:

ترجمہ: ''کہہ دیجئے کہ اللہ ایک ہے، اللہ سب سے بے نیاز ہے، نہ اس سے کوئی پیدا ہوا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا، اور نہ اس کا کوئی ہم سر ہے۔''

(سورۃ اخلاص، سورۃ نمبر 112)

یہ ہے اللہ تعالیٰ کی تعریف چار لائنوں میں۔ اب کوئی شخص بھی خدائی کا دعویٰ کرے اسے اس معیار پر پورا اترنا ہوگا۔ اگر وہ ان شرائط پر پورا اترتا ہے تو اس کو خدا مان لینے میں مسلمانوں کو کوئی اعتراض نہیں ہے۔

۱۔ کہہ دیجئے کہ اللہ ایک ہے۔

۲۔ وہ بے نیاز ہے۔

۳۔ نہ اس سے کوئی پیدا ہوا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا،

۴۔ اس جیسا کوئی نہیں، اس کا کوئی بھی ہم سر نہیں۔

سورۃ اخلاص الٰہیات کی کسوٹی ہے۔ خدا سے متعلق علم کو الٰہیات یا Theology کہتے ہیں۔ قرآنِ عظیم کی یہ سورۃ خدائی کسوٹی ہے۔ اس لیے کسی بھی خدائی کا دعویٰ کرنے والے کے دعویٰ کو اس کسوٹی میں پرکھا جا سکتا ہے۔ اگر وہ ان چار باتوں پر پورا اُترتا ہے تو ہم اُسے خدا مان لیں گے۔

جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے کہ حقیقی عالمی بھائی چارے کو عام کرنے کیلئے ضروری ہے کہ سب ایک ہی خدا پر ایمان لائیں اور اگر کوئی اس کسوٹی پر پورا اترتا ہے تو ہمیں اس اُمیدوار کو خدا ماننے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ بہت سے ایسے لوگ ہیں جنہوں نے جھوٹا خدا ہونے کا دعویٰ کیا۔ آیئے ہم دیکھتے ہیں کہ وہ لوگ اس کسوٹی پر پورا اترتے ہیں یا نہیں؟......وہ یہ امتحان پاس کرتے ہیں یا نہیں؟

ان میں سے ایک تھا:

''بھگوان گرو رجنیش''

آپ کو علم ہوگا کہ بعض لوگ رجنیش کو خدا مانتے ہیں۔ میری ایک تقریر کے دوران سوال و جواب کے سیشن میں ایک ہندو نے مجھ سے سوال کیا کہ ہم ہندو لوگ تو بھگوان رجنیش کو خدا نہیں مانتے۔ میں نے جواب دیا کہ ہاں! مجھے اس بات سے اتفاق ہے۔ میں ہندو صحیفوں کا مطالعہ کر چکا ہوں ان میں سے کسی ایک کتاب میں بھی یہ نہیں لکھا ہوا کہ رجنیش خدا ہے۔ میں نے یہ کہا تھا کہ ''بعض لوگ'' رجنیش کو خدا مانتے ہیں۔ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ سارے ہندوؤں کا یہ عقیدہ نہیں ہے۔

بہر حال ہم ان لوگوں کے اس عقیدے کا جائزہ لیتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ بھگوان رجنیش خدا ہے۔ پہلی شرط یا پہلا امتحان جس سے اسے گزرنا پڑے گا وہ ہے:

''اللہ ایک ہے۔''

کیا بھگوان رجنیش ایک، اکیلا اور یکتا ہے؟

ہمارے علم میں ہے کہ اس جیسے اور بھی بہت سے لوگ ہیں جو خدائی کا

دعویٰ کرتے ہیں۔ خاص طور پر ہندوستان میں ایسے بہت سے لوگ موجود ہیں۔ اس لیے وہ یکتا اور اکیلا کیسے ہو سکتا ہے؟

مگر اس کے ماننے والے یہ کہتے ہیں کہ وہ ایک ہی تھا تو ہم دوسری شرط کی طرف آتے ہیں:

''وہ بے نیاز ہے اور سب اس کے محتاج ہیں۔''

کیا رجنیش بے نیاز تھا؟ اور کسی کا محتاج نہیں تھا؟

اس کی زندگی کے متعلق پڑھنے والے یہ بات جانتے ہیں کہ وہ دمے کا مریض تھا۔ اسے کمر درد کی شدید تکلیف تھی اور وہ شوگر کا بھی مریض تھا۔ جب اسے امریکہ میں گرفتار کیا گیا تو اس نے یہ بھی کہا کہ اسے دورانِ حراست زہر دیا گیا ہے۔ اب آپ ذرا سوچئے کہ یہ کیسا بے نیاز خدا ہے جسے زہر دیا جا رہا ہے؟

تیسری شرط جس پر اسے پورا اُترنا لازمی ہے وہ یہ کہ:

''نہ اس سے کوئی پیدا ہوا ہے اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا ہے۔''

مگر رجنیش کے بارے میں سب جانتے ہیں کہ وہ مدھر پردیش میں پیدا ہوا تھا اور اس کا باپ بھی تھا اور ماں بھی۔ اس کے ماں باپ بعد میں اس کے پیروکار بن گئے۔ 1981ء میں وہ امریکہ گیا، جہاں اس نے بہت سے امریکیوں کو بیوقوف بنا کر اپنا پیروکار بنالیا۔ یہاں تک کہ امریکہ میں اس نے ایک گاؤں بنالیا جس کا نام ''رجنیش پورم'' تھا۔ بعد ازاں اسے گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا گیا اور 1985ء میں اسے امریکہ سے بے دخل کر دیا گیا۔ جب وہ ہندوستان واپس آیا تو شہر پُونا میں اس نے اپنا ایک مرکز قائم کیا، جسے ''اوشو کمیون'' کہتے ہیں۔ اگر آپ وہاں جائیں تو آپ رجنیش کا لکھا ہوا یہ کتبہ ملاحظہ کر سکتے ہیں جو ایک پتھر پر لکھا گیا ہے:

''بھگوان رجنیش، اوشو رجنیش، نہ کبھی پیدا ہوا اور نہ کبھی مرا۔''

ہاں اس نے 11 ستمبر 1931ء سے 19 جنوری 1990ء تک زمین کا دورہ کیا۔ اس کتبہ میں اس نے یہ نہیں بتایا کہ دُنیا کے 21 ممالک نے اسے ویزہ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ آپ اندازہ لگائیں، خدا دُنیا کا دورہ کرتا ہے اور اسے ویزہ اور پاسپورٹ کی بھی ضرورت ہے۔

اب آپ آخری امتحان کو دیکھیں:

''اور کوئی اس جیسا نہیں۔''

یہ بھی اتنا کڑا امتحان ہے کہ سوائے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے کوئی بھی اس پر پورا نہیں اترتا۔ اگر آپ خدا کا مقابلہ دنیا کی کسی بھی چیز سے کریں تو اس کا واضح مطلب یہ ہوگا کہ یہ خدا نہیں ہے۔

مثلاً کوئی کہتا ہے کہ خدا آرنلڈ شوازنگر سے ہزار گنا زیادہ طاقت رکھتا ہے۔ اسے آپ جانتے ہیں کہ اسے دُنیا کا سب سے زیادہ طاقت ور انسان سمجھا جاتا ہے۔ اسے مسٹر یونیورس کا نام دیا گیا ہے۔ اس لیے اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ خدا آرنلڈ شوازنگر سے یا کنگ کانگ سے یا دارا سنگھ سے یا ایسے ہی کسی اور سے ہزار گنا زیادہ طاقت رکھتا ہے تو ایسا کہنے والا خدا کا مقابلہ مخلوق سے کر رہا ہے اور جس کا مقابل پیش کیا جاسکے وہ خدا نہیں ہوسکتا۔ چاہے آپ لاکھوں گنا زیادہ بتائیں یا کروڑوں گنا زیادہ، اگر تقابل ممکن ہے تو آپ خدا کا تذکرہ نہیں کر رہے۔ خدا کا مقابلہ دنیا کی کسی بھی چیز سے نہیں ہوسکتا۔

یہ چار لائنوں کی تعریف ہے خدا تعالیٰ کی جو قرآنِ حکیم میں دی گئی ہے۔ جو دین کی کسوٹی ہے۔

اور قرآنِ کریم اس بارے میں فرماتا ہے:

ترجمہ: "اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)! ان سے کہہ دیجئے کہ اللہ کو اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر، جس نام سے بھی پکارو، تمام اچھے نام اُسی کے ہیں"۔

(سورۃ بنی اسرائیل، سورۃ نمبر 17، آیت نمبر 110)

آپ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کو کسی بھی نام سے پکار سکتے ہیں مگر اس کیلئے یہ شرط ہے کہ وہ نام خوبصورت ہو، جسے سن کر آپ کے ذہن میں اللہ تعالیٰ کی کوئی تصویر کوئی شبیہ نہ آتی ہو۔

قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ کی 99 صفات بیان کی گئی ہیں۔ جیسے کہ الرحمٰن اور الرحیم...... انتہائی رحم کرنے والا...... سب سے زیادہ رحیم۔ مسلمان خدا کیلئے "اللہ" کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ لفظ خدا یا انگلش کے لفظ God کی بجائے ہم لفظ "اللہ" کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انگلش کے لفظ God کے ساتھ آپ شرارت بھی کر سکتے ہیں، جس سے اس کے معنی تبدیل ہو جاتے ہیں۔ مثلاً:

☆ اگر آپ God کے ساتھ "s" لگا دیں تو یہ جمع کا صیغہ بن جاتا ہے یعنی Gods جبکہ اس لفظ کی جمع ناممکن ہے اور لفظ "اللہ" کی کوئی جمع نہیں ہے۔ جیسا کہ قرآنِ پاک میں ہے:

ترجمہ: "کہہ دو کہ اللہ ایک ہی ہے"۔

(سورۃ اخلاص، سورۃ نمبر 112)

☆ ایسے ہی اگر آپ God کے آخر میں "ess" لگا دیں تو یہ بن جاتا ہے Godess جس سے یہ مؤنث خدا بن جاتا ہے۔ جبکہ خدا تعالیٰ کی کوئی

جنس نہیں ہے۔ وہ نہ تو مرد ہے نہ عورت۔ اللہ تعالیٰ کا کوئی جنس نہیں ہے۔

''اللہ'' ایک بے مثال لفظ ہے۔

☆ اگر آپ God کے ساتھ Father جوڑ دیں تو یہ بن جاتا ہے Godfather گاڈ فادر مطلب سرپرست۔ کوئی کہے گا ''وہ میرا گاڈ فادر ہے''، ''وہ میرا سرپرست ہے''۔ اسلام میں ایسا کچھ بھی نہیں ہے کہ اللہ فادر، اللہ ابا وغیرہ۔

☆ ایسے ہی اگر آپ God کے ساتھ Mother لگادیں تو یہ Godmother بن جائے گا۔ اسلام میں ایسا کچھ بھی نہیں ہے کہ اللہ مدر، اللہ امی وغیرہ۔

لفظ ''اللہ'' ہر حوالے سے ایک منفرد لفظ ہے، بے مثال لفظ ہے۔

☆ ایسے ہی اگر آپ God سے پہلے Tin لگا دیں تو یہ لفظ Tin-God بن جائے گا، جس کا مطلب ہوتا ہے نقلی خدا۔ اللہ کے ساتھ اسلام میں ایسا بھی کوئی لفظ استعمال نہیں ہوتا۔ لفظ اللہ سے پہلے یا بعد میں کوئی لفظ نہیں لگایا جا سکتا۔

انہی دلائل کی روشنی میں ہم اللہ کو انگلش لفظ God کی بجائے عربی زبان کا لفظ ''اللہ'' پکارنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ ہاں! اگر کوئی مسلمان کسی غیر مسلم کو اللہ کا تصور سمجھانے کیلئے اللہ کی بجائے God کا لفظ استعمال کرتا ہے تو اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن ''اللہ'' لفظ زیادہ مناسب ہے، اسے انگریزی لفظ God سے ترجیح دی جاتی ہے۔

اسلام میں عالمی بھائی چارہ صرف اوپری ہی نہیں پھیلتا۔ اسلام صرف یہ

نہیں کرتا کہ سب جگہ کے رہنے والے تمام انسانوں کے درمیان بھائی چارے کا تصور دے بلکہ وہ ایک قدم اور آگے بڑھتا ہے کہ جو ہم سے پہلے آئے اور جو ہمارے بعد آنے والے ہیں، وہ لوگ بھی ہمارے بھائی ہیں۔

زمین پر رہنے والے ماضی اور مستقبل کے لوگ اور ہم جو آج اس زمین پر زندہ ہیں، اصل میں ایک ہی قوم ہیں۔ یہ ایمان کے تعلق کی وجہ سے ہے۔ یہ ایسا بھائی چارہ ہے جو اللہ پر ایمان کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ اس سے بھائی چارے کا ایک عمومی تصور ہمارے سامنے آتا ہے۔ یہ ایمانی بھائی چارہ زمانی بھی ہے اور مکانی بھی۔

دُنیا کے تمام کے تمام مذاہب میں کسی ایک خدا (جو خالق ہے) پر ایمان لانے کو ایک بنیادی حیثیت حاصل ہے اور اگر بغور جائزہ لیا جائے تو حقیقی بھائی چارہ اسی صورت میں قائم ہو سکتا ہے جب سارے کے سارے لوگ ایک خدا، ایک خالق و مالک پر ایمان لائیں۔ اس سے یہ بھائی چارہ خون کے رشتوں سے بھی زیادہ اہم، مضبوط اور پائیدار ہوگا۔

اسلام ہمیں والدین کی فرمانبرداری کا حکم دیتا ہے۔

جیسا کہ قرآنِ پاک میں ہے:

ترجمہ: ''اور تیرے رَبّ نے حکم فرما دیا کہ اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو، اور ماں باپ سے حسنِ سلوک کرو، اور ان میں سے ایک یا دونوں تیرے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو اُنہیں اُف تک نہ کہو اور انہیں نہ جھڑکو، اور ان سے اَدب کے ساتھ بات کرو اور نرمی اور رحم سے بات کرو اور ان کے سامنے جھکے رہو، اور کہو اے میرے رَبّ! ان دونوں پر رحم فرما جیسے اُنہوں

نے بچپن میں میری پرورش کی"۔

(سورۃ بنی اسرائیل، سورۃ نمبر 17، آیت نمبر 23,24)

اس آیت کی روشنی میں والدین کی عزت کرنا، انہیں احترام اور پیار دینا ہر مسلمان پر فرض ہے مگر اس سب کے باوجود ایک چیز ایسی بھی ہے جس میں والدین کا حکم ماننے سے منع کیا گیا ہے۔

سورۃ لقمان، سورۃ نمبر 31، آیت نمبر 15 میں ہے:

ترجمہ: "اور اگر وہ دونوں تجھ پر زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ شرک کرے، جس کا تجھے علم نہیں، تو ان کی اطاعت نہ کرنا اور دُنیا میں معروف طریقے سے ان دونوں سے اچھا سلوک کرو اور اس شخص کے طریقے کا اتباع کر جو میری طرف رجوع کرتا ہے، پھر میری ہی طرف تمہاری واپسی ہے، پھر میں تمہیں بتاؤں گا جو کچھ تم عمل کیا کرتے تھے"۔

اس کا مطلب ہے کہ آپ کو اپنے والدین کا حکم ماننا ہے جب تک کہ وہ اپنے ربّ کے خلاف نہ ہوں۔ اللہ کے احکامات کے خلاف نہ ہوں۔ اگر وہ اللہ کے حکم کے خلاف جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ برتر ہے۔

ایسے ہی ایمان اور عقیدہ کی بنیاد پر قائم ہونے والا بھائی چارہ ہی اصلی بھائی چارہ ہے اور یہ رشتہ، خون کے رشتہ سے بڑھ کر ہے۔ قرآن پاک میں ہے:

ترجمہ: "کہہ دیں! اگر تمہارے باپ دادا، تمہارے بیٹے، اور تمہارے بھائی، اور تمہاری بیویاں، اور تمہارے کنبے، اور مال جو تم نے کمائے، اور تجارت جس کے نقصان سے تم ڈرتے ہو، اور

حویلیاں جن کو تم پسند کرتے ہو، تمہیں اللہ سے اور اس کے رسول (ﷺ) سے اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ پیارے ہوں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ کا حکم آ جائے، اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا''۔

(سورۃ توبہ، سورۃ نمبر 9، آیت نمبر 24)

اس آیت میں پوچھا جا رہا ہے کہ تم کس بات کو ترجیح دیتے ہو؟

کیا تم اپنی اولاد کو ترجیح دیتے ہو؟

یا اپنے والدین کو؟

یا اپنی بیویوں کو؟

یا دوسرے رشتہ داروں کو؟

کیا تم مال کو ترجیح دیتے ہو؟

کاروبار کو؟

جائیداد کو؟

کیا تم ان سب چیزوں کو پسند کرتے ہو؟

اگر یہ چیزیں تمہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی راہ میں جہاد سے زیادہ عزیز ہیں تو اللہ کی سزا کیلئے تیار رہو۔

اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ اگر والدین یا اولاد یا رشتہ دار یا ان کی محبت کسی غلط کام پر اُکساتی ہے جیسے چوری، رشوت، کسی کے ساتھ زیادتی، کسی کا قتل، تو جان لو کہ یہ سب اللہ کے عذاب کا باعث ہیں۔ ایسے ہی مال و دولت، کاروبار، جائیداد بنانے کیلئے ناجائز ذرائع کا استعمال بھی خدا کے عذاب کا باعث ہے۔

جب عقیدہ یا ایمان کی بات ہو گی تو خون کا رشتہ بھی کوئی معنی نہیں رکھے گا۔ جیسا کہ سورۃ النساء، سورۃ نمبر 4، آیت نمبر 135 میں ارشاد ہوتا ہے:

ترجمہ: ''اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہنے والے ہو جاؤ، اللہ کیلئے گواہی دینے والے، بیشک تمہارا انصاف اور تمہاری گواہی خود تمہارے خلاف یا والدین اور قرابت داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، فریقین میں سے کوئی امیر ہو یا غریب، اللہ تم سے زیادہ ان کا خیر خواہ ہے، اس لیے اپنی ذاتی خواہش کی وجہ سے عدل کا دامن نہ چھوڑو، اور اگر تم نے لگی لپٹی بات کی (بات واضح طور پر بیان نہ کی) یا سچ سے اپنا دامن بچایا تو یاد رکھو تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔''

جب بات انصاف کی ہو، سچ کی ہو تو انصاف خونی رشتوں سے کئی گنا بڑا ہے۔ یعنی جب عدل و انصاف کا معاملہ ہو تو جب گواہی دینے کا وقت آئے تو صرف سچ بولو، چاہے اس میں تمہارے والدین، تمہارے رشتہ داروں کا ہی نقصان کیوں نہ ہوتا ہو۔

یہ مسئلہ چونکہ عقیدہ و ایمان کا ہے اس لئے یہ سب سے بڑا ہے۔ عقیدے کا بھائی چارہ دوسرے تمام بھائی چاروں سے بڑا ہے۔ اس کی بنیاد اس بات اور اس یقین پر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اس کائنات کا خالق و مالک ہے۔ ہمیں تمام مذاہب یہی سبق دیتے ہیں۔ میں نے پہلے بھی آپ کے سامنے قرآن کی ایک آیت پیش کی ہے اور اسلام اسی بات کی دعوت دیتا ہے:

ترجمہ: ''اے محمد ﷺ کہہ دو! اے اہلِ کتاب! آؤ ایک ایسی بات

کی طرف جو ہم میں اور تم میں مشترک ہے یہ کہ ہم اللہ کے سوا
کسی کی عبادت نہیں کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک
نہیں کریں گے اور ہم نہ ہی کسی کو اپنا رب بنائیں گے، اگر وہ
اس بات سے منہ موڑ لیں تو صاف کہہ دو کہ گواہ رہو کہ ہم تو
مسلم ہیں۔"

(سورۃ آلِ عمران، سورۃ نمبر 3، آیت نمبر 6)

اللہ پر صرف ایمان لے آنا ہی کافی نہیں بلکہ عبادت بھی صرف اسی کی کرنی چاہیے۔ اصلی بھائی چارہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ سارے انسان اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں اور صرف اسی کی عبادت کریں۔

سورۃ انعام سورۃ نمبر 6 آیت نمبر 108 میں ارشاد ہوتا ہے:

ترجمہ: "اور برا مت کہو جن کی وہ عبادت کرتے ہیں اللہ کو چھوڑ کر، کیونکہ پھر وہ اللہ کی شان میں گستاخی کریں گے"۔

میں اپنی بات کو قرآنِ کریم کا ایک حوالہ دیتے ہوئے ختم کرنا چاہوں گا:

ترجمہ: "اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو، جس نے تمہیں ایک جان (آدم علیہ السلام) سے پیدا کیا، اور اُسی سے اُس کا جوڑا پیدا کیا، اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں، اور اللہ سے ڈرو جس کے نام پر تم آپس میں مانگتے ہو اور (خیال رکھو) رشتوں کا، بیشک اللہ تم پر نگہبان ہے"۔

(سورۃ النساء، سورۃ نمبر 4، آیت نمبر 1)

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا عَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ!

An Urdu Translation of

Universal Brotherhood

عالمی بھائی چارہ

...... سوال و جواب کا سیشن ......

ڈاکٹر محمد نائیک:

اَب ہم نہایت دِلچسپ دَور شروع کرنے جا رہے ہیں۔ جو کہ سوال و جواب کا ہے۔ جناب ایڈووکیٹ پر بھاکر ہیگڑے، جناب ایڈووکیٹ ہنگورانی، ڈی سی پی سکسینہ، یہاں موجود قابل احترام مہمانان، ہمارے بزرگ بھائیو اور بہنو! سوال و جواب کے دَور کے بعد میں اپنے محترم مہمانان سے درخواست کروں گا کہ وہ آج کے موضوع ''عالمی بھائی چارہ'' پر اظہارِ خیال کریں اور اپنی رائے سے نوازیں۔ اس طرح ہمیں اس دَور کا بہتر تاثر ملے گا۔ آج یہاں پر موجود تمام لوگوں کے فائدے کیلئے ہمارے پاس جو مختصر سا وقت ہے اُس میں ہم چاہیں گے کہ آپ سوال و جواب کے دَور میں ان اصولوں کی پابندی کریں۔

☆ پوچھا گیا سوال صرف موضوع ''عالمی بھائی چارہ'' یا ''اسلام اور تقابلی مذاہب'' پر ہو۔

☆ مہربانی فرما کر اپنا سوال مختصر بیان کریں۔ یہ سوال و جواب کا وقت ہے نا کہ تقریر کا۔

☆ آپ کو دیئے گئے مائیک سے ایک وقت میں صرف ایک ہی سوال کرنے کی اجازت ہوگی۔ دوسرے سوال کیلئے آپ کو مائیک پر دوبارہ سے لائن میں آنا ہوگا۔

☆ سوالوں کیلئے آڈیٹوریم میں تین مائیک مہیا کئے گئے ہیں، دو مائیک اسٹیج کے ٹھیک سامنے بھائیوں کیلئے۔ ایک میری داہنی طرف اور ایک بائیں طرف۔ اور ایک مائیک اوپر بالکنی میں ہماری بہنوں کیلئے سیٹ کیا گیا ہے۔

☆ کاغذ پر لکھ کر دیئے گئے سوالوں کو مائیک پر پوچھے گئے سوالوں کے جواب دینے کے بعد ہی اہمیت دی جائے گی۔

☆ رضا کاروں کے پاس کاغذ کی سلپس ہیں۔ اگر آپ کے پاس نہ ہو تو آپ رضا کاروں سے مانگ سکتے ہیں۔ اور انہی رضا کاروں کے ذریعے سلپس سٹیج پر بھیج سکتے ہیں۔

☆ سوال کرنے سے قبل اپنا نام اور پیشہ ضرور بتائیں، تاکہ زیادہ صحیح جواب دیا جاسکے۔

☆ سوال کرنے کیلئے پہلے غیر مسلم مہمانوں کو ترجیح دی جائے گی۔

میں رضا کاروں سے مائیک پر درخواست کروں گا کہ وہ مہربانی کر کے ان معاملات کو بہتر طریقے سے سنبھالیں۔ ہم Clockwise نظام کے تحت سوالات کرنے والوں کو ترتیب دیں گے۔

تو جناب ہم اپنا پہلا سوال لیتے ہیں!

جی بھائی!

سوال: شکریہ ڈاکٹر محمد نائیک!...... میرا نام پروفیسر نکد ہے، میں بھیونڈی کالج میں پڑھاتا ہوں۔ میرا آسان سوال یہ ہے کہ آپ نے اپنی تقریر کے دوران بات کی نسلی بھائی چارے کے بارے میں، زبان کے بھائی چارے، خونی بھائی چارے اور مختلف بھائی چارے کی قسموں کے حوالے سے مگر اسلام میں جو کافر کا تصور ہے، اس کی وضاحت بیان نہیں کی۔ جو کہ سب سے زیادہ رکاوٹ ہے عالمی بھائی چارے میں!

ڈاکٹر ذاکر نائیک:

بھائی نے سوال پوچھا ہے کہ میں نے بہت سے تصورات بیان کیے ہیں جن میں حقیقی عالمی بھائی چارے کی وضاحت کی ہے اور اس کے ساتھ رشتہ، ذات اور عقیدہ کے حوالے سے بننے والے بھائی چارے پر بھی بات کی ہے کہ یہ کس طرح مسائل کو پیدا کرتا ہے مگر میں نے اسلام میں کافر کے تصور پر بات نہیں کی۔

بھائی صاحب! کافر عربی زبان کا لفظ ہے جو لفظ کفر سے نکلا ہے، جس کے معنی ہیں چھپانا، انکار کرنا یا رڈ کرنا۔ اسلامی نقطۂ نظر سے اس کا مطلب کوئی ایسا شخص جو اسلامی عقیدہ سے انکار کرے یا اسے رڈ کر دے، اسے کافر کہتے ہیں۔ یا آپ ایسے کہہ لیں کہ جو شخص اسلامی تصورِ خدا کا انکار کر دے وہ کافر ہے۔

جہاں تک دیگر تصورات ہیں بھائی چارے کے متعلق، تو اس کی کئی اقسام ہیں جیسے کسی علاقے یا وطن کی بنیاد پر، انڈیا میں، پاکستان میں یا امریکہ میں ایسا بھائی چارہ موجود ہے۔ یہ سب عقیدے کی بنیاد پر نہیں بلکہ

دوسرے تصورات کی بنیاد پر قائم ہیں اور یہ حقیقی بھائی چارے کے تصور کیلئے نقصان دہ ہیں۔ ایسے ہی کافر کا بھائی چارہ کفر کی بنیاد پر قائم ہے اور یہ بھی حقیقی بھائی چارے کیلئے نقصان دہ ہے۔

کافر کا معنی ہے اسلام کی سچائی کا انکار کرنے والا، میرے ایک لیکچر کے بعد سوالات کے دوران ایک صاحب نے کہا کہ مسلمان ہمیں کافر کہہ کر گالی دیتے ہیں اور یہ چیز ہماری انا کے خلاف ہے۔ میں نے وہاں بھی یہی کہا کہ کافر عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب ہے اسلام کی حقانیت کا انکار کرنے والا۔ میں اگر اس لفظ کو انگلش میں ترجمہ کروں تو وہ ہے Non Muslim جس کا معنی یہ ہے کہ وہ شخص جو اسلام قبول نہیں کرتا، اسے عربی میں کافر کہتے ہیں۔

اب اگر آپ یہ کہیں کہ Non Muslim کو کافر نہ کہیں تو یہ تو ناممکن ہے۔ اگر کوئی ایسا کہتا ہے کہ مجھے کافر نہ کہو تو میں یہی جواب دوں گا کہ جناب آپ اسلام قبول کر لیں تو آپ کو کافر کہنا چھوڑ دیا جائے گا۔ اور کافر اور غیر مسلم میں تو کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ تو صرف اور صرف Non Muslim کا عربی ترجمہ ہے اور کچھ نہیں۔

امید ہے کہ یہ آپ کے سوال کا جواب ہوا۔

سوال: ڈاکٹر نائیک! میں ایڈووکیٹ ہوں۔ میرا نام مادھو پھڑ کے ہے۔ آپ نے اپنی تقریر میں کہا کہ ہندوازم میں کہا گیا ہے کہ خدا زندہ ہے اور اُس کا کوئی عکس یا صورت نہیں۔ تو پھر آپ کیوں حج پر جاتے ہیں جہاں آپ پوتر (پاک) پتھر کی عبادت کرتے ہو؟ جیسا کہ ہندو پوجتے ہیں۔

ڈاکٹر ذاکر نائیک:

بھائی نے ایک بہت اچھا سوال پوچھا ہے کہ اگر اسلام میں خدا کا کوئی عکس یا صورت نہیں ہے تو مسلمان کیوں حج کے دوران پاک پتھر (حجر اسود) کی عبادت کرتے ہیں؟

بھائی! یہ غلط فہمی ہے۔ کسی مسلمان نے کبھی کعبے کو نہیں پوجا۔ یہ غیر مسلموں کی ایک بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ کوئی مسلمان کعبے کو نہیں پوجتا۔ ہم وہاں صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں، جس کو اس دُنیا میں دیکھا نہیں جا سکتا۔ کعبہ ہمارے لیے صرف ایک قبلہ کی حیثیت رکھتا ہے، جس کا مطلب ہے Direction قبلہ کے عربی میں معنی ''سمت'' کے ہیں۔ کیونکہ ہم مسلمان ہمیشہ اتحاد پر یقین رکھتے ہیں۔ اسلام نے مسلمانوں میں اتحاد اور اتفاق پیدا کرنے کیلئے یہ قبلہ مقرر کیا ہے اور انہیں حکم دیا ہے کہ وہ جہاں کہیں بھی ہوں نماز کے وقت کعبے کی طرف اپنا رُخ کر لیں۔

جو کعبے کی جانبِ مغرب رہتے ہیں وہ اپنا رُخ مشرق کی طرف کریں گے اور جو مشرق کی طرف رہتے ہیں وہ اپنا رُخ مغرب کی طرف کریں گے۔

مسلمانوں نے ہی سب سے پہلے دنیا کا نقشہ بنایا اور ان کے نقشوں میں جنوب کو اوپر کی طرف اور شمال کو نیچے کی طرف دکھایا گیا ہے اور کعبہ کو درمیان میں رکھا ہے۔ بعد میں جب مغربی نقشہ نگاروں نے نقشے بنائے تو انہوں نے شمال کو اوپر اور جنوب کو نیچے کی طرف بنا دیا۔ جیسا کہ آج کل کے نقشے موجود ہیں اور الحمدللہ کعبہ تقریباً درمیان میں ہی ہے، مکہ اَب بھی

بیچ میں ہے۔

جب مسلمان حج پر جاتے ہیں تو وہ کعبے کے گرد طواف کرتے ہیں، ہم گھومتے ہیں کعبے کے گرد صرف گواہی دینے کیلئے کہ اللہ ایک ہے۔ اور یہ عمل ایک اور سچے معبود پر ایمان اور اس کی عبادت کا عکاس ہے۔ جیسے ہر دائرے کا ایک مرکز ہوتا ہے بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی ایک ہی ہے جو معبود ہے۔

اسلام کے دوسرے خلیفہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

''میں چوم رہا ہوں کالے پتھر (حجر اسود) کو، صرف اسلئے کہ میرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بوسہ دیا، ورنہ یہ کالا پتھر مجھے نہ نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ ہی کوئی فائدہ''۔

(صحیح مسلم شریف، جلد نمبر 2، کتاب الحج، حدیث نمبر 2914)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہمیشہ کیلئے یہ کلیئر کر دیا کہ کوئی بھی مسلمان کبھی بھی کالے پتھر کی عبادت نہیں کرتا، نہ تو یہ نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ کوئی فائدہ۔

اور بہترین مثال یہ ہے کہ دورِ نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کعبہ پر کھڑے بھی ہوئے اور اُنہوں نے اذان دی۔ اذان جو بلاوا ہے نماز کیلئے۔ لوگ کعبہ پر کھڑے ہوئے اور اذان دی۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کوئی بت پوجنے والا کیا کبھی اُس بت پر کھڑا ہوگا جسے وہ پوجتا ہے؟؟

تو یہ کافی ثبوت ہیں کہ کوئی مسلمان کعبے کی عبادت نہیں کرتا۔ کعبہ ایک قبلہ

ہے اور ہم صرف اور صرف اللہ ربُّ العزت کی عبادت کرتے ہیں، جسے ہم آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے۔

اُمید ہے کہ یہ سوال کا جواب ہوا۔

سوال: میں ڈاکٹر ویاس ہوں۔ ایک میڈیکل پریکٹیشنر۔ ہم یہاں عالمی بھائی چارے کا نظریہ جاننے کیلئے آئے ہیں، نہ کہ اسلام کا نظریہ جاننے کیلئے۔ میں آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ ہمیں اس دُنیا میں بھائی چارے کے بارے میں بتائیں۔ میں جاننا چاہوں گا کہ کوئی کائنات کے دوسرے حصے میں بھی بھائی ہیں؟ ہمارے بھائی ہندوستان میں ہیں تو ہمیں ہندوستانی بھائی چارے کے بارے میں بات کرنا چاہئے۔ ہمیں بتائیں کہ کیسے ہندوستان میں بھائی چارہ اثر انداز ہو سکتا ہے؟

ڈاکٹر ذاکر نائیک:

بھائی نے ایک اچھا سوال کیا ہے کہ ہم یہاں عالمی بھائی چارے کے بارے میں سننے آئے ہیں اور میں نے صرف اِس دُنیا کے بھائی چارے کے بارے میں بولا ہے اور اُنہوں نے یہ بھی پوچھا کہ کیا کائنات کے دوسرے حصوں میں بھی بھائی موجود ہیں؟

اگر آپ نے میری بات غور سے سنی ہو تو میں نے یہ کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ جو ربّ ہے دُنیاؤں کا، یعنی اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ رب العالمین ہے، ربّ پوری کائنات کا۔

اور عالمی بھائی چارے کا مطلب نہ صرف اِس دُنیا کا بھائی چارہ ہے بلکہ پوری کائنات کی تمام دُنیاؤں کا بھائی چارہ ہے۔ اور قرآن حکیم میں آیا

ہے:

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین پیدا کیں، اور اِن کے بیچ مخلوق رکھ دی''۔

(سورۃ الشوریٰ، سورۃ نمبر 42، آیت نمبر 29)

اس کا مطلب ہے کہ قرآن فرماتا ہے کہ اس دُنیا کے علاوہ زندہ مخلوق موجود ہے، یہ ثابت کرنے کیلئے کہ دُنیا کے علاوہ بھی زندگی ہے، سائنس وہاں تک نہیں پہنچ پائی۔ سائنس راکٹس اور خلائی جہاز بھیج رہی ہے، یہ جاننے اور ثابت کرنے کیلئے کہ سیاروں پر زندگی ہے کہ نہیں۔ یہ ثابت تو نہیں ہوا ہے مگر امکان بہت ہیں۔

قرآنِ پاک میں یہ بات موجود ہے کہ اس زمین کے علاوہ بھی مخلوقات کا وجود ہے اور میں اس بات پر یقین رکھتا ہوں۔ اس کے نتیجے میں کائناتی بھائی چارے کا ایک تصور ذہن میں آتا ہے۔ بھائی چارہ صرف یہاں تک ہی نہیں بلکہ ہر جگہ اس کی ضرورت ہے نہ صرف ہندوستان میں بلکہ ہندوستان سے باہر بھی اور یہ کیسے قائم ہوسکتا ہے؟

میری تقریر مکمل طور پر موضوع پر تھی۔ اس بارے میں مَیں اپنی تقریر کو دہرانا نہیں چاہتا۔ مگر اختصار سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ ایک اخلاقی نظام کی ضرورت ہے۔ کوئی انسان کسی کا خون نہ کرے، چوری نہ کرے غریبوں کے کام آئے، ہمسائیوں کا خیال رکھے، کسی کی غیبت نہ کی جائے، اس بات کا خیال رکھا جائے کہ کوئی خود تو پیٹ بھر کر سو جائے اور اس کا ہمسایہ بھوکا نہ رہ جائے۔ شراب سے اجتناب کیا جائے کیونکہ یہ عالمی بھائی

چارے کی راہ میں ایک بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ یہی باتیں بھائی چارے کو فروغ دینے والی ہیں نہ صرف یہاں بلکہ امریکہ میں اور پوری دنیا میں۔ مگر یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ جب سب لوگ یہ بات تسلیم کرلیں کہ سب انسان چاہے وہ ہندوستان میں ہوں یا امریکہ میں یا وہ دُنیا کے کسی بھی ملک میں ہوں یا اس دنیا کے علاوہ کسی سیارے میں بستے ہوں ان سب کا خالق ایک اور صرف ایک اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہے۔ اصل میں تمام مذاہب میں ایک برتر اور عظیم خدا کا تصور موجود ہے۔ اس بارے میں تفصیل میری کتاب ''مذاہب عالم میں خدا کا تصور'' میں موجود ہے (یہ لیکچر اُردو زبان میں ذیل کتاب کے پارٹ 1 یعنی خطبات ڈاکٹر ذاکر نائیک کے پانچ مجموعی لیکچرز میں شامل ہے)۔ آپ اس لیکچر میں دُنیا کے تمام بڑے مذاہب میں خدا کا تصور پڑھ سکتے ہیں۔

سوال: میرا نام سبقتل ملانی ہے، میرا تعلق اُلہاس نگر سے ہے۔

میرا خیال ہے کہ ڈاکٹر صاحب لفظوں سے کھیل رہے ہیں۔ یہ لفظوں کی شعبدہ بازی ہے۔ اسلام کے ذریعے عالمی بھائی چارہ ممکن ہی نہیں ہے۔ اسلام تو دُنیا کو دو حصوں میں بانٹتا ہے، پہلا ہے مومن اور دوسرا ہے کافر۔ ہم اسلام کی بہت سی باتوں کو نہیں مانتے۔ جو عالمی بھائی چارہ اسلام ہم پر مسلط کرنا چاہتا ہے، وہ قطعی ممکن نہیں ہے۔ اسلام صرف تقسیم کرتا ہے۔ اسلام صرف تقسیم کرنے والی طاقتوں کو پیدا کرتا ہے۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ اسلام میں شیعہ، سنی اور باقی ستر فرقے پائے جاتے

ہیں۔

اسلام عالمی بھائی چارہ کبھی بھی نہیں دے سکتا۔ عالمی بھائی چارہ صرف ہندو مذہب کے ذریعے ممکن ہے۔ اسلام تو گائے کو ذبح کرنے اور کافروں کو قتل کرنے کا درس دیتا ہے۔ اصل میں جو آپ نے تقریر کی وہ ساری لفظوں کی شعبدہ بازی ہے۔ آپ نے جو ساری تقریر کی وہ ہندوازم کا نظریہ ہے جسے آپ نے اسلام کے نام پر پیش کیا۔

ڈاکٹر ذاکر نائیک:

بھائی نے اسلام پر بہت سے تبصرے کئے۔ اللہ ربّ العزت فرماتا ہے:

"اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ".

ترجمہ: ''بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے''۔

(سورۃ بقرہ، آیت نمبر 153)

بھائی چارہ پھیلانے کیلئے آپ کو صابر ہونا ہوگا۔ اگر میں صبر نہ کروں تو میرے اور بھائی (سائل) کے بیچ جھگڑا ہو جائے۔ (تالیاں)

سورہ بقرہ، سورۃ نمبر 2، آیت نمبر 153 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ترجمہ: ''اے ایمان والو! تم صبر اور نماز سے مدد مانگو!۔ بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے''۔

میں نے کہا ہے کہ بھائی چارے کیلئے صبر چاہیے اور میں اپنے بھائی کا احترام کرتا ہوں۔ ممکن ہے کہ انہوں نے ہندو مذہب کو اچھی طرح پڑھا ہو مگر معذرت کے ساتھ، میں ان سے اتفاق نہیں کرتا۔ اسلام کے بارے میں ان کا نالج کافی کمزور ہے۔

ہاں میں ان کی اس بات سے اتفاق کرتا ہوں کہ اسلام نے لوگوں کو دو گروہوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا ماننے والا یعنی مومن، دوسرا کافر (اُن کے مطابق)۔ لیکن یہ تقسیم تو دنیا کے ہر مذہب میں موجود ہے۔ ہندو مذہب میں بھی دو قسم کے لوگ ہیں، ایک ہندو اور ایک غیر ہندو۔ عیسائیت میں بھی ایک عیسائی اور ایک غیر عیسائی۔ یہودی مذہب میں ایک یہودی اور ایک غیر یہودی۔ اسی طرح اسلام میں ایک مسلم اور دوسرا غیر مسلم۔ تو اسلام کہاں سے الگ ہے؟؟

اور میں یہاں پر ہندو مذہب پر تنقید کیلئے نہیں آیا ہوں۔ مگر چونکہ سوال ایک پڑھے لکھے قابل انسان نے کیا ہے، اس لیے میں ہندو مذہب پر بھی کچھ بات کروں گا، کیونکہ میں تقابلِ ادیان کا طالب علم ہوں۔ میں نے ویدوں کو پڑھا ہے، اُپنشد پڑھے ہیں۔ اس لئے میں یہاں مختصر سا تبصرہ کرنا چاہوں گا۔ ویدوں کے مطابق انسان خدا کے جسم سے پیدا ہوا ہے۔ سر سے برہمن، سینے سے کھتری، رانوں سے ویش اور پاؤں سے شودر اور اس سے ذات پات کا نظام عمل میں آیا۔

بھائی میں یہاں یہ باتیں نہیں کرنا چاہتا تھا اور نہ میں اپنے ہندو بھائیوں کے جذبات کو مجروح کرنا چاہتا ہوں۔ اس لیے کہ اسلام ہمیں اس کی تعلیم نہیں دیتا۔ میں یہ باتیں نہیں کروں گا کہ کس مذہب میں کیا خامیاں ہیں۔

لیکن اگر آپ نے ویدوں کو اچھی طرح پڑھا ہے تو آپ کو یہاں پر موجود سب لوگوں کے سامنے اس بات کا اعتراف کرنا چاہیے کہ کیا

ویدوں میں یہ نہیں ہے کہ برہمن کو خدا کے سر سے اور شودروں کو پاؤں سے پیدا کیا گیا ہے اور کیا یہ ذات پات کا سلسلہ ویدوں میں بیان نہیں کیا گیا ہے، جس میں ایک طبقہ مذہبی لوگوں کا ایک لڑنے والوں کا اور ایک حکومت کرنے والوں کا ہے۔ ایک تجارت و کاروبار کرنے والا ہے اور ایک مظلوم شودروں کا طبقہ۔ اس بارے میں ڈاکٹر امبیدکر اور دوسرے لوگوں نے جو کتابیں لکھی ہیں میں ان کی تفصیل میں جانا نہیں چاہتا۔ مگر بھائی میں ہندو مذہب کے بارے میں کافی مطالعہ کر چکا ہوں اور میں اس کی بعض باتوں کی قدر بھی کرتا ہوں اور مجھے ان سے اتفاق بھی ہے۔ میں اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتا تھا مگر مجبوراً مجھے ایسا کرنا پڑا۔

قرآن کی سورۃ الانعام، سورۃ نمبر 6 آیت نمبر 108 میں ہے:

ترجمہ: "یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر جن کی پوجا کرتے ہیں انہیں گالی نہ دو، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ اپنے شرک اور جہالت کی وجہ سے اللہ کی شان میں گستاخی کرنے لگیں"۔

میں نے اپنی تقریر میں ہندو مذہب کی اچھی باتوں کو بیان کرنے کی کوشش کی اور یہ بھی بتایا کہ ہندو مذہب میں ایک خدا کا تصور موجود ہے۔ آپ نے اپنے سوال میں کہا کہ مسلمان گائے کو اور انسانوں کو قتل کرتے ہیں۔

دیکھئے! ہر الزام وقت چاہتا ہے۔ آپ کے ہر الزام کا جواب دینے کیلئے خاصہ وقت چاہیے مگر ہمارے پاس وقت کم ہے پھر بھی میں آپ کے کچھ

سوالوں کا جواب دیتا ہوں۔ اگر آپ چاہیں تو دوبارہ بھی سوال کر سکتے ہیں۔ مجھے خوشی ہوگی کہ میں آپ کے سوالوں کا جواب دوں اور آپ کی غلط فہمیاں دُور کرسکوں۔ اگر میری بات واضح ہوگئی تو ہم اسلام کی صحیح تعلیم آپ تک پہنچا سکیں گے۔ اسی لیے میں اپنی تقریر کے بعد سوالات کا سلسلہ رکھتا ہوں اور اس دوران ہر قسم کی تنقید کو بھی خوش دلی سے برداشت کرتا ہوں۔ مجھے یہ بات پسند ہے کیونکہ جب کوئی شخص تنقید کرے گا اور اسے منطقی انداز میں قائل کیا جائے گا تو اسلام کو صحیح انداز میں سمجھ سکے گا اور میری یہی کوشش ہوتی ہے۔ قرآنِ پاک کی سورۃ النحل، سورۃ نمبر 16، آیت نمبر 125 میں ہے:

ترجمہ: ''اپنے رَبّ کے راستہ کی طرف بلاؤ دانائی سے، اور اچھی نصیحت سے، اور ان سے ایسے بحث کرو جو سب سے بہتر ہو، بیشک تمہارا رَبّ اس کو خوب جاننے والا ہے جو اللہ کے راستہ سے گمراہ ہوا، اور وہ راہ پانے والوں کو خوب جاننے والا ہے''۔

غیر مسلم کہتے ہیں کہ تم لوگ بہت ظالم ہو، تم لوگ جانوروں کا قتل کرتے ہو۔ بھائی! آپ کی اطلاع کیلئے عرض ہے کہ ایک مسلمان سبزی خور ہو کر بھی ایک اچھا مسلمان بن سکتا ہے اور اس کیلئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ گوشت ہی کھائے۔ قرآن کی روشنی میں مسلمانوں کو گوشت خوری کی اجازت حاصل ہے۔ جیسا کہ قرآن میں بہت سی جگہوں پر آیا ہے:

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اپنے عہد پورے کرو، تمہارے لئے چوپائے

مویشی حلال کیئے گئے سوائے ان کے جو تمہیں سنائے جائیں گے، مگر شکار کو حلال نہ جانو جب کہ تم (حالتِ) احرام میں ہو، بیشک اللہ جو چاہے حکم کرتا ہے"۔

(سورۃ المائدہ، سورۃ نمبر 5، آیت نمبر 1)

ترجمہ: "اور اس نے چوپائے پیدا کیے تمہارے لیے ان میں گرم سامان اور فائدے ہیں اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے ہو۔"

(سورۃ نحل، سورۃ نمبر ۱۶، آیت نمبر ۵)

اور قرآن اسے سورۃ مؤمنون، سورۃ نمبر 23، آیت نمبر 21 میں دہراتا ہے:

ترجمہ: "اور بے شک تمہارے لئے چوپایوں میں مقامِ عبرت ہے ہم تمہیں ان سے (دودھ) پلاتے ہیں جو ان کے پیٹوں میں ہے اور تمہارے لئے ان میں بہت سے فائدے ہیں اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے ہو۔"

آپ جانتے ہیں گوشت پروٹین سے بھرپور ہوتا ہے۔ ڈاکٹرز یہاں موجود ہیں۔ میں بھی ایک ڈاکٹر ہوں۔ اس میں بہت غذائیت ہے۔ غیر نامیاتی غذا مثلاً انڈا، مچھلی اور گوشت پروٹین کا بہترین ذریعہ ہے۔ ان میں مکمل پروٹین یعنی آٹھ ضروری امائینو ایسڈ موجود ہیں جنہیں ہمارا جسم تیار نہیں کر سکتا۔ اس لئے یہ خوراک سے حاصل کیئے جاتے ہیں۔ گوشت کے اندر فولاد، وٹامن بی ون اور Niacin بھی موجود ہیں۔

اور آپ جو گائے کے قتل کے بارے میں کہتے ہیں۔ میں یہاں پر

ہندوؤں کی کتب پر تنقید کیلئے موجود نہیں ہوں، بھائی نے ایک سوال پوچھا، اس کے جواب میں سچ بولنا میری مجبوری ہے۔

اگر آپ ہندوؤں کی مذہبی کتابوں کا مطالعہ کریں تو آپ دیکھیں گے کہ کہیں بھی گوشت کھانے سے منع نہیں کیا گیا۔ یہ مذہب گوشت کھانے کی اجازت دیتا ہے۔ اگر آپ صحیفے پڑھیں تو پتہ چلے کہ سادھو سند بڑا گوشت کھاتے تھے۔ بہت سے ہندوؤں نے دوسرے مذاہب سے اثر لے کر صرف سبزیاں اور دالیں وغیرہ کھانا شروع کیا۔ جن میں سب سے اوّل جین مت ہے۔ ہندو لوگ جین مت کے لوگوں کے فلسفے کے اثر میں آگئے، کہ جانوروں کو نہ مارا جائے۔ اُنہوں نے ان کے اس طور طریقے اور فلسفہ کو قبول کرلیا ورنہ اسلام تو جانوروں کے حقوق کیلئے بھی ہے۔ میں ایک بھرپور تقریر صرف جانوروں کے حقوق پر کرسکتا ہوں۔ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو کہتا ہے کہ جانوروں پر زیادہ بوجھ مت ڈالو۔ اُن سے اچھا برتاؤ کرو اور اُنہیں بروقت کھانا دو۔ لیکن جب ضرورت ہو تو یہ تمہارے لئے کھانے کیلئے بھی بنائے گئے ہیں۔

اگر آپ تجزیہ کریں اُن مذاہب کا جو اس فلسفہ کو مانتے ہیں کہ آپ کو گوشت نہیں کھانا چاہئے۔ یہ فلسفہ اس تصور کی بنیاد پر تھا کہ آپ کو جانوروں کو نہیں مارنا چاہئے، کیونکہ وہ زندہ مخلوق ہیں۔ اسلئے گوشت کھانا ایک گناہ ہے۔

میں اُن سے اتفاق کرتا ہوں۔ اگر کوئی انسان اس دُنیا میں ایک زندہ مخلوق کو بغیر مارے ہوئے رہ سکتا ہے، تو میں وہ پہلا شخص ہوں گا۔ ہندو مذہب

میں عالمی بھائی چارہ یہ ہے کہ ہر زندہ مخلوق تمہارا بھائی ہے۔ ہر زندہ مخلوق!......بغیر لحاظ کئے......چاہے وہ جانور ہو، چڑیا ہو یا کوئی کیڑا۔

میں آپ سے ایک آسان سا سوال پوچھتا ہوں۔ ایک انسان پانچ منٹ کیلئے بھی اپنے لاکھوں بھائیوں کو مارے ہوئے کیسے زندہ رہ سکتا ہے؟

جو میڈیکل سائنس سے تعلق رکھتے ہیں وہ سمجھ رہے ہوں گے کہ میں کیا کہنا چاہ رہا ہوں۔ جب آپ سانس لیتے ہیں تو آپ لاکھوں جراثیم اپنے اندر لیتے ہیں۔ اور آپ اُنہیں مار رہے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ آپ زندہ رہنے کیلئے اپنے بھائیوں کو مار رہے ہیں۔

اسلام میں عالمی بھائی چارہ یہ ہے کہ ہر انسان تمہارا بھائی ہے۔ عقیدے کا بھائی چارہ یہ ہے کہ ہر مسلمان تمہارا بھائی ہے۔ ہر زندہ مخلوق ہمارا بھائی ہرگز نہیں۔ لیکن ہمیں زندہ مخلوق کی حفاظت کرنی ہے، اُنہیں نقصان نہیں پہنچانا، بے وجہ اُنہیں تکلیف نہیں دینا چاہئے۔ لیکن جب ضرورت ہو تو اُنہیں کھانے کیلئے لے سکتے ہو۔

اس لئے جب یہ فلسفہ کہتا ہے کہ گوشت کھانا ایک گناہ ہے کیونکہ تم زندہ مخلوق کو مارتے ہو۔ آج سائنس ہمیں بتاتی ہے کہ پودے بھی زندگی رکھتے ہیں۔ کیا آپ یہ جانتے ہیں؟؟

ماضی میں لوگوں کا یہ خیال تھا کہ پودے بے جان ہیں لیکن آج یہ ایک مسلمہ اور عالمگیر حقیقت ہے کہ پودے بھی زندگی رکھتے ہیں۔

اسلئے جو یہ دلیل دیتے ہیں کہ زندہ مخلوق کو مارنا گناہ ہے، فیل ہو جاتے

ہیں۔ اس لئے اَب وہ یہ دلیل بدلتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھو! پودے زندگی تو رکھتے ہیں لیکن وہ درد محسوس نہیں کر سکتے، اس لئے جانوروں کا قتل کرنا زیادہ بڑا گناہ ہے بہ نسبت پودوں کا قتل کرنے سے۔

آپ کو معلوم ہے کہ آج سائنس ترقی پر ہے۔ اور ہم جان چکے ہیں کہ پودے بھی درد محسوس کرتے ہیں۔ پودے رو بھی سکتے ہیں۔ پودے خوشی بھی محسوس کرتے ہیں۔ اسلئے جو یہ دلیل دیتے ہیں کہ وہ درد محسوس نہیں کر سکتے، ناکام ہیں۔ ہاں پودوں کی چیخ و پکار کی آواز انسان نہیں سن سکتا۔ انسانی کان اس آواز کو نہیں سن سکتے جو قوتِ سماعت کی حدود یعنی ۲۰ ہرٹز سے بیس ہزار ہرٹز سے باہر ہو۔ کوئی آواز اس سے کم ہو یا زیادہ ہو تو انسانی کان اس کو سن ہی نہیں سکتے۔

مثال کے طور پر مالک کتے کی سیٹی بجاتا ہے۔ آپ جانتے ہیں کتے کی سیٹی؟؟ جسے خاموش سیٹی بھی کہا جاتا ہے۔ کتے چالیس ہزار فی سیکنڈ تک کی آواز سن سکتے ہیں۔ اسلئے جب مالک سیٹی بجاتا ہے تو کتے سیٹی کی آواز پر متوجہ ہوتے ہیں اور دوڑے چلے آتے ہیں جبکہ انسان نہیں سن سکتا۔ اسلئے اسے کتوں کی خاموش سیٹی کہا جاتا ہے۔

اس طرح انسان پودوں کے رونے کی آواز نہیں سن سکتے۔ لیکن روتے وہ بھی ہیں۔ درد وہ بھی محسوس کرتے ہیں۔

ایک شخص نے مجھ سے اس پر کافی بحث کی، کہا:

''بھائی ذاکر! میں آپ سے اتفاق کرتا ہوں کہ پودے زندگی

رکھتے ہیں اور درد محسوس کر سکتے ہیں۔ لیکن آپ جانتے ہیں کہ پودوں کے پاس دو حِسّیں کم ہوتی ہیں۔ ان کے پاس تین حِسّیں ہوتی ہیں، جبکہ جانوروں کے پاس پانچ حِسّیں ہوتی ہیں۔ اسلئے جانوروں کو مارنا زیادہ بڑا گناہ ہے بہ نسبت پودوں کے''۔

میں نے کہا:

بھائی! فرض کیجئے! آپ کا ایک چھوٹا بھائی ہے۔ جو پیدائشی بہرہ اور گونگا ہے۔ اُس کی دو حِسّیں کم ہیں۔ جب وہ بڑا ہوتا ہے اور اُس کو کوئی قتل کر دیتا ہے تو کیا آپ جج سے کہیں گے کہ جج صاحب! قاتل کو کم سزا دیں کیونکہ میرے بھائی کی دو حِسّیں کم تھیں۔ کیا آپ کہیں گے ایسا؟؟

آپ کہیں گے: جج صاحب!!! ......اسے کڑی سے کڑی سزا دیجئے! کیونکہ اس نے ایک ایسے شخص کو مارا جو نہایت معصوم تھا۔ (تالیاں)

تو اسلام دو حِسّیں یا تین حِسّیں کی دلیل کو نہیں مانتا۔ اسلام فرماتا ہے، قرآن کی سورۃ بقرہ، سورۃ نمبر 2، آیت نمبر 168 میں کہ

ترجمہ: ''اچھی چیزوں کو کھاؤ جو ہم نے تمہارے لئے مہیا کیں''۔

مطلب جو اچھا اور جس کی اجازت ہے وہ آپ کھا سکتے ہیں۔ اور اگر آپ تجزیہ کریں تو آپ کو پتہ چلے گا کہ دوسرے جانوروں اور انسانوں کے معاملے میں چوپایوں (مویشیوں) کی پیداوار انتہائی تیز ہے۔ اُن کی پیدائش بہت تیزی سے ہوتی ہے۔ اگر میں آپ سے اتفاق کرلوں کہ کسی

مویشی کو نہیں کھانا چاہئے تو ہماری دُنیا میں چوپایوں (مویشیوں) کی تعداد حد سے بڑھ جائے گی۔

اور جہاں تک گائے کی آبادی میں اضافے کا معاملہ ہے تو اس بارے میں مولانا عبدالکریم پاریکھ کی ایک کتاب ''گوہتھیا (گائے کو ذبح کرنے والے کا ذمہ دار کون؟)'' کو دیکھا جا سکتا ہے جس سے پتا چلے گا کہ گائے کے قتل کا اصل ذمہ دار کون ہے۔ اس کتاب میں چمڑے کا کاروبار کرنے والے لوگوں کے بارے میں اعداد و شمار دیئے گئے ہیں جن کے مطابق اس کاروبار سے منسلک افراد مسلمان کم اور غیر مسلم زیادہ ہیں اور زیادہ تر جین مت کے لوگ ہیں۔ اس لئے جو گائے کے ذبح ہونے سے فائدہ اُٹھا رہے ہیں وہ مسلمان نہیں بلکہ زیادہ تر غیر مسلم ہیں۔ تو اگر آپ تاریخ سے اچھی طرح واقف ہیں اور دلائل کو بھی اچھی طرح سے سمجھتے ہیں تو آپ سمجھ جائیں گے کہ اللہ تعالیٰ کا جو فرمان ہے بلکہ صحیح ہے کہ اچھی چیزوں کو کھاؤ جو حلال ہیں۔ جیسا کہ قرآن میں ہے:

ترجمہ: ''اے لوگوں! کھاؤ اس میں سے جو زمین میں ہے حلال اور پاکیزہ۔''

(سورۃ بقرہ، سورۃ نمبر ۲، آیت نمبر ۱۶۸)

اسی طرح اگر آپ چرنے والے جانوروں کے دانتوں کا تجزیہ کریں، جن میں گائے، بھیڑ اور بکری وغیرہ شامل ہیں، یہ صرف سبز پتوں والی خوراک اور سبزیاں کھاتے ہیں۔ ان جانوروں کے دانت چپٹے ہوتے ہیں، اور دانتوں کی ترتیب بالکل ایک جیسی ہوتی ہے۔

اگر آپ نے تجزیہ کیا ہو گوشت خور جانوروں کے دانتوں کی ترتیب کا جن میں ببر شیر، چیتا شامل ہیں، ان کے دانت تیز اور نوک دار ہوتے ہیں۔ یہ صرف گوشت کھا سکتے ہیں۔

اَب آیئے انسان کے دانتوں کی ترتیب کی طرف۔

کبھی آئینے کے سامنے جا کر اپنے دانتوں کا تجزیہ کریں تو آپ کو پتہ چلے گا کہ ہمارے دانت نوک دار بھی ہیں اور چپٹے بھی۔

اگر اللہ تعالیٰ چاہتا کہ ہم صرف اور صرف سبزیاں کھائیں تو اُس نے ہمیں یہ نوک دار دانت کیوں دیئے؟؟ کس لئے؟؟

گوشت کھانے کیلئے!!

(تالیاں)

اگر آپ چرنے والے جانوروں کے ہاضمے کے نظام کا تجزیہ کریں، جن میں گائے، بکری، بھیڑ وغیرہ شامل ہیں۔ اُن کے ہاضمے کا نظام صرف سبزیاں ہضم کر سکتا ہے۔

گوشت خور جانوروں کے ہاضمے کا نظام صرف گوشت ہی ہضم کر سکتا ہے۔

انسانوں کے ہاضمے کا نظام سبزی اور گوشت دونوں کو ہضم کر سکتا ہے۔

اگر اللہ رَبُّ العزت چاہتا کہ ہم صرف سبزیاں کھائیں تو اُس نے ہمیں ہاضمے کا ایسا نظام کیوں دیا جو سبزیوں اور گوشت دونوں کو ہضم کر سکتا ہے۔

اس لئے سائنس کے مطابق اگر آپ تجزیہ کریں۔ اللہ چاہتا ہے کہ ہم سبزی اور گوشت دونوں کھائیں۔

اُمید ہے کہ سوال کا جواب ہوا۔

سوال: نہ ہی برا ہے وید اور شاستر اور نہ ہی قرآن برا ہے

بنا سمجھی باتیں، اور بے سمجھا ویکھیان برا ہے

سمجھو تم اپنی باتیں، اور سب کا دھیان برا ہے

اپنے اپنے حساب سے سوچو، کہ اُس پربھو کا سامان نہیں برا ہے

عالمی بھائی چارے کے موضوع پر جہاں بھی کوئی باتیں ہونی چاہئیں وہاں پر مذہب کی کوئی بات نہیں ہونی چاہیے۔ مذہب سے اُوپر اُٹھ کر بات ہونی چاہیے۔ کیونکہ مذہب سے اوپر اُٹھنا ہی اُس اللہ کو پانا ہے۔ اور پہلے آپ لفظ God کا مطلب سمجھئے!...... کہ God کا مطلب کیا ہے۔ God، Godess کچھ نہیں ہوتا۔ قدرت کے تین حصے ہیں...... جی او ڈی G □ó□God کا مطلب Generator ،O کا مطلب Operator ،D کا مطلب □ó□Destroyer یہ قدرت ہمیں پیدا کر رہی ہے، قدرت ہمیں چلا رہی ہے، قدرت ہمیں مٹا رہی ہے۔ ہمیں پیدا کیا جا رہا ہے، ہمیں چلایا جا رہا ہے، ہمیں مٹایا جا رہا ہے۔ اس میں God اور Godess کا کچھ بھی مطلب نہیں۔ اور God کا اصلی مطلب کچھ بھی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ God سے اوپر ہے، پروردگار God سے اوپر ہے۔

ڈاکٹر ذاکر نائیک:

بہت شکریہ!

بھائی نے میری تقریر بہت مختصر انداز میں بیان کی ہے۔ اُنہوں نے صحیح کہا کہ دیوی دیوتا کوئی نہیں ہے۔ میں نے بھی اِسی کی تشریح کی۔ اُنہوں نے

ہندی میں سمجھانے کی کوشش کی کہ کوئی دیوی نہیں کوئی دیوتا نہیں۔ اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے۔ میں بھائی سے اتفاق کرتا ہوں۔ اُن کا شکریہ!

اور اُنہوں نے ٹھیک کہا کہ مختلف مذاہب نہیں ہونے چاہئیں اور میں آپ سے اتفاق کرتا ہوں۔ مختلف مذاہب ہرگز نہیں ہونے چاہئیں۔ کیونکہ قرآن فرماتا ہے:

ترجمہ: ''بیشک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے، اور جنہیں کتاب دی گئی (اہل کتاب) نے اختلاف نہیں کیا، مگر اس کے بعد جبکہ ان کے پاس آ گیا علم، آپس کی ضد سے، اور جو اللہ کے حکموں کا انکار کرے تو بیشک اللہ جلد حساب لینے والا ہے''۔

(سورۃ آلِ عمران، سورۃ نمبر 3، آیت نمبر 19)

اگر آپ مذہب کے اندر آپس میں لڑیں گے تو اختلافات ہونا یقینی بات ہے۔ اور اختلافات ہرگز نہیں ہونے چاہئیں۔

مذہب صرف ایک ہونا چاہئے اور وہ یہ کہ اپنی مرضی اللہ تعالیٰ کو سونپ دینا۔ اگر آپ اس پر یقین رکھتے ہیں تو بھائی چارہ ضرور ہوگا۔ اور اگر یقین نہیں رکھتے تو اختلافات یقینی ہیں۔

سوال: ذاکر بھائی! میرا نام پروفیسر ڈیورے ہے۔ میرا سوال نہایت آسان ہے۔

میں نے کبھی کسی مذہب کو نہیں پڑھا ہے۔ میں مذہب پر یقین ہی نہیں رکھتا اور میرا آسان سوال یہ ہے کہ کیا آپ الگ الگ مذاہب کے وجود مانتے ہیں؟ اور کیا الگ الگ مذاہب کا ہونا ضروری ہے؟ کیونکہ آپ

نے اپنی تقریر میں کہا کہ اللہ خدائے برتر نے دُنیا کے تمام لوگوں کو پیدا کیا اور مختلف مذاہب اور علاقوں میں بانٹ دیا۔ اسلئے کہ اُنہیں آپس میں لڑنا نہیں چاہئے، بلکہ ایک دوسرے کو سمجھنا چاہئے۔ کیا آپ ہمارے سامنے صلیبی جنگ کی وضاحت فرمائیں گے؟

اور مہربانی فرما کر آپ اسلام اور ہندو مذہب کے بیچ کا فرق بتلائیں گے؟ آپ نے کہا کہ یہ ہندوازم ہے اور یہ مذہب اسلام ہے۔ آپ نے یہ کہیں نہیں کہا کہ ہندوازم ایک مذہب ہے۔ آپ نے ہندوازم اور اسلام کے بیچ فرق بتایا تھا کہ ہندو ''ہر چیز کو خدا مانتے ہیں'' جبکہ مسلم ''ہر چیز خدا کی مانتے ہیں''۔ اگر ہر چیز خدا ''کی'' ہے تو پھر اتنے قتل کیوں ہوتے ہیں؟ چاہے وہ ہندوستان میں، چاہے ساری دُنیا کے کسی بھی خطے میں ہوں۔

ڈاکٹر ذاکر نائیک:

بھائی نے ایک بہت اچھا سوال کیا۔ اِنہوں نے کہا کہ میں نے اپنی تقریر میں کہا کہ خدائے برتر نے دُنیا کے تمام لوگوں کو پیدا کیا اور مختلف مذاہب میں بانٹ دیا۔

بھائی میں نے کہیں بھی ایسا کچھ نہیں کہا کہ خدائے برتر نے لوگوں کو مختلف مذاہب میں بانٹ دیا۔ یہ ریکارڈ میں موجود ہے، آپ ریکارڈنگ ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ میں نے کہیں بھی ''مختلف مذاہب میں'' نہیں کہا۔ میں نے کہا ''مختلف ممالک میں''، ''مختلف نسلوں میں''، ''مختلف رنگوں میں'' نہ کہ ''مختلف مذاہب میں''۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مذہب صرف ایک

ہے۔ اللہ تعالیٰ مختلف مذاہب میں کبھی نہیں بانٹتا، مذہب صرف ایک ہے۔ مختلف ملکوں، رنگوں اور زبانوں میں صرف اس لئے بانٹا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، نہ کہ آپس میں لڑو۔

آپ کی مذہب والی بات ٹھیک نہیں باقی باتیں ٹھیک ہیں۔

آپ نے ایک اور سوال کیا کہ میں نے کبھی اپنی تقریر میں ہندوازم ایک مذہب ہونے کا نہیں کہا۔ میں ایک بار پھر آپ سے اتفاق نہیں کرتا۔ میں نے کہا کہ آکسفورڈ ڈکشنری میں مذہب کا مطلب لکھا ہے ''خدا پر یقین رکھنا''۔ ہندوازم کو سمجھنے کیلئے آپ کو خدا کے تصور کو سمجھنا ہو گا۔ عیسائیت کے مذہب کو سمجھنے کیلئے آپ کو عیسائیت میں خدا کے تصور کو سمجھنا ہو گا۔ مذہبِ اسلام کو سمجھنے کیلئے آپ کو اسلام میں خدا کے تصور کو سمجھنا ہو گا۔ میں نے یہی سب کہا۔

جہاں تک بات ہے کہ اختلاف کس نے پیدا کئے؟

خدائے برتر نے نہیں!

اللہ ربُّ العزت صاف طور پر سورۃ الانعام میں فرماتا ہے:

ترجمہ: ''جو کوئی مذہب کو فرقوں میں بانٹے گا، اللہ کو اُس سے کچھ لینا دینا نہیں''۔

(سورۃ الانعام، سورۃ نمبر 6، آیت نمبر 159)

آپ مذہب کو نہیں بانٹ سکتے۔ جو بھی کوئی ایسا کرتا ہے وہ سراسر غلطی پر ہے۔

آپ نے مجھ سے پوچھا کہ لوگ ایک دوسرے کا قتل کیوں کر رہے ہیں؟ یہ آپ کو اُن سے پوچھنا ہے جو ایسا کر رہے ہیں۔

مثلاً اُستاد کی حیثیت سے آپ شاگرد سے کہتے ہیں کہ نقل مت کرو۔ اور پھر بھی وہ نقل کرتے ہیں۔تو کون ذمہ دار ہے؟ اُستاد یا شاگرد؟؟

ظاہری سی بات ہے، شاگرد!!

یہاں اللہ تعالیٰ نے انسان کو اختیار دیا ہے کہ تم جو چاہے کر سکتے ہو، میں نے تمہاری آخری اور فیصلہ کن راہنمائی کی ہے۔ آخری اور فیصلہ کن راہنمائی ہے ''قرآنِ عظیم''۔

اور اللہ تعالیٰ سورۃ المائدہ میں فرماتا ہے:

ترجمہ: ''اگر کوئی کسی انسان کو بلاوجہ قتل کرتا ہے اور وہ مقتول زمین پر فساد نہیں پھیلا رہا تھا تو یہ ایسا ہی ہے گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور اگر کوئی کسی انسان کی جان بچاتا ہے تو یہ ایسا ہی ہے جیسے اس نے پوری قوم کو بچا لیا ہو''۔

(سورۃ المائدہ، سورۃ نمبر 5، آیت نمبر 32)

تو اللہ تعالیٰ ہرگز ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو ایک دوسرے کو قتل کریں۔ لیکن اگر انسان عمل نہیں کرنا چاہتا تو کون ذمہ دار ہے؟؟

انسان!!......ظاہری بات ہے۔

اسلئے قرآنِ پاک فرماتا ہے:

ترجمہ: ''وہ جس نے پیدا کیا موت اور زندگی کو، تا کہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون ہے عمل میں سب سے بہتر اور وہ غالب بخشنے والا ہے''۔

(سورۃ ملک، سورۃ نمبر 67، آیت نمبر 2)

اور اللہ نے زندگی اور موت پیدا کی آزمانے کیلئے کہ تم میں کون اچھا ہے۔ قرآن فرماتا ہے کہ اللہ چاہتا تو سب کو ایمان والا بنا دیتا لیکن تب آزمائش کہاں ہوتی؟؟

اگر اُستاد چاہے تو آسانی سے سارے طلباء کو پاس کر سکتا ہے۔ چاہے کوئی طالب علم فیل ہی کیوں نہ ہو۔ اُستاد ایسا کر سکتا ہے۔ مگر ایسا کرنا اُس کیلئے غلط ہوگا۔ تب طلباء کو اختیار کہاں رہا۔ اگر وہ امتحان سے گزر رہے ہیں اور اگر کوئی صحیح جواب نہیں دیتا اور اس کے باوجود اُستاد اُسے پاس کر دیتا ہے تو وہ شخص جس نے انتہائی محنت کی ہے، اعتراض کرے گا کہ میں نے امتحان کیلئے انتھک محنت کی اور یہ شخص نقل کر رہا ہے اور دھوکا دے رہا ہے، اور غلط جواب لکھتا ہے اور پاس ہو جاتا ہے۔ اور جب اگلے Batch میں طالب علم یہ جان لیں گے کہ اُستاد ہر ایک کو پاس کرتا ہے بغیر یہ امتیاز کیے کہ وہ صحیح جواب دیتا ہے یا غلط، تو ہر طالب علم پڑھائی کرنا چھوڑ دے گا۔ تب آپ ڈگری پا سکتے ہیں۔ میڈیکل کی ڈگری۔ لیکن ڈاکٹر جب میڈیکل میں پاس ہو جاتا ہے، جب وہ باہر آتا ہے تو لوگوں کو اچھا نہیں کرے گا۔ وہ تو لوگوں کو مارے گا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں ہدایت کی ہے کہ کسی کا قتل مت کرو، کسی کو نقصان مت پہنچاؤ، لوگوں اور اپنے پڑوسیوں سے محبت کرو اور وہ سب جو میں نے اپنی تقریر میں کہا۔

اگر لوگ ایسا نہیں کرتے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ قرآن کو نہیں مانتے۔ چاہے وہ کوئی بھی ہو۔ چاہیے کوئی امریکہ میں ہو، پاکستان میں ہو،

ہندوستان میں ہو، چاہے دُنیا کے کسی بھی کونے میں ہو، لوگ نام سے پکار کر اپنے آپ کو "مسلمان" کہہ سکتے ہیں، عبداللہ، ذاکر، عثمان، عمر، آپ کو جنت کا ٹکٹ نہیں مل جاتا۔ اپنے آپ کو "مسلمان" کہہ دینے سے آپ مسلم نہیں ہو جاتے۔ مسلم ایک لیبل نہیں ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ اگر میں کہتا ہوں کہ میں مسلم ہوں۔ مسلم کا مطلب وہ شخص جو اپنی مرضی اللہ تعالیٰ کو سونپ دیتا ہے۔ ایک شخص ذاکر، عبداللہ یا عثمان نام رکھنے سے مسلمان نہیں ہو جاتا۔ یہ لوگ اگر باعمل ہیں اور اپنی مرضی اللہ کو سونپتے ہیں تو یہ مسلم ہیں۔ اپنے آپ کو مسلم کہنے والے جیسا کہ قرآن فرماتا ہے کچھ لوگ ہیں جو "زبانی" مسلم ہیں۔ اس لئے اگر لوگ قتل کر رہے ہیں تو وہ قرآن کی ہدایت پر عمل نہیں کر رہے۔ اگر وہ قرآن کی ہدایت پر عمل کرتے ہیں تو ساری دُنیا میں امن قائم ہو جائے گا۔

اُمید ہے کہ یہ سوال کا جواب ہوا۔

سوال: (پروفیسر ڈیورے) ...... تو ذاکر بھائی! اگر ایک ہندو قرآن کے اصولوں کو مانتا ہے جو بہت سی ہندو کتابوں کے اصولوں سے ملتے جلتے ہیں، تو کیا ایک ہندو اپنے آپ کو مسلمان کہہ سکتا ہے یا پھر دوسری طرف کیا ایک مسلمان اپنے آپ کو ہندو کہہ سکتا ہے؟ کیونکہ آپ کی تقریر کا صحیح موضوع "عالمی بھائی چارہ" ہے۔ میں نے ڈاکٹر ویاس کی باتوں کو اچھی طرح سے سمجھا اور سنا، جب اُنہوں نے اپنا سوال پوچھا۔

ڈاکٹر ذاکر نائیک:

بہت اچھا سوال!

اگر آپ واضح سوال پوچھتے تو میں بہتر طریقے سے جواب دے سکتا۔

بھائی نے جو سوال پوچھا ہے کہ قرآن میں دیئے گئے اصولوں اور ہندوازم پر عمل کرنے والے ہندو کو کیا مسلم کہا جا سکتا ہے؟ اور ایسے ہی کیا مسلم کو ہندو کہا جا سکتا ہے؟

آیئے! ہم لفظ ''مسلم'' اور ''ہندو'' کی تعریف سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ میں نے کہا کہ مسلم وہ شخص ہے جو اپنی مرضی اللہ ربُّ العزت کے حوالے کر دیتا ہے۔ لفظ ''ہندو'' کی کیا تعریف ہے؟...... کیا آپ جانتے ہیں؟

ہندو جغرافیائی تعریف ہے کہ کوئی بھی جو ہندوستان میں رہتا ہے، انڈس وادی کی تہذیب کے اِس حصے میں رہنے والا کوئی بھی شخص ''ہندو'' کہلائے گا۔ تعریف کے حساب سے میں بھی ایک ہندو ہوں۔ کیا آپ یہ جانتے ہیں؟

یہ ہندو جغرافیائی تعریف ہے۔ آپ یہ کسی سے بھی پوچھ لیں۔

سوامی ویویک آنند کے مطابق ''ہندو'' ایک غلط دیا ہوا نام ہے۔ جغرافیائی طور پر میں ایک ہندوستانی ہوں۔ میں ایک ہندو ہوں۔ لیکن سوامی ویویک آنند نے کہا کہ اُنہیں ''ویدانتیست'' (Vedantist) کہا جانا چاہیے، اُنہیں ہندو نہیں کہنا چاہیے۔

اگر آپ مجھ سے پوچھیں کہ میں جغرافیائی طور پر ہندو ہوں؟ تو میں کہوں گا کہ ہاں! میں جغرافیائی طور پر ہندو ہوں۔ لیکن اگر آپ مجھ سے پوچھیں کہ میں ویدانتیست ہوں؟ ''ویداس'' پر عمل کرتا ہوں؟

میں نے کہا تھا کہ ''ویداس'' کے وہ حصے جو قرآنِ حکیم سے ملتے ہیں، تو

مجھے اُن پر عمل کرنے پر کوئی اعتراض نہیں۔ مثلاً اللہ ایک ہے۔ اگر آپ کہیں کہ میں اُس خدائے برتر پر یقین رکھتا ہوں جس نے برہمن کو سر سے پیدا کیا جو کہ ایک الگ ذات ہے، جو بڑی ذات ہے۔ کھتریوں کو سینے سے پیدا کیا۔ وشیوں کو رانوں سے اور شودروں کو پیروں سے پیدا کیا۔

یہ سب ویدوں میں لکھا ہے، میں سب کچھ حوالوں سے کہہ چکا ہوں۔ یہاں ویدوں کے کئی عالم بیٹھے ہوئے ہیں، آپ کسی سے بھی پوچھ سکتے ہیں۔ لیکن اگر آپ نہیں مانتے تو یہ آپ کی اُلجھن ہے۔

میں اِس تصور سے بالکل بھی اتفاق نہیں کرتا۔

میں جغرافیائی لحاظ سے ہندو ہوں۔ ایسے ہی جیسے کوئی امریکہ میں رہنے والا امریکی، پاکستان میں رہنے والا پاکستانی، چین میں رہنے والا چینی۔ لیکن چونکہ میں ہندوستان میں رہتا ہوں اور اگر آپ پوچھیں کہ میں مسلم ہو سکتا ہوں؟ تو میں کہوں گا ''ہاں''۔ یقیناً ایک شخص مسلم ہندو ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی مسلمان ہندوستان میں رہتا ہے تو وہ ایک ہندو ہو سکتا ہے۔ ایسے ہی کوئی خود کو ہندو کہنے والا اگر امریکہ میں رہتا ہے تو ہندو نہیں کہہ سکتا۔ وہ ایک امریکی ہے، اپنے آپ کو امریکی کہلائے گا۔

تو ہندوازم کو عالمی مذہب نہیں کہا جا سکتا۔ عالموں کے مطابق ہندو صرف انڈیا کا ایک مذہب ہے۔ اور ایک مذہب نہیں بلکہ جغرافیائی تعریف ہے۔

سوامی ویویک آنند جو ایک بڑے عالم ہیں، اُنہوں نے کہا کہ ہندوازم ایک ''مِسنوما'' (Misnoma) ہے۔ آپ مِسنوما جانتے ہیں؟ مِسنوما یعنی

غلط دیا ہوا مطلب ہے۔ اُنہیں ویدانتیست کہا جانا چاہئے۔ تو اگر آپ مجھ سے پوچھیں کہ میں ہندو ہوں؟ تو اگر انڈیا میں رہنے والا ہر ایک شخص ہندو ہے تو میں بھی ہندو ہوں!

لیکن اگر آپ کہتے ہیں کہ ہندو ایک شخص ہے جو پوجتا ہے، کئی شکلوں والے بتوں کو، جو سر اور ہاتھ وغیرہ رکھتے ہیں، تب میں ہندو نہیں ہوں۔

لیکن اگر آپ جغرافیائی تعریف سے مجھے ہندو کہیں گے تو میں کہوں گا کہ ہاں! میں ہندو ہوں۔

اسی طرح سے کیا ایک ہندو مسلم ہو سکتا ہے؟

ہاں!......ایک ہندو ایک مسلم ہو سکتا ہے!

لیکن اگر وہ ہندو بتوں کو پوجتا ہے تو وہ قطعی مسلم نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ قرآنِ پاک سورۃ النساء میں فرماتا ہے:

ترجمہ: ''بیشک اللہ (اس کو) نہیں بخشتا جو اس کا شریک ٹھہرائے، اور اس کے سوا جس کو چاہے بخش دے اور جس نے اللہ کا شریک ٹھہرایا پس اس نے بڑا گناہ (بہتان) باندھا''۔

(سورۃ النساء، سورۃ نمبر 4، آیت نمبر 48)

ترجمہ: ''بیشک اللہ اس کو نہیں بخشتا کہ اس کا شریک ٹھہرایا جائے، اور بخش دے گا اس کے سوا جس کو چاہے، اور جس نے اللہ کا شریک ٹھہرایا، سو وہ گمراہ ہوا، گمراہی میں بہت دُور کی''۔

(سورۃ النساء، سورۃ نمبر 4، آیت نمبر 116)

اس لئے جغرافیائی لحاظ سے ہندوستان میں رہنے والا ہندو ایک مسلم ہو سکتا

ہے، لیکن اگر وہ جغرافیائی ہندو کسی حکم کو توڑتا ہے، یعنی اللہ کے تصور کی بنیاد اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یقین نہیں رکھتا تو وہ ایک مسلم نہیں ہوسکتا۔ کوئی بھی مسلم جو قرآن پر عمل کرتا ہے اور ہندوستان میں رہتا ہے وہ ایک ہندوستانی مسلمان ہے۔

اُمید ہے کہ یہ بات آپ کیلئے واضح ہو چکی ہے۔

سوال: (پرچی پر لکھ کر دیا گیا سوال:) میرا نام مہتا ہے۔ جناب ذاکر صاحب! زیادہ تر مسلم بنیاد پرست (Fundamentalist) کیوں ہیں؟

ڈاکٹر ذاکر نائیک:

بھائی نے سوال پوچھا کہ زیادہ تر مسلمان بنیاد پرست کیوں ہیں؟

سوال پوچھا گیا ہے، میں جواب دیتا ہوں۔ اگر آپ کو پسند آئے، آپ مانئے اگر نہ پسند آئے تو مت مانئے۔

قرآن مجید سورۃ البقرہ میں فرماتا ہے:

ترجمہ: ''دین کے بارے میں کوئی زبردستی نہیں، بیشک ہدایت سے گمراہی جدا ہو گئی، پس جو گمراہ کرنے والے کو نہ مانے، اور اللہ پر ایمان لائے، پس تحقیق اس نے حلقہ کو مضبوطی سے تھام لیا، ٹوٹنا نہیں اس کو، اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے''۔

(سورۃ البقرہ، سورۃ نمبر 2، آیت نمبر 256)

میرا فرض آپ تک سچ پہنچانا ہے۔ اگر آپ کو پسند آئے، آپ مانئے، نہیں پسند آتا تو ٹھکرا دیجئے۔ دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔

بھائی مہتا نے جو سوال پوچھا کہ زیادہ تر مسلمان بنیاد پرست کیوں ہیں؟

وہ دہشت گرد کیوں ہیں؟

کیا معنی ہیں لفظ Fundamentalist کے؟

Fundamentalist وہ شخص ہوتا ہے جو اپنے عقیدے یا نظریے کی بنیادی باتوں سے مکمل طور پر وابستہ ہو اور ان پر عمل کرتا ہو۔ اگر کوئی شخص اچھا ڈاکٹر بننا چاہتا ہے تو اسے میڈیکل کی بنیادی باتوں کا علم ہونا چاہیے اور اسے ان پر عمل پیرا بھی ہونا چاہیے۔ اسی طرح ایک اچھے ریاضی دان کیلئے بھی یہ ضروری ہے کہ وہ ریاضی کی بنیادی باتوں سے واقف ہو۔ دوسرے لفظوں میں ایک ڈاکٹر کو طب میں اور ایک ریاضی دان کو ریاضی کے شعبے میں Fundamentalist یا بنیاد پرست ہونا چاہیے۔ بالکل اسی طرح ایک سائنسدان کو سائنس کی مکمل معلومات ہونا چاہیے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیں کہ اسے سائنس کے بارے میں بنیاد پرست ہونا چاہیے۔ اسی طرح دین کے بارے میں بھی ایک شخص کو بنیاد پرست ہونا چاہیے۔ اصل میں تمام بنیاد پرست ایک جیسے نہیں ہوتے اور نہ ان کو ایک جیسا کہا جاسکتا ہے۔ بنیاد پرستوں کو اچھے یا برے گروپس میں تقسیم نہیں کیا جاسکتا۔ کسی کا بنیاد پرست ہونا اس بات پر منحصر ہے کہ اس گروہ کی سرگرمیاں کون سی ہیں جن کی بنیاد پر وہ بنیاد پرستی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ آپ سب کو ایک کٹہرے میں کھڑا نہیں کر سکتے۔ ایک بنیاد پرست اچھا انسان بھی ہوسکتا ہے اور نہیں بھی۔ ایک بنیاد پرست ڈاکو یا چور اپنے شعبے میں بنیاد پرست ہوتا ہے جو لوگوں کیلئے تکلیف کا باعث بنتا ہے، اس لئے اسے ناپسند کیا جاتا ہے جبکہ اس کے برخلاف ایک بنیاد

پرست ڈاکٹر انسانوں کیلئے کافی کارآمد ہوتا ہے اور قابل احترام بھی۔ تو آپ ایک ہی برش سے سارے بنیاد پرستوں کو نہیں رنگ سکتے۔

مجھے فخر ہے کہ میں ایک بنیاد پرست مسلمان ہوں اور الحمدللہ اسلام کے بنیادی اصولوں سے واقف ہوں اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اور ہر مسلمان کو فخر کے ساتھ بنیاد پرست ہونا چاہئے۔ کسی بھی مسلمان کو بنیاد پرست ہونے پر کسی قسم کی شرمندگی کا احساس نہیں ہونا چاہیے کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ اسلام کے بنیادی اصول نہ صرف انسانیت بلکہ ساری دُنیا کیلئے مفید ہیں۔ اسلام کا کوئی ایک بھی بنیادی اصول ایسا نہیں ہے جو انسانوں کیلئے فائدہ مند نہ ہو یا اس سے ان کو کوئی نقصان پہنچتا ہو۔

اسی طرح ایک ہندو کو اچھا ہندو بننے کیلئے بنیاد پرست ہونا چاہئے ورنہ وہ اچھا ہندو نہیں ہوگا۔ ہر عیسائی کو ایک اچھا عیسائی ہونے کیلئے بنیاد پرست ہونا چاہئے ورنہ وہ ایک اچھا عیسائی نہیں بن پائے گا۔

بہت سے لوگ اسلام کے بارے میں غلط نظریات رکھتے ہیں اور ان کے بقول اسلام کی بہت سی معلومات صحیح نہیں اور یہ انصاف پر بھی مبنی نہیں ہیں۔ جیسا کہ بھائی نے سوال کیا کہ گائے کا گوشت کھانا غلط ہے تو میں نے اُن کی یہ غلط فہمی دُور کی۔ ایسی بہت سی سوچیں اسلام کے بارے میں غلط اور نامکمل معلومات کی وجہ سے ہیں۔ اگر کوئی شخص کھلے دل و دماغ سے اسلام کی تعلیمات کا جائزہ لے تو اس حقیقت کو قبول کیے بغیر نہیں رہے گا کہ اسلام انفرادی اور اجتماعی دونوں طرح سے مفید ہے اور اسلام کی کوئی ایک بھی تعلیم ایسی نہیں ہے جو انسانیت اور سماج کے خلاف جاتی

ہو۔ میں کسی کو بھی چیلنج کرتا ہوں، صرف یہاں بیٹھے لوگوں کو ہی نہیں بلکہ ساری دُنیا کے لوگوں کو...... کہ کوئی مجھے اسلام کی ایک بھی ایسی تعلیم بتائے جو انسانیت اور سماج کے خلاف ہو!!!!...... کچھ لوگوں کو برا لگ سکتا ہے لیکن کلی طور پر اسلام کی تعلیمات عالمی بھائی چارے کیلئے بہترین ہیں۔ تو مجھے Fundamentalist ہونے پر گرو (فخر) ہے۔اور ہر مسلمان کو ہونا چاہئے۔

اگر آپ Fundamentalist کی تعریف پڑھیں۔

Websters کی ڈکشنری کے مطابق Fundamentalism ایک تحریک تھی جو بیسویں صدی کے شروع میں امریکہ کے پروٹسٹنز (عیسائیوں کے ایک گروہ) نے شروع کی۔ یہ تحریک جدیدیت کے خلاف ردِعمل تھا اور اس کے ساتھ ساتھ یہ لوگ نہ صرف عقائد اور اخلاق بلکہ تاریخی ریکارڈ کے حوالے سے بائبل کے غلطیوں سے پاک ہونے پر بھی زور دیتے تھے۔ان کا یہ بھی کہنا تھا کہ بائبل کا متن ہو بہو خدا کے الفاظ ہیں۔تو ''بنیاد پرستی'' ایک ایسی اصطلاح ہے جو سب سے پہلے اس عیسائیوں کے گروہ نے استعمال کی تھی جو اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ بائبل حرف بہ حرف خدا کا کلام ہے اور اس میں کوئی کمی بیشی یا غلطی نہیں ہے۔مثال کے طور پر اگر کوئی ثابت کرتا ہے کہ بائبل حرف بہ حرف خدا کا کلام ہے، تب یہ تحریک اچھی ہے۔لیکن اگر کوئی یہ ثابت کرتا ہے کہ بائبل کا ہر لفظ خدا کا کلام نہیں ہے، تب یہ تحریک اچھی تحریک نہیں رہے گی۔

اگر آپ آکسفورڈ ڈکشنری کا مطالعہ کریں، اس میں کیا معنی دیئے گئے

ہیں لفظ Fundamentalist کے؟

آکسفورڈ ڈکشنری کے مطابق لفظ Fundamentalist کے معنی ہیں ''کسی مذہب کے پرانے قوانین کو سختی کے ساتھ ماننا، خاص طور پر اسلام ''۔ یہ لوگ لکھتے ہیں ''خاص طور پر اسلام''۔ یہ الفاظ موجود ہیں آکسفورڈ ڈکشنری میں، آپ آکسفورڈ کے نئے ایڈیشن میں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ اس کا مطلب آپ Fundamentalist صرف اسلام کے بارے میں سوچتے ہیں۔ کیوں؟...... میڈیا لوگوں پر حملہ کر رہا ہے۔ کیا آپ جانتے ہیں؟ ...... مسلم ہی Fundamentalist ہیں، بنیاد پرست ہیں، دہشت گرد ہیں۔ جب بھی آپ Fundamentalist کے بارے میں سوچتے ہیں، فوراً ہی آپ کے دماغ میں ''مسلم'' آتا ہے۔ لفظ Terrorist کو سوچنا شروع کر دیتے ہیں۔ لفظ Terrorist کے کیا معنی ہیں؟

ایک Terrorist وہ شخص ہے جو خوف پھیلاتا ہے۔ جو Terror پھیلاتا ہے۔ اور کسی وقت امن قائم کرنے کیلئے آپ کو Terror کا استعمال کرنا پڑتا ہے۔ جب ایک چور پولیس کو دیکھتا ہے وہ خوفزدہ ہو جاتا ہے۔ تو چور کیلئے پولیس Terrorist ہے۔ میں صحیح کہہ رہا ہوں یا غلط؟؟ ......میں اُردو بول رہا ہوں!!...... میں لفظوں سے نہیں کھیل رہا!!! ......Terrorist ایک شخص ہے جو خوف پھیلاتا ہے اسی لئے چور کیلئے، مجرم کیلئے، غلط لوگوں کیلئے پولیس Terrorist ہے۔ اس اعتبار سے ہر مسلمان کو Terrorist ہونا چاہئے۔ ''اِس'' اعتبار سے!!! ......اُسے

Terrorist سماج مخالف لوگوں کیلئے کے Terorist ہونا چاہئے۔
اسی لئے جب کوئی سماج مخالف شخص کسی مسلم کو دیکھے تو اُسے خوفزدہ ہونا چاہئے۔ کوئی چور ایک مسلم کو دیکھے اُسے خوفزدہ ہونا چاہئے۔ کوئی زانی ایک مسلم کو دیکھے تو اُسے ڈرنا چاہئے۔

میں جانتا ہوں کہ عام طور پر جو آجکل لفظ Terrorist استعمال ہو رہا ہے وہ جو معصوم لوگوں کو ڈراتا اور مارتا ہے۔ "اِس" اعتبار سے کسی بھی مسلمان کو دہشت گرد (Terrorist) نہیں ہونا چاہئے۔ کسی بھی مسلمان کو معصوم لوگوں کا قتل نہیں کرنا چاہئے۔

مگر جہاں پر سماج مخالف لوگوں کی بات ہو، جہاں چوروں کی بات ہو، مجرموں کی بات ہو، ڈاکوؤں کی بات ہو، زانیوں کی بات ہو، جیسے پولیس مجرموں کیلئے دہشت گرد ہے ویسے ہی مسلمانوں کو بھی مجرموں کیلئے دہشت گرد ہونا چاہئے۔

اگر آپ تجزیہ کریں کہ اکثر ایک شخص کو اس کے ایک ہی عمل کو دو الگ الگ لیبل دیئے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر آپ جانتے ہیں، جب ہندوستان میں انگریزوں کی حکومت تھی، تب بہت سے لوگ ہندوستان کی آزادی کیلئے لڑے۔ انگریزوں نے اُنہیں Terrorist پکارا۔ لیکن ہندوستانیوں نے، Indian Fighters نے اُنہی لوگوں کو "دیش بھگت" پکارا۔ میں صحیح کہہ رہا ہوں یا غلط؟؟ ...... وہ ملک کی آزادی کیلئے لڑے۔ وہی لوگ، وہی عمل ...... لیکن دو الگ لیبلز۔ انگریزوں نے اُنہیں Terrorist پکارا جبکہ ہندوستانیوں نے اُنہیں "دیش بھگت" ...... "وطن

پرست'' کہا۔

تو سامعین!......اس سے قبل کہ آپ کوئی لیبل دیں، آپ کو پہلے تجزیہ کرنا چاہئے کہ آپ کس نظریے کے طرفدار ہیں۔ اگر آپ انگریز کے نظریے سے اتفاق کرتے ہیں کہ انگریز سرکار کو انڈیا پر حکومت کرنے کا حق تھا تب آپ واقعی ان لوگوں کو Terrorist پکار سکتے ہیں۔ لیکن اگر آپ ہندوستانی عوام سے اتفاق کرتے ہیں کہ انگریز یہاں کاروبار کرنے آئے تھے اور اُنہوں نے غیر قانونی طور پر ہمارے اوپر حکومت شروع کر دی تو آپ اِن لوگوں کو ''مجاہدینِ آزادی'' اور ''دیش بھگت'' جیسے القابات سے نوازیں گے۔

کسی خاص شخص کو کوئی بھی لیبل دینے سے قبل تجزیہ کرنا چاہئے کہ آپ کونسا نظریہ رکھتے ہیں۔ اُنہی لوگوں کو دو مختلف لوگوں سے دو الگ نظریے مل سکتے ہیں۔ اُس حوالے سے میں کہوں گا کہ ہر مسلمان کو بنیاد پرست ہونا چاہئے۔

لفظ اسلام ''سلام'' سے نکلا ہے جس کا معنی ہے ''سلامتی''۔ یہ امن و سلامتی کا مذہب ہے جو اپنے ماننے والوں کو دنیا میں امن و امان قائم کرنے اور اس کو فروغ دینے کی تلقین کرتا ہے۔ اس لیے ہر مسلمان کو بنیاد پرست ہونا چاہیے۔ اس کو دین اسلام کے بنیادی اصولوں پر عمل کرنا چاہیے اور اسے سماج دُشمن عناصر کے لیے دہشت گرد ہونا چاہیے، اسی سے معاشرے میں امن و امان اور عدل و انصاف کا بول بالا ہوگا۔

اُمید ہے کہ یہ سوال کا جواب ہوا۔

سوال: میرا نام پروفیسر ڈیورے ہے۔ بھیونڈی کالج میں پڑھاتا ہوں۔

ہر مذہب زندگی کی ایک اعلیٰ سائنس ہے۔ جہاں تک مذہب کے اصولوں کا تعلق ہے تو کچھ بھی غلط نہیں ہے۔ مگر اصولوں کو بیان کرنا الگ بات ہے اور ان اصولوں پر عمل کرانا ایک الگ بات ہے۔

زیادہ تر دیکھا گیا ہے کہ مذہبوں کے ٹکراؤ کی وجہ سے خون بہا ہے۔ تو غلطی کہاں پر ہے؟ میرا مطلب آپ کا اس بارے میں کیا نظریہ ہے؟ آپ کیسے مذہب کے اصولوں میں صلح کرائیں گے اور یہ جو مذہب کی وجہ سے آپس میں اختلافات پیدا ہوئے ہیں، اس خاص پہلو پر آپ کا کیا نظریہ ہے؟

ڈاکٹر ذاکر نائیک:

پروفیسر نے ایک بہت اچھا سوال پوچھا ہے کہ تمام مذاہب بنیادی طور پر اچھی تعلیمات دیتے ہیں لیکن عمل الگ الگ ہو سکتا ہے اور آجکل سب لوگ مذہب کے نام پر لڑ رہے ہیں۔ آپ اس مسئلے کو کیسے حل کر سکتے ہیں؟

کچھ حصے کا جواب میں اپنی تقریر میں پہلے دے چکا ہوں۔ اور میں نے کہا تھا کہ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے ہمیں کسی بھی انسان کو قتل نہیں کرنا چاہئے۔

سورۃ المائدہ، سورۃ نمبر 5، آیت نمبر 32 میں ہے کہ

ترجمہ: ''اگر کوئی کسی انسان کو بلا وجہ قتل کرتا ہے اور وہ مقتول زمین پر فساد نہیں پھیلا رہا تھا تو یہ ایسا ہی ہے گویا اس نے تمام انسانوں

کو قتل کر دیا اور اگر کوئی کسی انسان کی جان بچاتا ہے تو یہ ایسا ہی ہے جیسے اس نے پوری قوم کو بچالیا ہو"۔

یہ اختلافات ختم کرنا کیسے ممکن ہے؟

جیسا کہ میں نے اپنی تقریر میں ذکر کیا کہ سورۃ آلِ عمران، سورۃ نمبر 3، آیت نمبر 64 میں ہے:

ترجمہ: "اے محمد ﷺ! ان اہلِ کتاب سے کہو کہ آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہم میں اور تم میں یکساں ہے، یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رَب نہ بنائے، اگر وہ اس بات سے انکار کریں تو صاف کہہ دو کہ گواہ رہو ہم تو مسلمان ہیں۔"

فرض کریں اگر آپ کے پاس 10 پوائنٹس ہیں اور میرے پاس بھی 10 پوائنٹس ہیں۔ اگر اُن 10 پوائنٹس میں سے 5 پوائنٹس ایک جیسے ہیں اور 5 الگ الگ ہیں، تو کم سے کم میں اُن 5 پوائنٹس پر ضرور اتفاق کروں گا جو ایک جیسے ہیں۔ اختلافات پر تو ہم بعد میں آئیں گے۔ قرآن فرماتا ہے کہ ایک جیسی باتوں کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں یکساں ہیں۔ پہلی بات کہ ہم کسی کی عبادت نہیں کرتے سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ یعنی ہم اُس کا شریک نہیں ٹھہراتے۔

آپ نے صحیح فرمایا کہ یہ اختلافات کیسے ختم کئے جائیں؟ اور میں نے آپ کو یہ حل پیش کیا کہ پہلے ایک جیسی باتوں کی طرف آؤ۔ لیکن یہاں

غور کرنے والی بات یہ ہے کہ بہت سے مذہبی لوگ خود یہ نہیں جانتے کہ اُن کی مذہبی کتاب کیا کہتی ہے۔ یہ بھی ایک پریشانی کا باعث ہے۔ بہت سے مسلمان یہ نہیں جانتے کہ قرآن اور صحیح حدیث کیا کہتی ہے۔ بہت سے ہندو نہیں جانتے کہ ہندو صحیفے کیا کہتے ہیں۔ بہت سے عیسائی اور یہودی نہیں جانتے کہ بائبل کیا کہتی ہے۔ ان سب کا کون ذمہ دار ہے؟ ...... ظاہری سی بات ہے ''ماننے والے''۔ اپنے اپنے مذہب کے پیروکار ذمہ دار ہیں۔ اسی لئے میں کہتا ہوں کہ سب سے پہلے اپنی مذہبی کتابوں کا مطالعہ کرو۔ اختلافی نقطوں پر ہم بعد میں آئیں گے۔ کم از کم ایک جیسی باتوں کی طرف تو آؤ!!!

میں نے ایک تقریر کی ہے ''اسلام اور عیسائیت میں یکسانیت''۔ اُس میں بھی میں نے کہا کہ جن نقطوں پر ہمیں اختلاف ہے اُن پر ہم بعد میں آئیں گے۔ لیکن کم از کم جو تمہاری بائبل اور ہمارا قرآن کہتا ہے اُن باتوں کی طرف تو آؤ۔ اور ہمیں اُن باتوں پر اتفاق کرنا چاہئے۔ جھگڑا حل ہو جائے گا۔ میں ابھی کیا کر رہا ہوں؟ کیا میں نے اپنی تقریر میں کسی مذہب پر تنقید کی؟؟ ...... جب کچھ بھائیوں نے کوشش کی کچھ ''خاص'' سوالات پوچھنے کی تب میں سچ بولنے پر مجبور تھا۔ ورنہ میں نے اپنی تقریر میں مذہب پر ذرا برابر بھی تنقید نہیں کی۔ میں کبھی اختلافات کے بارے میں نہیں بولا۔ میں نے صرف اُن نکات پر بات کی جو ہماری اور آپ کی مذہبی کتابوں میں یکساں ہیں۔ میں اختلافات پر پوری ایک تقریر کر سکتا ہوں جو اسلام اور ہندو ازم کے بیچ ہو گی، اسلام اور عیسائیت کے بیچ ہو

گی، کیونکہ میں تقابلی مذاہب کا ایک طالب علم ہوں۔ الحمد للہ! میں اختلافات والی باتوں پر دُنیا کے مختلف صحیفوں کی آیات کے حوالے دے سکتا ہوں۔ جب ضرورت ہو تو مجھے ایسی باتیں کر کے غلط فہمیوں کو مٹانا پڑتا ہے۔ خاص کر جب کوئی پروگرام خراب کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ لیکن میں عام آدمی سے ایسی گفتگو ہرگز نہیں کرتا۔ میں عام آدمی سے کہتا ہوں کہ آپ اپنی مذہبی کتابیں پڑھیں، آپ اپنی کتابوں اور عالمی بھائی چارے کے قریب آ جائیں گے۔ اپنی کتابیں پڑھیے! کم از کم ایک خدا کو تو مانو!...... اختلافات پر ہم بعد میں آئیں گے۔ ہندوازم کہتا ہے، سکھ ازم کہتا ہے، اسلام کہتا ہے، عیسائی مذہب کہتا ہے، یہودی مذہب کہتا ہے، پارسی مذہب کہتا ہے کہ خدا ایک ہے۔ اور اُس اکیلے کی عبادت کرو۔ پھر آپ دوسرے خدا کو کیوں پوجتے ہیں؟؟؟

اس نقطے پر آیئے!...... تب ہم دوسرے نقطے پر آئیں گے۔ جب 10 میں سے 3 پوائنٹس ایک جیسے ہیں تو کم از کم اُن ایک جیسے پوائنٹس پر تو اتفاق کرو۔ دوسرے پوائنٹس پر ہم اختلافات پر اتفاق کر سکتے ہیں۔ جن پر ہم بعد میں آئیں گے۔ تو اگر ہم ایک جیسے پوائنٹس پر سامنے آتے ہیں جو تقابلی مطالعہ پر ہیں، تو میرا یقین کیجئے! زیادہ تر مسائل حل ہو جائیں گے اور یہی سب میں کر رہا ہوں۔ میں ساری دُنیا میں جا رہا ہوں اور غیر مسلموں کو مخاطب کرتا ہوں۔ چیلنج کرتا ہوں۔ اور اُن میں سے بہت سے ایسے ہیں جو اپنی اور ہماری مذہبی کتابوں سے باخبر نہیں ہیں۔ حتیٰ کہ مسلمان تک اپنی کتابوں سے باخبر نہیں ہیں۔ اسی لئے تو وہ سوال پوچھتے

ہیں جن کی اُنہیں خبر نہیں ہے، تو میں اُنہیں قرآن کے بارے میں، حدیث کے بارے میں، ویدوں کے بارے میں، بائبل کے بارے میں باخبر کرتا ہوں۔ اور میں اپنی ہر تقریر حوالہ جات کے ساتھ کرتا ہوں۔ اور ہر حوالے کو تفصیل سے بیان کرتا ہوں کہ کوئی یہ نہ کہہ سکے ''ذاکر ایسے ہی بول رہا ہے''۔ اور میں جن کتابوں کا حوالہ دیتا ہوں یہ سب کی سب ''اسلامک ریسرچ فاؤنڈیشن'' کی لائبریری میں موجود ہیں۔ وہاں ویدوں کے الگ الگ ترجمے پڑے ہوئے ہیں۔ ہمارے پاس بائبل کی سینکڑوں اقسام پڑی ہوئی ہیں جن میں تیس سے زائد مختلف نسخے شامل ہیں۔ تو جس کسی فرقے سے آپ کا تعلق ہے، چاہے آپ پروٹسٹنٹ ہیں چاہے کیتھولک ہیں میں اُنہی کی کتابوں سے بولتا ہوں۔ تو اگر آپ کہیں کہ ذاکر غلط ہے تو آپ کو کہنا ہوگا کہ مقدس کتابیں غلط ہیں۔ میں تو صرف حوالے پیش کرتا ہوں۔ اور میری زیادہ تر تقاریر تو حوالہ جات پر مبنی ہوتی ہیں۔ اگر آپ ان کتابوں سے اتفاق نہیں کرتے تو آپ انکار کرتے ہیں ان مقدس کتابوں کا جن کے میں حوالے دیتا ہوں۔ اگر آپ اختلافات کو ہوا دیتے ہیں تو اختلاف کیلئے آپ کو اختیار ہے۔ کیونکہ قرآنِ پاک میں ہے کہ مذہب میں کوئی زبردستی نہیں ہے، سچ جھوٹ سے ممتاز ہے۔ تو میں ہندو مذہب کا سچ آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ تو اگر آپ ماننا چاہتے ہیں تو مانیں، نہیں ماننا چاہتے مت مانئے۔ تمام مذاہب کے انسانوں کو جوڑنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے ایک جیسی باتوں کی طرف آیا جائے، اختلافات کی طرف ہم بعد میں آئیں گے۔

اُمید ہے کہ یہ جواب ہوا۔

سوال: (پرچی پر لکھ کر دیا گیا سوال:) میرا نام راج منہوترا ہے۔ اگر اسلام امن کا مذہب ہے تو پھر یہ تلوار کے زور پر کیسے پھیلا؟

ڈاکٹر ذاکر نائیک:

بھائی نے سوال پوچھا کہ اسلام اگر امن کا مذہب ہے تو پھر یہ تلوار کے زور پر کیسے پھیلا؟

اسلام بنیادی لفظ ''سلام'' سے بنا ہے، جس کا مطلب ہے ''امن''۔ اس کا مطلب ''اپنی مرضی اللہ کو سونپنا'' بھی ہے۔ مختصراً اس کا مطلب ''اپنی مرضی اللہ کو سونپ کر امن حاصل کرنا'' ہے۔ لیکن جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ دُنیا میں ہر کوئی یہ نہیں چاہتا کہ یہاں امن قائم ہو۔ کچھ سماج دُشمن لوگ ہیں جو اپنے ذاتی فائدے کیلئے امن قائم کرنا نہیں چاہتے۔ جن میں چور، مجرم، ڈاکو لٹیرے شامل ہیں۔ اگر امن قائم ہو جائے گا تو وہ بے کار ہو جائیں گے۔ تو ایسے کچھ لوگ ہیں جو اپنے ذاتی مفاد کیلئے نہیں چاہتے کہ امن قائم ہو۔ تو اس طرح کے لوگوں کیلئے طاقت کا استعمال کیا جاتا ہے۔ اسی لیے جرائم پر قابو پانے کیلئے پولیس کا شعبہ قائم کیا گیا ہے، جو مجرموں اور ایسے لوگوں کے خلاف طاقت کا استعمال کرتی ہے تا کہ معاشرے میں امن و امان قائم رہ سکے۔ اسلام امن کا خواہش مند ہے لیکن مسلمانوں کو ظلم و جبر کے خلاف لڑنے کا حکم دیتا ہے۔ بعض دفعہ ظلم کے خاتمے کیلئے طاقت کی ضرورت پڑتی ہے۔ ظلم کے خاتمے کیلئے، امن کے فروغ اور انصاف کے قائم کرنے کیلئے اسلام طاقت کے استعمال کی

اجازت دیتا ہے اور اس کا ثبوت ہمیں سیرت النبی ﷺ اور خلفائے راشدین کے ادوار سے ملتا ہے۔

اس غلط الزام کا جواب کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا ایک انگریز مؤرخ ڈی لیسی اولیری نے اپنی کتاب "Islam at the Cross Road" کے صفحہ نمبر 8 میں دیا ہے:

''تاریخ سے یہ حقیقت واضح ہے کہ اسلام کے متعلق روایتی تعصب پر مبنی کہانیاں کہ اسلام تلوار سے پھیلا اور اس کے ذریعے جنونی مسلمان دُنیا پر چھا گئے، نامعقول اور غلط قسم کے افسانے ہیں جنہیں مؤرخین نے بار بار دہرایا ہے۔''

(Islam at the Cross Road, P:8)

مسلمانوں نے سپین پر تقریباً آٹھ سو سال حکومت کی اور وہاں کے لوگوں کو مسلمان کرنے کیلئے تلوار کا استعمال نہیں کیا۔ بعد میں جب عیسائی برسر اقتدار آئے تو انہوں نے وہاں مسلمانوں کا صفایا کر دیا اور سپین میں کوئی بھی مسلمان ایسا نہ رہا جو آزادی سے اذان بھی دے سکے۔ خطۂ عرب پر مسلمان پچھلے چودہ سو سال سے حکمرانی کرتے چلے آرہے ہیں، اس کے باوجود آج بھی چودہ ملین یعنی ایک کروڑ چالیس لاکھ عرب ایسے ہیں جو نسل در نسل عیسائی ہیں مثلاً مصر کے قبطی عیسائی وغیرہ۔ اگر اسلام تلوار کے ذریعے پھیلا ہوتا تو عرب میں ایک بھی عیسائی نہ ہوتا۔ ہندوستان پر مسلمانوں نے لگ بھگ ایک ہزار سال حکومت کی۔ اگر وہ چاہتے تو تلوار کے زور پر ہر غیر مسلم کو مسلمان بنا لیتے مگر آج بھارت میں اَسّی فیصد

آبادی غیر مسلموں کی ہے۔ کیا یہ تمام غیر مسلم اس بات کا ثبوت نہیں ہیں کہ اسلام تلوار کے زور پر نہیں پھیلا۔ پوری دُنیا میں انڈونیشیا میں مسلمانوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے اور ملائشیا میں بھی مسلمان اکثریت میں ہیں۔ اب میں پوچھ سکتا ہوں کے کون سی اسلامی فوج انڈونیشیا اور ملائشیا میں گئی تھی؟ اسی طرح اسلام بڑی تیزی سے براعظم افریقہ کے مشرقی ساحل میں پھیلا۔ کیا غیر مسلم مؤرخین یہ بتا سکتے ہیں کہ افریقہ کے مشرقی ساحل پر کون سی اسلامی فوج گئی؟ مشہور مؤرخ تھامس کارلائل اپنی کتاب ''ہیرو اینڈ ہیرو ورشپ'' کے اندر اسلام کے پھیلنے کے بارے میں ان مغربی تصورات کا رڈ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

> ''اسلام کو پھیلانے میں تلوار استعمال کی گئی مگر یہ تلوار کون سی تھی، وہ ایک نظریہ تھا اور ہر نیا نظریہ شروع میں کسی ایک انسان کے دماغ میں جنم لیتا ہے اور وہاں نشوونما پاتا ہے اور اس نظریہ پر دُنیا میں صرف ایک انسان یقین رکھتا ہے یعنی ایک انسان فکری طور پر تمام انسانوں سے مختلف ہوتا ہے۔ اگر وہ شخص ہاتھ میں تلوار لے کر اس نظریہ کو پھیلانے کی کوشش کرے تو یہ بے سود رہے گی لیکن اگر نظریے کی تلوار سرگرم رہے تو وہ نظریہ دُنیا کے اندر اپنی قوت سے خود بخود ہی پھیل جائے گا۔''

ایسا کہنا غلط ہے کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا ہے۔ اگر مسلمان ایسا کرنا بھی چاہتے تو نہیں کر سکتے تھے کیونکہ قرآن مجید میں سورۃ البقرہ سورۃ نمبر 2، آیت نمبر 256 میں ہے:

ترجمہ: ''دین میں کوئی جبر نہیں، ہدایت گمراہی سے (الگ) واضح ہو چکی ہے۔''

اسلام اصل میں حکمت کی تلوار سے پھیلا ہے اور یہ ایک ایسی تلوار ہے جو دل و دماغ کو فتح کر لیتی ہے۔ جیسا کہ قرآن کے اندر سورۃ نحل سورۃ نمبر 16، آیت نمبر 125 میں ہے کہ

ترجمہ: ''لوگوں کو اپنے رَبّ کے راستہ کی طرف حکمت اور بہترین نصیحت کے ساتھ بلاؤ اور ان سے بہترین طریقے سے بحث کرو۔''

1986ء میں ریڈرز ڈائجسٹ میں ایک مضمون 1934ء سے لے کر 1984ء تک پچاس سال میں دُنیا کے بڑے بڑے مذاہب کے ماننے والوں کی تعداد میں اضافے کے اعداد و شمار بیان کئے گئے تھے۔ یہی مضمون The Plain Truth نامی رسالے میں بھی شائع ہوا۔ اس میں سرفہرست اسلام تھا، جس کے ماننے والوں کی تعداد میں 235 فیصد اضافہ ہوا اور عیسائیت میں صرف 47 فیصد۔ کیا میں یہ پوچھ سکتا ہوں کہ اس صدی میں کون سی مذہبی جنگ لڑی گئی جس کی وجہ سے لاکھوں لوگ مسلمان ہوئے۔ آج کی تاریخ میں امریکہ میں سب سے زیادہ پھیلنے والا مذہب اسلام ہے۔ وہ کون سی تلوار ہے جس سے لوگ اتنی بڑی تعداد میں مسلمان ہونے پر مجبور ہو رہے ہیں؟ یہ تلوار اسلام کی سچی تعلیم ہی ہے۔ قرآن تین الگ الگ جگہوں پر فرماتا ہے:

ترجمہ: ''وہ جس نے اپنا رسول (ﷺ) بھیجا ہدایت کے ساتھ اور

دینِ حق کے ساتھ، تا کہ اسے تمام دینوں پر غلبہ دے، خواہ
مشرک پسند نہ کریں"۔

(سورۃ توبہ، سورۃ نمبر 9، آیت نمبر 33)

ترجمہ: "وہی ہے جس نے اپنے رسول (ﷺ) کو ہدایت اور دینِ
حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اسے تمام دینوں پر غالب کر دے اور
خواہ مشرک ناخوش ہوں"۔

(سورۃ الصف، سورۃ نمبر 61، آیت نمبر 9)

ترجمہ: "وہی ہے جس نے اپنے رسول (ﷺ) کو بھیجا ہدایت اور
دینِ حق کے ساتھ تا کہ اسے تمام دینوں پر غالب کر دے، اور
اللہ گواہ کافی ہے"۔

(سورۃ الفتح، سورۃ نمبر 48، آیت نمبر 28)

میں اپنی بات کو ڈاکٹر جوزف آدم پیٹرسن کا قول پیش کر کے ختم کرنا چاہوں گا، جنہوں نے کہا:

"جو لوگ ڈرتے ہیں کہ ایک دِن ایٹمی ہتھیار عربوں کے ہاتھ
لگ جائیں گے، وہ نہیں سمجھ پائے کہ اسلامی بم پہلے سے ہی گر
چکا ہے، یہ اُس دِن گرا جس دِن حضرت محمد ﷺ پیدا
ہوئے"۔

سوال: میرا نام سنیل ہے۔ میرا سوال ہے کہ اگر اسلام بھائی چارے کا درس دیتا ہے تو پھر مسلمان خود اتنے مکاتبِ فکر میں کیوں بٹ گئے؟

ڈاکٹر ذاکر نائیک:

پوچھا گیا سوال ہے کہ مسلمان بہت سے فرقوں میں کیسے بٹ گئے؟

آج مسلمان تقسیم ہو چکے ہیں حالانکہ اسلام کے اندر اس کی گنجائش نہیں ہے۔ اسلام اپنے ماننے والوں کے درمیان اتحاد قائم کرنے پر یقین رکھتا ہے۔ قرآنِ حکیم میں جواب دیا گیا ہے کہ

ترجمہ: ''اور مضبوطی سے پکڑلو اللہ کی رسی کو سب مل کر، اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو، اور اپنے اوپر اللہ کی نعمت یاد کرو''۔

(سورۃ آلِ عمران، سورۃ نمبر 3، آیت نمبر 103)

یہاں قرآنِ کریم کو اللہ کی رسی کہا گیا ہے۔ یہ ہی اللہ کی رسی ہے جسے تمام مسلمانوں کو مضبوطی سے پکڑ لینا چاہیے۔ اس آیت میں دو احکامات ہیں، ایک یہ کہ سب مل کر مضبوطی سے پکڑلو اور یہ کہ پھوٹ نہ ڈالو، جدا جدا نہ ہو۔ قرآنِ کریم کی سورۃ نساء سورۃ نمبر 4، آیت نمبر 59 میں بھی ہے:

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول (ﷺ) کی۔''

اس لئے سب مسلمانوں کو قرآن اور صحیح حدیث پر عمل کرنا چاہیے اور آپس میں تقسیم نہیں ہونا چاہیے۔ قرآن میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

ترجمہ: ''بے شک جن لوگوں نے تفرقہ ڈالا اپنے دین میں اور گروہ در گروہ ہو گئے، آپ (ﷺ) کا اُن سے کوئی تعلق نہیں، ان کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے، پھر وہ انہیں جتلا دے گا جو کچھ وہ کرتے تھے''۔

(سورۃ انعام، سورہ نمبر 6، آیت نمبر 159)

اس آیت میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ایسے لوگوں سے مسلمانوں کو الگ

رہنے کا حکم دیا ہے جنہوں نے دین کو فرقوں میں بانٹ رکھا ہے۔ جب کسی مسلمان سے پوچھا جاتا ہے کہ تم کون ہو تو عموماً یہ جواب ملتا ہے کہ میں سنی ہوں یا میں شیعہ ہوں، اسی طرح کچھ لوگ اپنے آپ کو حنفی، شافعی، مالکی یا حنبلی کہتے ہیں اور کوئی یہ کہتا ہے کہ میں دیوبندی ہوں یا بریلوی ہوں۔ ایسے لوگوں سے یہ پوچھا جاسکتا ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کیا تھے؟ کیا وہ حنبلی، شافعی، حنفی یا مالکی تھے؟ بالکل نہیں وہ اللہ کے تمام پیغمبروں جیسے ہی مسلمان تھے جو ان سے پہلے ہوئے۔ قرآن کہتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسلمان تھے اور انہوں نے اپنے حواریوں سے کہا سورۃ آلِ عمران سورہ نمبر 3 آیت نمبر 52 میں ہے:

ترجمہ: ''کون ہے اللہ کی طرف میری مدد کرنے والا؟''

تو حواریوں نے اسی آیت میں جواب دیا:

''ہم اللہ کی مدد کرنے والے ہیں، ہم اللہ پر ایمان لائے اور گواہ رہ کہ ہم فرماں بردار ہیں۔''

یہ الفاظ بتاتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ماننے والے مسلمان ہی تھے۔ اسی طرح سورۃ آلِ عمران سورۃ نمبر 3 آیت نمبر 67 میں ارشاد ہوتا ہے:

ترجمہ: ''ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے، نہ نصرانی (بلکہ) وہ حنیف (سب سے رُخ موڑ کر اللہ کے ہو جانے والے) مسلم (فرمانبردار) تھے اور وہ مشرکوں سے نہ تھے۔''

اسلام کے ماننے والے اس بات کے پابند ہیں کہ وہ خود کو مسلمان کہیں۔

اگر ایک شخص اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہے تو جب اس سے پوچھا جائے کہ تم کون ہو تو اسے جواب دینا چاہیے کہ میں مسلمان ہوں۔ اسے اپنے آپ کو حنفی اور شافعی وغیرہ نہیں کہنا چاہیے۔ قرآن کی سورۃ حٰم السجدہ سورۃ نمبر 41 آیت نمبر 33 میں ہے:

ترجمہ: ''اور اس سے بہترین کس کا قول ہے جو بلائے اللہ کی طرف اور اچھے عمل کرے اور کہے بے شک میں مسلمانوں میں سے ہوں۔''

دوسرے لفظوں میں آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ آیت یہ کہنے کا حکم دے رہی ہے کہ میں مسلمان ہوں۔ نبی ﷺ نے سات ہجری میں غیر مسلم بادشاہوں کو اسلام کی دعوت دینے کیلئے خطوط لکھوائے جن میں روم، شام اور حبش کے عیسائی حکمران شامل تھے۔ آپ نے سورۃ آلِ عمران کی آیت 64 کے الفاظ لکھوائے:

ترجمہ: ''گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔''

ہمیں آئمہ اسلام کا احترام کرنا چاہیے جن میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے آئمہ کرام شامل ہیں۔ یہ سارے کے سارے بڑے عالم اور فقیہہ تھے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ان کی تحقیق اور محنت کا اجر انہیں عطا فرمائے۔ اگر کوئی شخص حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ یا حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے عقائد ونظریات اور ان کی تحقیق سے متفق ہوتا ہے تو اس پر کسی کو معترض نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن جب کوئی آپ سے یہ پوچھتا ہے کہ تم کون ہو؟ تو اسے یہ جواب دینا

چاہیے کہ میں مسلمان ہوں۔ اور جیسا کہ بھائی نے قرآن کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ تہتر فرقے ہو جائیں گے۔ وہ قرآن کی آیت نہیں بلکہ ایک حدیث شریف ہے۔ جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، سنن ابوداؤد شریف کی حدیث 4579 میں ہے:

ترجمہ: ''مذہبِ اسلام بٹ جائے گا تہتر فرقوں میں، بہتر فرقے دوزخ میں جائیں گے اور ایک جنت میں جائے گا اور وہ الجماعۃ ہوگا۔''

لیکن اگر آپ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لفظوں پر غور کریں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''مذہبِ اسلام بٹ جائے گا''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہرگز یہ نہیں فرمایا کہ تمہیں مذہب کو بانٹنا چاہئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک پیش گوئی فرما رہے ہیں۔ اگرچہ فرمایا گیا ہے کہ ''بٹو مت''۔ لیکن مسلمان بٹنے ہی والے ہیں۔

ایک اور حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ترجمہ: ''تہتر فرقے ہو جائیں گے، اور سب جہنم میں جائیں گے سوائے ایک کے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پوچھا: کون سا ایک؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اُن کے صحابہ کے طریقے پر ہوگا، وہ جو قرآن اور صحیح حدیث پر عمل کرے گا''۔

(جامع ترمذی، حدیث نمبر 171)

تو اگر کوئی قرآن اور حدیث پر عمل کرتا ہے وہ بالکل صحیح راستے پر ہے۔

اسلام فرقوں پر قطعی یقین نہیں رکھتا۔ ہر وہ شخص ایک مسلم ہے جو قرآن اور صحیح حدیث پر عمل کرتا ہے۔ اور اسلام مذہب کے بانٹنے، فرقے اور گروہ بنانے والوں کے خلاف ہے۔ تو اگر آپ قرآن اور صحیح حدیث پڑھیں تو مسلمانوں کو ایک ہونا چاہئے۔ مسلمان قرآن ہی کو سمجھ کر اس کا مطالعہ کریں اور صحیح حدیث پر عمل کریں تو انشاء اللہ سب اختلافات ختم ہو جائیں گے اور مسلمان ایک متحد اُمت بن جائیں گے۔

اُمید ہے کہ یہ سوال کا جواب ہوا۔

سوال: میں ایک ریٹائرڈ ٹیچر ہوں۔ میرا نام لکشمن ڈوگراس گروجی ہے۔

میرا سوال ہے کہ عالمی بھائی چارے کو پھیلانے کیلئے صحیح طریقۂ کار کیا ہے؟ اُس کیلئے ہمیں کس پہلو پر زیادہ زور دینا چاہئے؟ مذہب کو؟ سماجیات کو؟ یا سیاسیات کو؟ کیا آپ مہربانی فرما کر اس پر روشنی ڈالیں گے؟

ڈاکٹر ذاکر نائیک:

بھائی نے سوال پوچھا کہ عالمی بھائی چارے کو پھیلانے کیلئے کسے ترجیح دینی ہے؟ مذہب کو؟ سماجیات کو؟ یا سیاسیات کو؟

بھائی! میں اِس پورے موضوع پر ایک تقریر کر چکا ہوں۔ مجھے اُسے دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میرا جواب وہی ہو گا۔ عالمی بھائی چارے کو پھیلانے کیلئے ترجیح تمام مذاہب میں ہے۔ وہ یہ کہ ایک خدا کو مانا جائے اور اُس ایک اکیلے کی عبادت کی جائے۔ اور یہی بنیادی ترجیح ہے۔ میں نے اِس تقریر میں بار بار یہ دہرایا ہے، میں نے بہت سے

سوالوں کے جوابات میں بھی یہ دہرایا ہے اور میں اسے پھر سے دہراتا ہوں کہ ساجیات یا سیاسیات بنیادی ترجیح نہیں ہیں۔ یہ سب بعد میں آتی ہیں۔ سیاست سے متعلق بھائی چارہ محدود ہے۔ ساجیات سے متعلق بھائی چارہ بھی محدود ہے۔ ''ایک خدا کو ماننا'' یہ عالمی ہے۔ وہ ''ایک'' ہے جس نے تمام انسانوں کو پیدا کیا۔ چاہے مرد ہو یا عورت، چاہے گورا ہو یا کالا، چاہے امیر ہو یا غریب اگر ایک خدا کو مانتے ہیں اور اُسی کی عبادت کرتے ہیں تو تبھی یہ سب عالمی بھائی چارہ پائیں گے۔

اُمید ہے کہ سوال کا جواب ہوا۔

سوال: میرا نام پربھو ہے۔ تمام مذاہب بنیادی طور پر انسانوں کو اچھائی کی ہی تعلیم دیتے ہیں تو پھر کسی بھی مذہب کی پیروی کی جائے بات تو ایک ہی ہے۔ آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟

ڈاکٹر ذاکر نائیک:

سوال پوچھا گیا ہے کہ جب تمام مذاہب اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں تو پھر کسی بھی مذہب کی پیروی کی جائے بات تو ایک ہی ہے۔

میں آپ کے سوال کے پہلے حصے سے متفق ہوں کہ بنیادی طور پر تمام مذاہب انسانوں کو صحیح راستے پر چلنے اور برائی سے بچنے کی تلقین کرتے ہیں۔ مثلاً تمام مذاہب کہتے ہیں کہ تمہیں چوری نہیں کرنی چاہیے، تمہیں عورتوں کو تنگ نہیں کرنا چاہیے، اُن کا ریپ نہیں کرنا چاہیے، ہندوازم بھی یہی کہتا ہے، اسلام بھی یہی کہتا ہے، عیسائیت بھی یہی کہتی ہے، مگر اسلام اور دوسرے مذاہب میں فرق یہ ہے کہ اسلام ہمیں سیدھے راستے پر چلنے

اور اپنی انفرادی و اجتماعی زندگیوں کو برائی سے بچنے میں عملی راہنمائی مہیا کرتا ہے۔ اسلام فطرتِ انسانی اور معاشرتی مسائل کو سامنے رکھتا ہے۔ اسلام اصل میں خالق کائنات کی طرف سے راہنمائی ہے اس لئے اسلام کو دینِ فطرت کہا گیا ہے۔ اسلام اور دوسرے مذاہب میں جو بنیادی فرق ہے وہ چند امور سے واضح ہوتا ہے۔

تمام مذاہب یہ تعلیم دیتے ہیں کہ چوری اور لوٹ مار برا عمل ہے۔ اسلام بھی یہی کہتا ہے، پھر اسلام اور دوسرے مذاہب میں کیا فرق ہے؟ فرق یہ ہے کہ اسلام یہ بتانے کے ساتھ ساتھ کہ چوری اور لوٹ مار برا کام ہے وہ ایسا سماجی نظام بھی مہیا کرتا ہے جس میں لوگ لُوٹ مار نہیں کریں گے۔ جیسا کہ

☆ اسلام فلاحِ انسانی کیلئے زکوٰۃ کا نظام پیش کرتا ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ جس شخص کی مالی بچت حدِ نصاب پچاسی گرام یعنی ساڑھے سات تولہ سونا یا اس کی مالیت کو پہنچ جائے تو وہ اس میں سے ہر سال اڑھائی فیصد اللہ کی راہ میں تقسیم کرے۔ اگر ہر شخص پوری ایمانداری سے زکوٰۃ ادا کرتا رہے تو اِس دُنیا سے غربت کا خاتمہ ہو جائے گا جو کہ لوٹ مار کی اصل وجہ ہے۔

☆ اسلام چور کا ہاتھ کاٹنے کی سزا دیتا ہے جیسا کہ سورۃ مائدہ، سورہ نمبر 5، آیت نمبر 38 میں ہے کہ

ترجمہ: ''چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹ دو، یہ اللہ کی طرف سے ان کی سزا ہے۔''

اس سزا پر غیر مسلم یہ کہہ سکتے ہیں کہ بیسویں صدی میں ہاتھ کاٹنے کی سزا؟

اسلام تو ایک ظالمانہ اور وحشیانہ مذہب ہے۔ لیکن ایسا کہنا حقیقت کے برعکس ہے۔ امریکہ کو اس وقت دنیا میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ ملک سمجھا جاتا ہے۔ بدقسمتی سے وہاں اس جرم کی شرح سب سے زیادہ ہے۔ فرض کریں امریکہ میں اسلامی قانون نافذ کر دیا جائے اور ہر شخص زکوٰۃ ادا کرتا ہو اور ہر چور کی سزا ہاتھ کاٹنا ہو تو کیا امریکہ میں چوری اور ڈکیتی کا جرم بڑھے گا، کم ہو گا یا اتنا ہی رہے گا؟ یقیناً یہ کم ہو گا اور اس قانون سے چوروں کو جرم سے روکنے میں مدد ملے گی۔ میں اس بات سے متفق ہوں کہ اس وقت دُنیا میں لوٹ مار کرنے والوں کی تعداد کافی زیادہ ہے اور اگر ہاتھ کاٹنے کی سزا نافذ کر دی جائے تو لاکھوں لوگوں کے ہاتھ کٹیں گے۔ مگر یہ پوائنٹ ذہن میں رکھیں کہ جیسے ہی آپ اس قانون کو نافذ کریں گے لوٹ مار کی شرح فوراً کم ہو جائے گی۔ ہاں اس سے پہلے نظامِ زکوٰۃ کو نافذ کرنا اور معاشرے میں صدقہ وخیرات اور اللہ کی راہ میں مال کو خرچ کرنے اور غریبوں کی مدد کرنے کا جذبہ موجود ہو اور اس کے بعد ان سزاؤں کا نظام لاگو ہو تو چوری کرنے والا اس جرم سے پہلے سو بار سوچے گا کہ وہ ایسا خطرہ مول لے رہا ہے۔ سخت سزا کا خوف جس سے دوسروں کو بھی عبرت حاصل ہو لوٹ مار کی حوصلہ شکنی کرے گا اور بہت کم لوگ اس جرم کا ارتکاب کریں گے اور صرف چند لوگ جو عادی مجرم ہوں گے ان کے ہی ہاتھ کاٹے جائیں گے اور لوگ لوٹ مار کے خوف سے بے نیاز پُر سکون زندگی گزاریں گے۔

تمام بڑے مذاہب عورتوں کو تنگ کرنے اور ان کی عزت کو پامال کرنے کو

سنگین جرم قرار دیتے ہیں۔ اسلام بھی یہی تعلیم دیتا ہے۔ پھر اسلام اور دوسرے مذاہب میں کیا فرق ہے؟ فرق یہ ہے کہ اسلام صرف عورتوں کے احترام کا ہی حکم نہیں دیتا اور ان کو تنگ کرنے اور ان کی عزت کو پامال کرنے جیسے سنگین جرائم سے نفرت ہی نہیں کرتا بلکہ اس بات کی بھی پوری راہنمائی کرتا ہے کہ معاشرے سے ایسے جرائم کا خاتمہ کیسے کیا جاسکتا ہے مثلاً اسلام میں حجاب کا بہترین نظام موجود ہے۔ قرآن پہلے مردوں کو حجاب کا حکم دیتا ہے جیسا کہ سورۃ نور میں ہے کہ

ترجمہ: ”اے نبی (ﷺ)! مومن مردوں سے فرما دو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کیلئے زیادہ ستھرا ہے، بے شک اللہ اس سے باخبر ہے جو وہ کرتے ہیں۔“

(سورہ نور، سورۃ نمبر 24، آیت 30)

جب بھی ایک مرد عورت کو دیکھتا ہے اور کوئی گندا اور بے شرمی کا خیال اُس کے ذہن میں آتا ہے تو اُسے اپنی نظریں جھکا لینی چاہئیں۔

ایک بار میں نے اپنے مسلم دوست کو ایک لڑکی کو گھورتے دیکھا۔ میں نے اُس سے پوچھا:

بھائی! آپ کیا کر رہے ہیں؟ کسی لڑکی کو گھورنا اسلام میں منع ہے۔

تو اُس نے مجھ سے کہا:

ہمارے پیارے نبی ﷺ نے فرمایا کہ پہلی نظر جائز ہے جبکہ دوسری ناجائز۔ میں نے تو ابھی تک آدھی نظر بھی پوری نہیں کی۔

اَب نبی ﷺ کی اس بات کا کیا مطلب لیا اُس نے کہ پہلی نظر جائز ہے دوسری ناجائز......

آپ ﷺ کا مطلب یہ ہرگز نہیں تھا کہ تم مسلسل کسی عورت کو بغیر پلکیں جھپکائے بیس منٹ تک گھور سکتے ہو۔ نبی ﷺ کا یہ مطلب تھا کہ اگر آپ بے خبری میں کسی عورت کو دیکھتے ہیں تو جان بوجھ کر اُس عورت کو دوبارہ مت دیکھو۔ اُس کا لطف مت اُٹھاؤ۔ نبی ﷺ کا یہ مطلب تھا۔

اسی طرح عورتوں کے حجاب کا ذکر سورۃ نور سورۃ نمبر 24 آیت نمبر 31 میں ہے کہ

ترجمہ: ''اے نبی (ﷺ)! آپ فرما دیں مومن عورتوں کو کہ وہ نیچی رکھیں اپنی نگاہیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت (کے مقامات) کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو کہ ظاہر ہونا ناگزیر ہے اور وہ اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں پر ڈالے رہیں اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں مگر اپنے خاوندوں پر، یا اپنے باپ، یا اپنے خسر، یا اپنے بیٹوں، یا اپنے شوہر کے بیٹوں، یا اپنے بھائیوں پر، اپنے بھتیجوں پر، اپنے بھانجوں، یا اپنی مسلمان عورتوں، یا اپنی کنیزوں، یا وہ خدمت گار مرد جو غرض نہ رکھنے والے ہوں، یا وہ لڑکے جو ابھی واقف نہیں عورتوں کے پردے سے، اور وہ اپنے پاؤں (زمین پر) نہ ماریں کہ وہ جو اپنی عزت چھپائے ہوئے ہیں پہچان لی جائیں، اے ایمان والو! تم سب اللہ کے آگے توبہ کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔''

حجاب یہ ہے کہ سارا جسم ڈھکا ہوا ہو اور صرف چہرہ اور ہاتھ کھلے رکھے جائیں اور اگر عورتیں چاہیں تو وہ ان کو بھی ڈھانپ سکتی ہیں۔ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ چہرہ ڈھانپنا لازمی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حجاب کا حکم کیوں دیا ہے، اس کے بارے میں سورۃ احزاب، سورہ نمبر 33، آیت 59 میں ہے کہ

ترجمہ: "اے نبی (ﷺ)! اپنی بیبیوں اور اپنی بیٹیوں کو اور مومنوں کی عورتوں کو فرما دیں کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادریں ڈال لیا کریں، یہ ان کیلئے قریب تر ہے کہ ان کی پہچان ہو جائے اور انہیں نہ ستایا جائے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا نہایت مہربان ہے"۔

مثال کے طور پر فرض کریں، دو جڑواں بہنیں ہیں اور دونوں خوبصورت ہیں اور وہ ایک گلی میں جا رہی ہوں۔ ایک نے اسلامی حجاب پہنا ہوا ہو جبکہ دوسری منی سکرٹ میں ملبوس ہو۔ گلی کے کنارے پر ایک بدمعاش کھڑا ہے جو کسی لڑکی کو چھیڑنے کا منتظر ہے۔ وہ کس سے چھیڑ چھاڑ کرے گا؟ حجاب میں ملبوس لڑکی سے یا منی سکرٹ والی لڑکی سے؟ وہ لباس جو جسم کو چھپانے کی بجائے نمایاں کرتا ہو وہ مخالف جنس کو چھیڑ چھاڑ اور بد کاری کی دعوت دیتا ہے۔ اس لئے قرآن صحیح کہتا ہے کہ حجاب عورت کو اس سے محفوظ رکھتا ہے۔

اسلام عصمت دری کرنے والے کو سزائے موت دیتا ہے (زنا کی سزا رجم یعنی سنگسار کرنا اور کوڑے مارنا ہے)۔ غیر مسلم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اتنی بڑی سزا۔ بہت سے لوگ اسلام کو وحشیانہ اور ظالمانہ مذہب کہتے ہیں لیکن ایسا

نہیں ہے۔ میں نے بہت سے غیر مسلموں سے یہ پوچھا ہے کہ فرض کریں خدانخواستہ کوئی آپ کی بیوی، ماں یا بہن سے زیادتی کرتا ہے ان کی عزت پامال کرتا ہے اور تب آپ کو جج بنایا جائے اور مجرم کو آپ کے سامنے لایا جائے تو آپ اس کیلئے کون سی سزا تجویز کریں گے؟ سب نے جواب دیا: ''ہم اسے قتل کر دیں گے'' اور کچھ نے تو یہاں تک کہا کہ ہم اس پر اس وقت تک تشدد کرتے رہیں گے جب تک کہ اس کی جان نہ نکل جائے۔ اگر کوئی آپ کی بیوی، بیٹی، بہن یا ماں کی عصمت دری کرے تو آپ اسے قتل کرنا چاہیں گے مگر جب کسی اور کی بیوی، بیٹی، بہن یا ماں کے ساتھ کوئی ایسا کرے اور اسے سزا دی جا رہی ہو تو آپ اس سزا کو ظالمانہ اور وحشیانہ کیسے کہہ سکتے ہیں؟ کیا یہ دوہرا معیار نہیں ہے؟

امریکہ جو اس وقت دُنیا کا سب سے ترقی یافتہ ملک سمجھا جاتا ہے اس کے اندر 1990ء کی ایف بی آئی کی رپورٹ کے مطابق ریپ (عصمت دری) کے 102,555 مقدمات درج کیے گئے۔ ان مقدمات کے بارے میں کہا گیا کہ یہ صرف 16 فیصد مقدمات ہیں جو درج ہوئے یا ان کی رپورٹ کی گئی۔ 1990ء کے ان مقدمات کی صحیح تعداد جاننے کیلئے ان کو 100/16 یعنی 6.25 سے ضرب دیں تو یہ تعداد 640968 بنتی ہے۔ اگر اس تعداد کو سال کے دنوں پر تقسیم کیا جائے تو روزانہ کی شرح 1756 بنتی ہے۔ بعد میں ایک اور رپورٹ آئی جس کے مطابق اس سال اوسطاً 1900 واقعات روزانہ پیش آئے۔ امریکہ کے محکمہ انصاف کے نیشنل کرائم سروے بیورو کے مطابق 1996ء میں

307,000 واقعات کی رپورٹ کی گئی اور یہ تعداد اصل تعداد کا صرف 31 فیصد حصہ تھی۔ ان واقعات کی اصل تعداد 990,332 بنتی ہے جو دس لاکھ کے قریب قریب ہے۔ یعنی امریکہ میں اس سال ہر 32 سیکنڈ کے بعد آبروریزی کا ایک واقعہ پیش آیا۔ یعنی امریکی اب اس جرم میں مزید دلیر ہو گئے۔ 1990ء کی ایف بی آئی رپورٹ کے مطابق وہاں جتنے واقعات کی رپورٹ کی گئی ان میں صرف دس فیصد مجرم گرفتار کیے گئے جو کل تعداد کا 1.6 فیصد تھے۔ ان گرفتار لوگوں میں سے 50 فیصد مجرموں کو مقدمہ قائم ہونے کی نوبت آنے سے پہلے ہی رَہا کر دیا گیا۔ مطلب یہ کہ صرف 0.8 فیصد مجرموں کو مقدمات کا سامنا کرنا پڑا۔ آپ اس کو یوں سمجھ لیں کہ اگر ایک شخص 125 مرتبہ یہ جرم کرتا ہے تو اسے صرف ایک بار سزا ملنے کا امکان ہے۔ ایک دوسری رپورٹ کے مطابق 50 فیصد لوگ جن کو ان مقدمات کا سامنا کرنا پڑا انہیں ایک سال سے بھی کم قید کی سزا ہوئی۔ امریکی قانون میں اس جرم کی سزا سات سال قید ہے مگر پہلی دفعہ ایسا جرم کرنے والے کے ساتھ جج نرمی اختیار کرتا ہے۔ ذرا سوچیں کہ ایک شخص 125 دفعہ جرم کرتا ہے اور اس کے مجرم ٹھہرائے جانے کا ایک فیصد امکان ہوتا ہے اور اس میں بھی نصف مرتبہ جج نرمی کا رویہ اختیار کرتے ہوئے اسے ایک سال سے بھی کم مدت کی سزا دیتا ہے۔

فرض کریں امریکہ میں اسلامی شریعت کو نافذ کر دیا جائے۔ جب کوئی شخص کسی عورت کی طرف دیکھے تو اپنی نظروں کو نیچا کر لے اور ہر عورت

حجاب میں رہے اور اس کا سارا جسم سوائے ہاتھوں اور چہرے کے ڈھکا ہوا ہو۔ اس صورتِ حال میں کوئی کسی کی آبرو ریزی کرتا ہے اور مجرم کو شرعی سزا دی جاتی ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس طرح اس جرم کی شرح بڑھ جائے گی، وہی رہے گی یا کم ہو جائے گی؟ یقیناً کم ہو جائے گی اور یہ نفاذِ شریعتِ اسلامی کی برکت کا نتیجہ ہوگا۔ اسلام ایک بہترین نظامِ حیات ہے کیونکہ اس کی تعلیمات صرف نظریاتی نہیں بلکہ یہ انسانیت کو پیش آنے والے مسائل کا عملی حل بھی پیش کرتا ہے، اسی لئے اسلام انفرادی واجتماعی سطح پر بہترین نتائج حاصل کرتا ہے۔ اسلام ایک قابلِ عمل عالمگیر مذہب ہے جو کسی ایک قوم یا نسل تک محدود نہیں ہے اس لئے دوسرے مذاہب کے مقابلے میں صرف اسلام ہی ایک ایسا دین ہے جس کو اختیار کر کے انسان اپنی زندگی کے راستے کو سیدھا کر کے اپنی آخرت کی زندگی میں بھی کامیاب وکامران ہو سکتا ہے اور آخرت کی زندگی کی کامیابی ہی اصل میں حقیقی کامیابی ہے۔

اور کیا آپ جانتے ہیں کرائم بیورو کے مطابق انڈیا میں ہر 54 منٹ پر ریپ (زنا بالجبر) کا ایک کیس درج کیا جاتا ہے اور کوئی تعجب نہیں۔ اگر آپ نے پچھلے چند دِنوں کے اخبارات پڑھے ہوں۔ انڈین نیوز پیپرز کی سرخیوں میں یہ خبر چھپی تھی کہ ہندوستان کے ہوم منسٹر ''ایل کے ایڈوانی'' نے قانون میں ترمیم کیلئے سفارش کرتے ہوئے کہا کہ بلاتکار (زنا بالجبر) کرنے والے کیلئے سزائے موت ہونی چاہئے۔ یہ خبر 27 اکتوبر 1998 بروز منگل Times of India کی سرخیوں میں چھپی تھی۔ ایل کے

ایڈوانی صاحب زانی کیلئے سزائے موت چاہتے ہیں۔ الحمد للہ! ......

......اسلام نے جو قانون چودہ سو سال پہلے تجویز کیا تھا، ایل کے ایڈوانی صاحب وہی آج کہہ رہے ہیں۔ اور اس کیلئے میں اُنہیں مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ میں کسی سیاسی پارٹی کو بڑھاوا دینے کیلئے نہیں کہہ رہا۔ میں کوئی سیاستدان نہیں ہوں۔ لیکن اگر کوئی سچ کہتا ہے تو مجھے اُس کی تعریف کرنا ہوگی اور اگر آپ اس قانون کو لاگو کرتے ہیں تو یقیناً ریپ (زنا بالجبر) کی شرح کم ہوگی۔ ممکن ہے کہ اگلے ہوم منسٹر یہاں اسلامی حجاب لاگو کر دیں تو انشاء اللہ العزیز ریپ پوری طرح سے بند ہو جائیں گے۔ کوئی جو اسلام کے قریب آئے گا میں اُسے اس کی داد دوں گا۔ جیسا کہ قرآن میں ہے کہ ایسی انصاف والی باتوں کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں یکساں ہیں۔ جناب ایل کے ایڈوانی صاحب نے محسوس کیا کہ ہندوستان میں ریپ (زنا بالجبر) بڑھ گئے ہیں اور اُنہوں نے صحیح سفارش کی کہ زانی کیلئے قانون میں ترمیم ہونی چاہئے اور سزائے موت طے ہونی چاہئے اور میں اس کے حق میں ہوں۔ میں اس کی حمایت میں پہلا ہندوستانی ہوں۔ تو اگر آپ غور کریں کہ اسلام اچھی باتیں بولنے کے علاوہ آپ کو اچھائی کا راستہ دکھاتا ہے۔ اسلئے میں کہتا ہوں کہ اسلام دوسرے مذاہب سے مختلف ہے، جو اچھی باتیں بتاتا ہے۔ یہ دِکھاتا ہے کہ اچھائی کیسے حاصل کی جائے۔ اسلئے اگر مجھے کسی مذہب کو ماننا ہے تو میں ایک ایسے مذہب کو مانوں گا جو اچھی باتیں بتاتا ہے اور آپ کو راستہ دکھاتا ہے کہ کیسے اچھی باتیں حاصل کی جائیں۔ اسلئے قرآن مجید میں

بالکل ٹھیک کہا گیا ہے کہ

ترجمہ: ''بیشک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے''۔

(سورۃ آلِ عمران، سورۃ نمبر 3، آیت نمبر 19)

سوال: میرا نام منوج رانچہ ہے۔ میرا سوال ہے کہ آپ بات تو عالمی بھائی چارے کی کر رہے ہیں جیسا کہ آپ کی تقریر کا عنوان بھی عالمی بھائی چارہ ہے لیکن آپ بات صرف اسلام کی کر رہے ہیں۔ عالمی بھائی چارے کا مطلب تو دُنیا کے کسی بھی مذہب کیلئے بھائی چارہ ہوتا ہے۔ پھر آپ نے جو تقریر کا عنوان رکھا ہے ''عالمی بھائی چارہ'' اُس کی بجائے ''مسلم بھائی چارہ'' کہنا ٹھیک ہوگا۔

ڈاکٹر ذاکر نائیک:

بھائی صاحب نے سوال پوچھا کہ میں عالمی بھائی چارے کے نام پر اسلام کو بڑھاوا دے رہا ہوں۔ فرض کریں کہ میں کپڑوں کی کوالٹی کی جانکاری میں ماہر ہوں۔ اور میں آپ کے سامنے کسی خاص کمپنی مثلاً Rymonds کی تعریف کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ Rymonds کا کپڑا انتہائی بہترین ہے اور آپ کو Rymonds کے کپڑے ہی پہننے چاہئیں، تو یہ ایک حقیقت ہے کہ یہ ایک اچھی کمپنی ہے۔ اگر تقریر کا عنوان ہے کہ ''بہترین کپڑا کون سا ہے؟'' تو مجھے Rymonds یا کسی اچھی کمپنی کے بارے میں ہی کہنا ہوگا۔ میں Rymonds کا کوئی ڈیلر نہیں، میں صرف ایک مثال دے رہا ہوں۔

اسی طرح اگر میں تقریر کروں کہ ''دُنیا میں بہترین ڈاکٹر کون ہے؟'' اور

اگر مجھے کسی شخص کا نام لینا ہے، اور اگر وہ بہترین ڈاکٹر ہے تو میں اُسے بڑھاوا دوں گا۔ ظاہری سی بات ہے۔ تو اسی طرح میں آپ کو بتا رہا ہوں کہ اسلام ہی وہ دین ہے جو عالمی بھائی چارے کو فروغ دیتا ہے بلکہ عملی طور پر اس کے حصول کو بھی ممکن بناتا ہے۔

رہی یہ بات کے عالمی بھائی چارے میں کیا آپ مسلم اور غیر مسلم کو بھائی کہہ سکتے ہیں؟ یا صرف مسلمان کو ہی؟

اسلام کا عالمی بھائی چارہ ہے کہ تمام انسان تمہارے بھائی ہیں۔ میں نے اپنی تقریر میں یہ بات بالکل صاف کہی۔ میں لفظوں کو اُلجھا نہیں رہا۔ میں بہت واضح بیان کر رہا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ میری کہی ہوئی یہ باتیں آپ کے کانوں میں نہ پڑی ہوں۔ میں نے اپنی تقریر سورۃ الحجرات سے شروع کی تھی:

ترجمہ: ''اے لوگو! بے شک ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہاری ذاتیں اور قبیلے بنائے تا کہ ایک دوسرے کو پہچانو، اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو بلا شبہ اللہ خوب جاننے والا باخبر ہے''۔

(سورۃ حجرات، سورۃ نمبر 49، آیت نمبر 13)

عالمی بھائی چارے میں ہر انسان شامل ہے۔ لیکن اُسے باعمل ہونا چاہیے، تقویٰ پر ہونا چاہیے۔ مثال کے طور پر میرے دو بھائی ہیں۔ ایک اچھا انسان ہے، ڈاکٹر ہے جبکہ دوسرا بھائی شرابی اور زانی ہے، ایک برا اِنسان ہے۔ دونوں میرے بھائی ہیں۔ کونسا بھائی اچھا ہے؟ ایک بھائی

جو ڈاکٹر ہے، لوگوں کا علاج کرتا ہے، سماج کے نقصان کی وجہ نہیں بنتا جبکہ دوسرا بھی میرا بھائی ہے لیکن اچھا انسان نہیں ہے۔ اسی طرح سارے انسان میرے بھائی ہیں۔ لیکن جن کے پاس تقویٰ ہے، جن کے پاس دین داری ہے، جن کے پاس نیکیاں ہیں، جن کے پاس خدا ترسی ہے، وہی میرے قریب ہیں۔ یہ بات بہت واضح ہے۔ میں نے اپنی تقریر میں بھی کہا اور پھر سے دہرایا۔

اُمید ہے کہ سوال کا جواب ہوا۔

سوال: (منوج رانچہ) آپ نے ہندوازم، اسلام اور عیسائیت میں فرق بتایا۔ ان تینوں مذاہب میں بھائی چارے کیلئے اچھی باتیں ہیں۔ آپ نے ہندوازم اور عیسائیت میں بھائی چارہ نہیں بتایا؟

ڈاکٹر ذاکر نائیک:

جناب نے کہا کہ میں نے اسلام کے نقطۂ نگاہ سے عالمی بھائی چارے پر اچھی باتیں کیں لیکن ہندوازم اور عیسائیت میں عالمی بھائی چارے پر کوئی بات نہیں کی۔ میں نے عالمی بھائی چارے پر یقیناً کچھ اچھی باتیں کی ہیں لیکن ہندوازم اور عیسائیت کے نقطۂ نگاہ سے سب کچھ نہیں کہا کیونکہ یہاں پر بیٹھے کچھ لوگ وہ باتیں ہضم نہ کر پائیں گے۔ وہ باتیں جو لوگ ہضم نہ کر سکیں مجھے کہنے سے دریغ کرنا چاہئے۔

میں عیسائیت کے بارے میں جانتا ہوں۔ میں نے بائبل پڑھی ہے۔ میں نے ہندوؤں کی کتب بھی پڑھی ہیں۔ میں یہاں پر اُن پر گفتگو نہیں کرنا چاہتا، میں یہاں پھوٹ ڈالنے کیلئے نہیں آیا۔ میں یہاں یکسانیت کے

بارے میں بات کرنے کیلئے آیا ہوں۔ تو جو یکساں ہے وہ میں نے اپنی تقریر میں واضح بتایا۔ ہندوازم کہتا ہے چوری مت کرو، عیسائیت کہتی ہے چوری مت کرو، عورتوں سے چھیڑ چھاڑ مت کرو، کسی کا ریپ مت کرو وغیرہ۔ بھائی چارے پر دوسری باتوں پر میں کوئی بات نہیں کرتا۔ میں ایک مثال پیش کرنا چاہوں گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے حواریوں سے فرماتے ہیں کہ

ترجمہ: ''تم Gentiles کی طرف نہ جانا، بلکہ تم اسرائیلی گھرانوں کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی طرف جانا''۔

(گوسپل آف میتھیو، باب نمبر 10، آیت نمبر 5 تا 6)

Gentiles سے مراد ہے غیر یہودی۔ یہود کے علاوہ چاہے وہ مسلم ہوں، ہندو ہوں، کرسچین ہوں، انہیں Gentiles کہتے ہیں۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

ترجمہ: ''میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا''۔

(گوسپل آف میتھیو، باب نمبر 15، آیت نمبر 24)

تو اس کا مطلب ہے کہ یہ مذہب صرف یہودیوں کیلئے ہے، سارے عالم کیلئے نہیں۔ دوسرے مذاہب میں رہبانیت کا تصور موجود ہے۔ رہبانیت کا مطلب ہے کہ اگر آپ کو خدا کے قریب آنا ہے تو آپ کو دُنیا چھوڑنی ہوگی۔ بڑے مذاہب میں یہ تصور موجود ہے۔ ہندوازم یہ کہتا ہے، عیسائیت بھی یہی کہتی ہے کہ خدا کے قریب آنے کیلئے دُنیا ترک کرنا ہوگی

جبکہ قرآن سورۃ حدید، سورۃ نمبر 57، آیت نمبر 27 میں فرماتا ہے:

ترجمہ: ''پھر ہم نے ان کے نقشِ قدم پر اپنے اور رسولوں کو بھیجا اور حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) ابن مریم کو بھیجا تو انہیں انجیل عطا فرمائی اور ان کی اتباع کرنے والوں کے دِلوں میں شفقت نرمی اور محبت ڈال دی، رہا رہبانیت (ترکِ دُنیا) تو انہوں نے اسے ازخود ہی اپنا لیا تھا، ہم نے ان پر رہبانیت کو فرض نہیں کیا تھا مگر یہ کہ تلاش کریں اللہ کی رضا لیکن نہ خیال رکھا اُنہوں نے اس کا جیسا کہ خیال رکھنے کا حق تھا۔ پھر عطا کیا ہم نے ان لوگوں کو جو ایمان لائے تھے، ہم نے انہیں ان کا اجر عطا کر دیا اور ان میں سے بہت سے لوگ فاسق ہیں''۔

اسلام میں رہبانیت کی قطعی اجازت نہیں ہے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی یہی فرمان ہے کہ کوئی رہبانیت نہیں ہے اسلام میں۔ جیسا کہ صحیح بخاری جلد نمبر 7، کتاب النکاح، باب نمبر 3، حدیث نمبر 4 میں آیا ہے:

ترجمہ: ''اے نوجوان لوگو! جس کے پاس شادی کے ذرائع ہیں اُسے شادی ضرور کرنی چاہیے''۔

حدیث یہ کہتی ہے۔ اگر میں مان لوں کہ آپ دُنیا چھوڑ کر خدائے برتر کے قریب آ جاتے ہیں اور اگر آج ہر انسان دُنیا ترک کر دیتا ہے تو سو سے ایک سو پچاس سال کے عرصے میں ایک انسان بھی اس دُنیا میں زندہ نہیں بچے گا۔ اگر دُنیا میں ہر کوئی اس قانون پر عمل کرے تو مجھے بتایئے! عالمی

بھائی چارہ کہاں گیا؟ اس لئے جناب! میں یہاں پر اچھے پہلوؤں پر بات کرنے آیا ہوں، اگرچہ آپ دوسرے مذاہب کے بارے میں علم حاصل کرنا چاہتے ہیں تو یہ میرا کام ہے، مجھے سچ بولنا ہوگا۔

قرآن سورۃ بنی اسرائیل میں فرماتا ہے:

ترجمہ: ''کہہ دو حق آچکا ہے اور باطل ختم ہو گیا، اور باطل کو ختم ہونا ہی تھا''۔

(سورۃ بنی اسرائیل، سورۃ نمبر 17، آیت نمبر 81)

اُمید ہے کہ یہ سوال کا جواب ہوا۔

.......☆.......☆.......

زاویۂ نگاہ

(...... حرفِ آخر ......)

قارئین محترم!

جناب ڈاکٹر ذاکر نائیک کی کتاب ''خطباتِ ڈاکٹر ذاکر نائیک'' آپ کی نظروں سے گزر چکی ہے اور آپ کی پذیرائی اور حوصلہ افزائی کی بدولت خطباتِ ڈاکٹر ذاکر نائیک کا پارٹ 2 ''دین دلیل کے ساتھ!'' آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس کتاب میں جناب ڈاکٹر ذاکر نائیک کے ان خطبات کو شامل کیا گیا ہے جن میں آپ نے امن اور خصوصاً بین الاقوامی امن کے حوالے سے اسلام کا نقطۂ نظر اور عالمگیر پیام دیا ہے اور میڈیا کے منفی پروپیگنڈے کی سختی سے تردید کرتے ہوئے مسکت دلائل و براہین کے ساتھ اسلام سے منسوب غلط فہمیوں کا ازالہ کیا ہے۔ اُمید ہے گزشتہ کتاب کی طرح یہ کتاب بھی آپ کو پسند آئے گی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آفاقی پیام کو دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچانا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ بہت سے لوگ اس فرض کو ادا کر رہے ہیں اور بہت سے اس فرض کو فراموش

کیے ہوئے ہیں۔ آئی آر ایف (اسلامک ریسرچ فاؤنڈیشن) ممبئی کے پلیٹ فارم سے ڈاکٹر ذاکر نائیک نے اس حوالے سے اہم خدمات سرانجام دی ہیں۔ اسلامک ریسرچ فاؤنڈیشن کے تحت انہوں نے نہ صرف مسلمانوں کو احساسِ ذمہ داری دلایا بلکہ غیر مسلم مفکرین اور عام افراد کو نئے فکری زاویے دیئے۔ انہوں نے اجتماعات میں بڑے دبنگ لہجے میں کہا کہ جو سوال پوچھنا ہے پوچھ لو۔ اسلام کے بارے میں جو غلط فہمی تمہارے دل و دماغ کو پریشان کر رہی ہے بتاؤ، میں اس کا جواب دوں گا۔

انہوں نے واضح انداز میں بتایا کہ نہ تو اسلام تلوار کے زور پر پھیلا تھا اور نہ کسی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور ہی کیا گیا تھا۔ نیز مسلمانوں نے کسی ملک، کسی قوم پر جنگ مسلط نہیں کی بلکہ انہوں نے ہتھیار اس وقت اُٹھائے جب انہیں جنگ پر مجبور کر دیا گیا۔ نبی کریم ﷺ مکہ میں کفار کے مظالم اور مصائب برداشت کرتے رہے مگر انہوں نے جنگی حکمتِ عملی نہیں اپنائی۔ مدینہ میں تشریف لے گئے تو جب تک انہیں جنگ پر مجبور نہ کر دیا گیا مسلمانوں کو ہتھیار اٹھانے کی اجازت نہ دی۔ اس کے بعد تاریخِ اسلام گواہ ہے کہ مسلمانوں نے امن چاہنے والوں کو امن دیا اور جنگ کرنے والوں اور امن کے دشمنوں کے خلاف جنگ کی۔

یہ خطاب ''دہشت گردی اور مسلمان'' (IS TERRORISM A MUSLIM MONOPOLY) کے عنوان سے گاندھی مارکیٹ کے عقب میں Shanmukhananda ہال میں گیارہ ستمبر 2006ء بروز پیر بوقت 7:15 پر پیش کیا گیا۔ اس تقریب کے مہمانِ خصوصی جسٹس ہاسبٹ سریش Hosbet Suresh (سابق جج ہائی کورٹ بمبئی اور انسانی حقوق کے علمبردار) تھے۔

موضوع اور موجودہ حالات کے مطابق یہ ایک نہایت ہی مؤثر خطاب ہے اور تمام تر طبقوں میں اسے خاصی پذیرائی حاصل ہوئی۔ یہی خطاب جناب ڈاکٹر ذاکر نائیک نے اسی ماہ کے آخر میں جدہ میں بھی پیش کیا۔ انہوں نے تاریخی ریکارڈ سے ثابت کیا کہ

بیسویں اور اکیسویں صدی میں ہونے والے دہشت گردی کے واقعات میں غیر مسلم ملوث رہے ہیں اور مسلمانوں کو دہشت گرد قرار دینا ایک نام نہاد مفروضہ اور مغربی حکومتوں کی ایک چال اور میڈیا کی سازش ہے۔

انہوں کہا:

"Politics lies at the heart of labeling Muslims across the globe as perpetrators of terror acts"

جناب ڈاکٹر ذاکر نائیک نے دیگر مذہبی کتب اور قرآن پاک سے ثابت کیا کہ قتل و غارت کی اسلام میں قطعاً گنجائش نہیں۔ اسلام تو مذہبی رواداری کا پرچار کرتا ہے اور دوسروں کے مذہبی عقائد اور دیوتاؤں کو نہیں چھیڑتا جبکہ بائبل میں ہے کہ جو شخص اللہ کے سوا کسی کی عبادت کرتا ہوا سے مار ڈالا جائے۔

"It says in the Book of Numbers that whoever worships other than God should be killed".

لیکن اسلام میں ایسے نظریات وعقائد کا کوئی دخل نہیں اور اسلام نے کسی کو یہ مذہب اختیار کرنے کیلئے ہرگز مجبور نہیں کیا۔ اسلام اخلاقِ حسنہ، نیکی اور امن کا درس دیتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ جہاں تک ''کالی بھیڑوں'' کا تعلق ہے تو وہ ہر مذہب میں موجود ہیں اور انہی کو آگے لا کر میڈیا اپنی سازشوں کے تانے بانے بُنتا ہے۔ نیز ہر مذہب میں کالی بھیڑیں پائی جاتی ہیں اور میڈیا انہی لوگوں کو آگے لاتا رہتا ہے۔ یہ میڈیا کی سازش ہے اور لوگوں کو اسلام سے دُور کرنے کا طریقہ ہے۔

"In every religion there are black sheep and the media keep putting these people forward. This is a media conspiracy and a way of pushing people away from Islam".

لیکن مغربی میڈیا مذکورہ بالا تحریروں سے چشم پوشی کرتے ہوئے صرف اور صرف اسلام کو نشانہ بنانے پر تلا ہوا ہے۔

دہشت گردی کے حوالے سے انہوں نے کہا کہ کوئی بھی مذہب تشدد یا دہشت گردی کا درس نہیں دیتا اور اسلام تو ماخوذ ہی سلامتی اور امن سے ہے۔

"No religion encourages terrorist acts or violence. The word 'Islam' itself means 'Peace, obtained by submitting yourself to the Almighty'. Anyone, be it Muslim or non-Muslim, who kills an innocent Muslim or a non-Muslim, kills the entire humanity. However, Islam goes a step further to say that if one saves innocent lives, the whole of humanity is saved. Injustice is the root cause of terrorism..."

انہوں نے دیگر دہشت گرد تنظیموں کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ بہت سی غیر مسلم دہشت گرد تنظیمیں موجود ہیں جو نہ صرف خود اس طرح کی کارروائیاں کرتی ہیں بلکہ معصوم بچوں کو بھی دہشت گردی کی تربیت دیتی ہیں۔ انہوں نے کہا:

"Palestinians are called terrorists just because they are fighting to get their land back." By citing examples of LTTE (in Sri Lanka), IRA (in UK), Lord's Salvation Army, which trains the young children to conduct terrorist attacks, and many other non-Muslim terrorist outfits he further said that, the lives claimed by these outfits are more than the ones by the Muslim terrorists".

یہ دہشت گرد تنظیمیں بھارت میں بھی موجود ہیں لیکن میڈیا کا سارا فوکس صرف

مسلمانوں پر ہے۔

"Naxalites/Maoists across India and the LTTE in Sri Lanka were non- Muslim terror organisations, which had developed pan regional bases beyond national boundaries. Other such non-Muslim terror outfits included the United Liberation Front of Asom, National Democratic Front of Bodoland and All Tripura Tiger Force in the Northeast".

بین الاقوامی تناظر میں دہشت گردی پر روشنی ڈالتے ہوئے ڈاکٹر ذاکر نائیک نے جاپان کی ریڈ آرمی اور سپین کی غیر مسلم دہشت گرد تنظیموں کی نشاندہی کی۔ جاپانی ریڈ آرمی، لارڈز سالویشن آرم اور اسپین کی ETA بھی کو اپنی خصوصیات اور ساخت کے لحاظ سے غیر اسلامی تنظیمیں تہیں۔

"The Japanese Red Army, Lord's Salvation Army and the ETA in Spain were also non-Islamic in character and composition".

انہوں نے کہا کہ مسلمان ہی دہشت گردی کے ذمہ دار نہیں ہیں بلکہ دیگر لوگ بھی اس میں ملوث ہیں۔ پھر یہ بھی طے شدہ امر ہے کہ یورپی طاقتوں نے دیگر ممالک میں بعض مفاد پرست عناصر کو اپنی فرنٹ لائن میں رکھا ہے جن میں نام نہاد مسلمان بھی ہیں۔

"So nothing is more removed from truth as to suggest that Muslims have monopolized terrorism".

آئرش ریپبلکن آرمی کے حوالے سے آپ نے بتایا کہ یہ سو سال سے برطانیہ

کے خلاف تشدد کے حربے استعمال کرتی چلی آ رہی ہے۔

"Irish Republican Army, which was considered to be terrorist group, has a history of 100 years of violence against the British, but the British government doesn't seem to be scared about them as they are about radical Islamic groups."

اسلام تو کسی ایک فرد کے قتل کی اجازت نہیں دیتا تو سینکڑوں بے گناہوں کے خون سے ہاتھ رنگنے کی کس طرح تائید کر سکتا ہے۔

"Even a single killing by a Muslim is condemned by Islam, whatsoever the reasons."

اسلام کسی مسلمان کی طرف سے قتل کے ایک انفرادی فعل تک کی بھی مذمت کرتا ہے، چاہے وجہ کچھ بھی ہو۔

وہ میڈیا جو منفی سیاست کے حامل سیاستدانوں کے زیر اثر حقائق کی صحیح عکاسی نہیں کرتا اور سفید کو سیاہ اور سیاہ کو سفید کر کے بتاتا ہے مگر ذرا سی کوشش سے سچ اور جھوٹ میں فرق کیا جا سکتا ہے۔ سیاسی قوتوں کا آلۂ کار میڈیا تعصب کا شکار ہے اور سچ یا حقیقت کی عکاسی نہیں کرتا۔

"The media controlled by the political authorities is biased and does not portray the truth or reality."

اسلام دہشت گردی کی مذمت کرتا ہے اور کسی کو بھی قانون ہاتھ میں لینے کی اجازت نہیں دیتا۔

"Islam does not justify using wrong means to reach the right goals. People should not take the law in their hands."

ڈاکٹر ذاکر نائیک نے برملا کہا کہ دہشت گردی اسلامی حکمتِ عملی نہیں ہے بلکہ یہ سیاستدانوں کا حربہ ہے جو اقتدار حاصل کرنے یا قائم رکھنے کیلئے مخالفین کو کچلنے اور انہیں دہشت زدہ کرنے کیلئے اختیار کرتے ہیں۔ آج بھی تقسیم کرو اور حکومت کرو کی پالیسی پر عمل ہو رہا ہے۔

"India has seen maximum number of communal riots in recent years. Politicians have been using the 'Divide and Rule Policy' to secure their vote banks. However, the masses should not get instigated by them. Terrorism is a monopoly of politicians. People, regardless of their religion, wish to live harmonious lives, but politicians feed the feeling of hatred amongst them,"

آپ نے مسلم میڈیا اور چینلز سے کہا کہ وہ اس حوالے سے اپنا کردار ادا کریں اور مثبت اور سچی صحافت کو فروغ دیں۔

"We should learn how to turn the tables and convey the real meaning,"

انہوں نے مسلم تاجروں سے کہا کہ اگر وہ امریکی ڈالر کا بائیکاٹ کر دیں اور ان سے اپنے تجارتی تعلقات منقطع کر لیں تو صرف دو ہی برس میں امریکی معیشت کی عمارت زمین بوس ہو جائے گی۔

"Dr. Zakir called on Muslim businessmen across the world to boycott the US dollar and predicted that such a move would, within two years, see the end of the US as an economic superpower."

ڈاکٹر ذاکر نائیک نے برملا اظہار کیا کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ

درحقیقت تیل کے ذخائر پر قبضہ کرنے کی سازش ہے اور افغانستان اور عراق میں تباہی اور بربادی کے بعد اب ان کا اگلا نشانہ ایران ہے۔

"Having described the war on terror as an excuse to take control of Middle Eastern oil reserves, Dr. Zakir called on businessmen to boycott the dollar. "Former Malaysian Prime Minister Mahathir Mohamad has provided us with a strategy to stop the US, which is to target the US economy. The first thing we should do is to stop dealing in dollars... America is presently in debt, the dollar is in debt and half the finance of the country is in debt," he claimed."

انہوں نے کہا کہ اگر حکومتیں اس بائیکاٹ میں متامل ہوں تو ڈالر کے بائیکاٹ کیلئے ہر فرد کو انفرادی کردار ادا کرنا چاہیے اور اس ضمن میں انہوں نے یہ بھی کہا کہ ڈالر کی بجائے وقتی طور پر یورو کرنسی کو استعمال کیا جاسکتا ہے۔

"If governments were unwilling to boycott the dollar then businessmen and businesswomen should themselves individually boycott the currency and advised them to deal in riyals, dirhams, gold and euros.Use the euro as an alternative. The process of having an Islamic currency would take time and so we shouldn't wait for that," he said, adding, "Now if someone insists on dealing in dollars then make sure you change currency as soon as possible. When you change the currency then the banks will send the

dollars back to the US — within two years their economy will collapse. For us to achieve this, we need our businessmen to stop dealing in dollars. Once their economy collapses then their position as an economic superpower will end."

اس خطاب میں مسلمانوں پر لگائے گئے دہشت گردی کے الزام کی تردید کرتے ہوئے جناب ڈاکٹر ذاکر نائیک نے اس کے بنیادی اسباب اور وجوہات پر روشنی ڈالی ہے۔

اسلام دُنیا میں ہر قیمت پر امن قائم کرنے کا خواہاں ہے اور ایک فلاحی اور تعمیری معاشرے کی تعمیر کا تقاضا کرتا ہے کیونکہ امن کے بغیر فلاح انسانیت کا خواب دیکھنا خام خیالی کے سوا کچھ نہیں۔ اعلیٰ انسانی اقدار کے فروغ کیلئے قیام امن شرطِ اوّل ہے اور قیامِ امن کیلئے بنیادی شرط انصاف اور مساوات ہے۔

انسان کی روحانی اور انفرادی نشو ونما کا مکمل انحصار پُر امن فضا پر منحصر ہے۔ ایک اچھے اور اعلیٰ اوصاف کے معاشرے کی تشکیل صرف پُر امن ماحول میں ہی ممکن ہے۔ امن کی تباہی آئندہ نسلوں کی تباہی ہوتی ہے۔ تحقیقی اور تخلیقی کاموں کیلئے بھی امن ضروری ہے۔

سچ، دیانت داری، اخلاص، ہمدردی، نیکی، محبت اور محنت کا پیام بھی اسی وقت دیا جاسکتا ہے جب معاشرے میں امن قائم ہو۔

اسلام میانہ روی، توازن اور باہمی تعلقات کے فروغ پر اسی لئے زور دیتا ہے اور اُس کے مطابق Reconciliation is the best کا پیام تمام انسانوں کیلئے ہے۔

اسلام امن کے قیام کیلئے اجتماعی قربانی اور صبر و استقامت کا درس دیتا ہے۔

صبر و استقامت کی حکمتِ عملی کا جائزہ لینا ہو تو اس کیلئے صلح حدیبیہ کا واقعہ بیان کر دینا ہی کافی ہوگا جب حالات اور شرائط بظاہر مسلمانوں کے خلاف تھیں لیکن نبی کریم ﷺ نے انہیں قبول کیا اور اللہ نے مسلمانوں کو ان کے صبر و تحمل کا صلہ مکہ کی پُر امن فتح کی صورت میں دیا۔ صلح حدیبیہ جنگ نہ کرنے کا معاہدہ تھا جس میں فریق مخالف کی تمام شرائط قبول کر لی گئی تھیں۔

معاشرے میں قیامِ امن کیلئے اسلام نے متعدد احکامات دیئے ہیں مثال کے طور پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ: ''مومن وہ ہے جس سے لوگ اپنی زندگیوں اور املاک کے بارے میں تحفظ محسوس کریں۔''

(جامع ترمذی)

اسی طرح بخاری شریف میں ایک حدیثِ مبارکہ درج ہے:

ترجمہ: ''خدا کی قسم وہ مومن نہیں جس کا ہمسایہ اس کی ایذا سے محفوظ نہ ہو۔''

(بخاری شریف)

اسلام امن کا پرچار نہایت شدت سے کرتا ہے اور اس کی سب سے بڑی مثال یہ ہے کہ جب مسلمان آپس میں ملتے ہیں تو السلام علیکم کا کلمہ خیر ادا کرتے ہیں یعنی تم پر سلامتی ہو اور دوسرا جواب میں یہی دعا کچھ اضافے کے ساتھ لوٹا دیتا ہے کہ تم پر سلامتی ہو، اللہ کی رحمت اور برکت ہو۔ فتوح الباری میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب دو اشخاص آمنے سامنے آئیں تو وہ ایک دوسرے کو سلام کریں خواہ ان کی آپس میں جان پہچان نہ بھی ہو۔ اس طرح اسلام ہر شخص کے دل میں امن کی خواہش بیدار کرتا ہے اور اسے بار بار امن اور سلامتی کا پیغام دیتا ہے۔ روزانہ کروڑوں مسلمان اس پیغام کا باہمی تبادلہ کرتے ہیں۔ ہر تقریب، ہر تقریر اور ہر ملاقات کا عنوان ''السلام علیکم'' ہے۔

سلامتی اور امن کا منبع ہر اہلِ ایمان کے دل کے اندر ہوتا ہے اور اس کا باطن امن کی پکار سے لبریز ہوتا ہے اور السلام علیکم یا آپ پر سلامتی ہو اس کا ظاہری اور خارجی اظہار ہوتا ہے۔

امن کی خواہش کا اظہار ہر مسلمان کے لبوں سے ہوتا ہے اور ایک مومن کے اندر امن کی خواہش کُوٹ کُوٹ کر بھری ہوتی ہے۔

اسلام ہر مومن کو امن کا سچا علمبردار اور خواہاں دیکھنا چاہتا ہے۔ امن کی کونپلیں اس کے دل سے پھوٹتی ہیں اور جب وہ دوسرے مسلمان بھائی سے ملتا ہے تو امن کے پھول السلام علیکم کی صورت میں اس کے منہ سے جلترنگ بجاتے ہوئے نکلتے ہیں۔

اسلام ابتدأ سے انتہا تک امن کا علمبردار ہے اور اس مذہب کی بنیاد ہی امن اور محبت ہے۔ اسلام پوری دنیا کیلئے ہے اور یہی وجہ ہے کہ یہ عالمی امن کا اعلان کرتا ہے اگر عالمی امن نہ ہو تو اسلام فلاح انسانی کے مقاصد حاصل نہیں کرسکتا۔ یہ تبھی ممکن ہے جب ہر سطح پر اور دنیا کے گوشے گوشے میں امن کی فضا ہو۔

امن کی شاہراہ پوری دنیا کیلئے ہے۔ یہ قانون فطرت ہے اور ہر انسان اسے بخوشی قبول کرتا ہے۔ قرآنِ پاک میں سورہ آل عمران، سورۃ نمبر 3، آیت نمبر 83 میں آتا ہے:

ترجمہ: ”کیا یہ اللہ کے دین کے علاوہ کوئی اور دین تلاش کررہے ہیں،
جب کہ زمین و آسمان میں ہر روح اس کی اطاعت قبول کرچکی
ہے، چاہیں یا نہ چاہیں لیکن سب کو اسی کی جانب لوٹنا ہے۔“

اگر ”امن“ کو مذہب کہا جائے تو یہ ہر انسان کا مذہب ہونا چاہیے کیونکہ پوری کائنات میں امن ہی کا بول بالا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں:

”زمین پر بھی اللہ کی مرضی چلے گی جیسا کہ آسمانوں پر ہے۔“

The will of the Lord may be done on earth as it is in heaven. (Matthew 6:10)

اسی طرح قرآنِ پاک کی سورۃ یٰسین، آیت نمبر 40 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''نہ سورج کی مجال کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات ہی دن سے سبقت لے جاسکتی ہے، اور سب اپنے دائروں میں گردش کرتے ہیں۔''

جب اللہ تعالیٰ نے ارض وسما کو تخلیق فرمایا تو مظاہر کو حکم دیا کہ وہ اپنے اپنے حصے کا کام نہایت امن سے کریں اور دوسروں سے نہ اُلجھیں۔ یہی وجہ ہے کہ کروڑوں سال سے کائنات اسی حکم کے مطابق انہی اصولوں پر چل رہی ہے اور اس میں کسی قسم کا خلل دیکھنے میں نہیں آرہا۔ چاند تاروں میں، دن رات میں موسموں میں مکمل ہم آہنگی ہے اور ہر چیز طے شدہ پروگرام کے مطابق رواں دواں ہے۔ لہٰذا امن کوئی خارجی چیز نہیں جو انسانی فطرت کے برعکس اس پر مسلط کردی گئی ہو بلکہ یہ وہ کائناتی اور ازلی چیز ہے جو اسے قدرتی طور پر ورثے میں ملتی ہے۔ امن کی خواہش ہر دل اور ہر دماغ میں موجود ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کائنات کو بھی امن کی بنیاد پر تخلیق فرمایا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ نظام کے مطابق چل رہی ہے۔

دُنیا میں ایسے انسان بھی موجود ہیں جو خدا کے وجود پر ہی یقین نہیں رکھتے اور جو ایسے ہیں انہیں قوانینِ فطرت وقدرت سے کیا سروکار ہوسکتا ہے اسی قبیل کے لوگ دنیا میں فساد کے مرتکب ہوتے ہیں۔

نظامِ قدرت ازل سے اسی طرح جاری ہے اور ابد تک جاری رہے گا۔ کوئی اس نظام کو تبدیل نہیں کرسکتا۔ سورج مقررہ مقام سے طلوع ہوتا رہے گا جب تک کہ اللہ تعالیٰ چاہے گا۔ قطبی تارے کے گرد سات تارے گھومتے رہیں گے جب تک کہ اللہ تعالیٰ کو منظور

ہوگا۔

یہ سچ ہے کہ انسانوں کو امن کی راہ پہ گامزن رکھنے کیلئے انسان کو ایسے عناصر سے دُور رکھنا ضروری ہے جو باعثِ فساد ہیں ان میں جھوٹ، بددیانتی، رشوت ستانی، چور بازاری، لُوٹ مار، سفارش، اقرباء پروری، ذخیرہ اندوزی، گرانی، ملاوٹ وغیرہ شامل ہیں۔قرآن میں آتا ہے:

ترجمہ: ''اور زمین میں فساد پیدا مت کرو کیونکہ اسے خاص نظام کے تحت تشکیل دیا گیا ہے''۔

(سورۃ الاعراف، سورۃ نمبر 7، آیت نمبر 85)

زمین پر امن وامان کی صورتِ حال کو برقرار رکھنے کیلئے اور اسے فطری قوانین کے مطابق چلانے کیلئے اسلام نے دو بنیادی باتوں پر زور دیا ہے۔

پہلی بات انفرادی طور پر ہے اور اس میں افراد کو صبر وتحمل کا درس دیا گیا ہے۔

دوسری بات معاشرے کی سطح پر ہے جس میں جارحیت اور تجاوز سے ممانعت کا حکم دیا گیا ہے۔

انفرادی انحراف سے معاشرے میں ہلچل اور بدامنی پیدا ہوتی ہے اور معاشرے کو تلخ تجربات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ منفی روّیوں سے تصادم جنم لیتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اسلام حتی المقدور صبر وتحمل کی تلقین کرتا ہے۔

قرآنِ پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

ترجمہ: ''یقیناً صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حساب پورا پورا دیا جائے گا۔''

(سورۃ الزمر 39، آیت نمبر 10)

صبر وتحمل کا بڑا انعام اور اجر بھی اسی وجہ سے ہے کہ یہ چیز قیامِ امن میں نہایت اہم ہے اور اسی بنا پر قرآنِ پاک میں صابر انسان کو اللہ کا معاون قرار دیا گیا ہے۔

امن کے قیام کو یقینی بنانے کیلئے اسلام نے جارحیت کی ہر قسم کی ممانعت کی ہے اور دوسروں پر جنگ مسلط کرنے کو غلط قرار دیا ہے۔ جنگ کی حمایت کسی طور پر نہیں ہے ماسوائے دفاعی جنگ کے۔ دفاعی جنگ کے علاوہ کسی جنگ کی اسلام میں اجازت نہیں ہے۔ جب ایک قوم دوسری قوم پر جارحیت کا ارتکاب کرتی ہے تو دوسری قوم کو اپنے دفاع کیلئے اور امن کی بقا کیلئے ہتھیار اٹھانا ہی پڑتے ہیں۔

اسلام ''امن کا مذہب'' اور ''امن کا علمبردار'' اور ''امن کا پیامبر'' ہے اور اس لفظ کا مادہ ''سلم'' ہے جس سے مراد ہے ''امن''۔

قرآن پاک میں ہے:

ترجمہ: ''اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے۔''

(سورۃ یونس، آیت نمبر 25)

اللہ تعالیٰ نے مردوں اور عورتوں کو معاشرے میں امن برقرار رکھنے کا حکم دیا ہے۔ نیز ہر مذہب اور اس کی کتاب میں امن ہی کی بات ہے اور ہر مذہب کی بنیاد امن پر ہے۔ ہم سب کو دنیا میں امن قائم کرنے کیلئے جدوجہد کرنی چاہیے اور اپنے اپنے حصے کا کردار ادا کرنا چاہیے کیونکہ دنیا کی خوشحالی اور انسانی ترقی و بقا کیلئے امن شرطِ اوّل ہے۔

قرآن پاک میں آتا ہے:

ترجمہ: ''اور اگر دشمن امن (صلح) کی طرف آئے تو تم بھی امن کی طرف آجاؤ۔''

(سورۃ الانفال، سورۃ نمبر 8، آیت نمبر 61)

اسلام ''سلامہ'' سے بھی ماخوذ ہے اور اسی وجہ سے السلام علیکم کے کلمے کو تعارفی اور اوّلیں کلمہ قرار دیا گیا ہے۔

The "root" of the word "Islam" in Arabic is SALAMA which is the origin of the words Peace & / or Submission, a

submission to God and peace to all humanity. It is, thus, no wonder why the salutation in Islam is: "Al-Salamu Alaikum or Peace on You."

لہٰذا مسلمان جب آپس میں یا دوسروں یعنی غیر مسلم سے بات کرتے ہیں تو ابتداہی امن اور سلامتی کے لفظ سے کرتے ہیں۔ یعنی پہلے امن پھر بات!

یہی وجہ ہے کہ جب دورانِ جنگ کوئی غیر مسلم ''امان'' کا لفظ پکارتا ہے تو اسے پورا تحفظ دیا جاتا ہے اور اس کی سلامتی کو یقینی بنایا جاتا ہے۔

اسلام میں کسی قسم کا جبر نہیں ہے جبکہ دیگر مذاہب میں ہے کہ جو ایک اللہ کو نہیں مانے گا اس کی سزا موت ہوگی جو ہمارا مذہب قبول نہیں کرے گا اسے امن نہیں ملے گا۔ لیکن اسلام اس طرح نہیں کرتا بلکہ ہر شخص کو اپنی آزادی اور خوشی سے فیصلہ کرنے کی اجازت دیتا ہے۔

قرآن پاک کی سورۃ بقرہ، سورۃ نمبر 2، آیت نمبر 256 میں ہے:

''اسلام میں کوئی جبر نہیں، سچائی ہر قسم کی غلطی سے مبرا ہوتی ہے۔''

اسی طرح دیگر کئی آیات میں بھی اللہ کا پیام پھیلانے کی ہدایت ہے۔

قرآن پاک کی سورۃ یونس، سورۃ نمبر 10، آیت نمبر 99 میں ہے:

ترجمہ: ''اور اگر تیرا رب چاہتا تو زمین میں سب لوگ مسلمان (ایمان والے) ہوتے، پس کیا تو لوگوں کو مجبور کرے گا؟ یہاں تک کہ وہ مومن ہو جائیں۔''

اس سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام کسی کو ایمان لانے پر مجبور نہیں کرتا اور اس کیلئے کوئی جبر نہیں کرتا۔

جہاں تک انصاف اور مساوات کا تعلق ہے تو جہاں مسلمان حاکم ہوں انہیں غیر مسلم افراد سے ہر معاملے میں انصاف، رواداری اور باہمی روابط اختیار کرنے

چاہئیں۔ باہمی ادب واحترام کوملحوظ رکھنا چاہیے۔

قرآن پاک کی سورۃ الممتحنہ، سورۃ نمبر 60، آیت نمبر 8 میں ہے:

ترجمہ: ''اللہ تمہیں منع نہیں کرتا کہ ان لوگوں کے ساتھ انصاف اور محبت سے نہ رہو جولوگ مذہب کے معاملے پر تم سے نہیں لڑتے اور تمہیں تمہارے گھروں سے بے دخل نہیں کرتے، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''

انصاف کے معاملے میں ایک اور بات کا تذکرہ ضروری ہے جس سے اسلام کی فراخدلی کا مظاہرہ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ایک شوہر کو اجازت ہے کہ وہ اگر چاہے تو اپنی بیوی کو مسجد میں جانے سے منع کرسکتا ہے لیکن اگر بیوی اہلِ کتاب (عیسائی یا یہودیہ) ہو تو اسے چرچ یا یہودیوں کی عبادت گاہ Synagogue میں جانے سے منع نہیں کرسکتا۔

جہاں تک جہاد کا تعلق ہے تو یہ لفظ ''جہدہ'' سے ماخوذ ہے اور اس کا مطلب ہے کسی کام کیلئے توانائی صرف کرنا، spent the energy ہے۔ جہاد کے اعمال اَن گنت ہیں، کام کاج، سکول جانا، والدین کی خدمت، دوسروں کی مدد حتیٰ کہ اپنے شریکِ حیات سے مباشرت کا فریضہ بھی اسی زمرے میں داخل ہے۔ جہاد کی سب سے بڑی صورت دشمنانِ اسلام کی جارحیت کا مقابلہ کرنا اور اللہ کی راہ میں جان دینا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاندان، اموال، اراضی کی ہر طرح سے حفاظت کا حکم دیا ہے۔ مغربی میڈیا جہاد کے تصور کو مسخ کر کے پیش کر رہا ہے اور اسے ایک جارحانہ فعل قرار دیتا ہے جبکہ مسلمان یا اسلام کی جنگ اپنے دفاع میں ہوتی ہے نہ کہ دوسروں کے مال واملاک یا سرزمین پر قبضہ کرنے کیلئے۔

اسلام کے اصول سادہ اور قابل عمل ہیں بین المسلمین جو تھوڑے بہت اختلافات اور ابہام تھے اب اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بتدریج دُور ہو رہے ہیں اور مسلمان فرقہ واریت کی مسموم فضا سے نکل کر وحدت المسلمین کے پلیٹ فارم پر متحد ہو رہ

ہے ہیں۔ قرآن وحدیث کی روشنی دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچ رہی ہے اور اس کیلئے اَن گنت علمائے کرام تن من اور دھن سے کوشاں ہیں۔ تبلیغ اسلام اور پیامِ قرآن کی عالمگیر دعوت اور عالمی مبلغینِ اسلام میں جناب ڈاکٹر ذاکر نائیک کا نام بھی خاصا نمایاں ہے اور وہ مبلغینِ اسلام کے ہراول دستے میں ہیں۔ پوری دنیا اور بالخصوص مسلم ممالک کے جید علماء اس وقت جہاں وحدت المسلمین کے لئے مصروفِ عمل ہیں وہیں عالمی بھائی چارے، امن اور مساوات کے لئے بھی جدوجہد کر رہے ہیں۔ وہ پوری دنیا کو امن انصاف اور مساوات کا گہوارہ دیکھنا چاہتے ہیں نیز اسلام کے حوالے سے پائی جانے والی غلط فہمیوں کو دُور کرنے کی بھرپور کوشش کر رہے ہیں۔

ہر فرد انفرادی اور اجتماعی سوچ کا حامل ہوتا ہے انفرادی طور پر کئی چیزوں میں ذاتی پسند اور ناپسند کو دخل ہو سکتا ہے لیکن اجتماعی سوچ مجموعی انسانیت کے مفاد میں ہونی چاہیے۔ جناب ڈاکٹر ذاکر نائیک نے اسلامی تعلیمات مسخ کر کے پیش کرنے والوں کی نشاندہی کی ہے۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلام کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا کرنے والوں کے آخر مقاصد ہیں کیا؟ یہ بات بالکل واضح ہے کہ استعماری طاقتیں اپنے غلبے اور اقتدار کے لئے ہر حربہ اور ہر ہتھکنڈہ اختیار کرتی ہیں۔

وسیع پروپیگنڈے سے اپنے مقرر کردہ اہداف حاصل کرنا شروع ہی سے ان کا وطیرہ رہا ہے۔ کبھی کسی مصنوعی کھوپڑی کے حوالے سے نسل پرستی کے الاؤ بھڑکا کر ترقی پذیر اور کم وسائل یافتہ انسانوں کو ان میں دھکیل دیا جاتا ہے اس مصنوعی کھوپڑی کا شاخسانہ کچھ یوں ہے کہ وہ کھوپڑی جسے وہ اپنے جدِّ امجد کی کھوپڑی قرار دے رہے تھے، درحقیقت ایک بن مانس اور ریچھ کے جبڑوں سے تیار کی گئی تھی، جس کی تصدیق حالیہ تحقیق سے ہو چکی ہے۔

کبھی انسانوں کے حقوق غصب کر لئے جاتے ہیں اور ان کے احتجاج کو دہشت گردی کا لقب دے دیا جاتا ہے اور پھر ایک طویل چکر چل پڑتا ہے۔ کبھی مظلومیت

کالبادہ اوڑھ کر انسانیت کے دامن کو پارہ پارہ کر دیا گیا اور کبھی اپنے اوپر ہونے والے مظالم کی آڑ میں لاشوں کی تجارت شروع کر دی۔

مصنوعی کھوپڑی کے بعد دنیا کا دوسرا سب سے بڑا پروپیگنڈا ہولوکاسٹ یعنی جرمنی میں یہود کے قتلِ عام کا ہے۔

قرآنِ حکیم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ خبر کی اچھی طرح تحقیق کرو اور پھر اسے آگے پھیلاؤ۔ اگر ہولوکاسٹ کے واقعہ کا تجزیہ کیا جائے تو بہت سے انکشافات ہو تے ہیں، جن میں چھ ملین یہودیوں کے بہیمانہ قتل کی دھندلائی ہوئی تصویر بالکل واضح ہو جاتی ہے، جس کی بنا پر آج تک اردن اور فلسطین کے مسلمانوں کو قتل کیا جا رہا ہے۔

جہاں تک سیاستدانوں یا سیاسی کرداروں کا تعلق ہے انھوں نے انسانوں کو اپنا محکوم اور معاشی غلام بنائے رکھنے کے لئے مختلف ہتھکنڈے اختیار کئے بلکہ بسا اوقات انھوں نے مظلومیت کا لبادہ اوڑھ کر عوام کے جذبات کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کیا۔ کہیں لسانی جھگڑے کھڑے کئے اور کہیں اعلیٰ وادنیٰ اقوام کے تصورات کو جنم دیا اس حوالے سے ایک مصنوعی کھوپڑی کا شاخسانہ بھی تراشا گیا جس سے ہزاروں بے گناہ انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

یہ بات اب ہر خاص وعام پر روزِ روشن کی طرح عیاں ہو چکی ہے کہ منفی سیاست کے علمبرداروں نے انسانیت کو پامال کرنے اور امن کی فضا کو تباہ کرنے سے کبھی دریغ نہیں کیا۔

اگر دُنیا میں انصاف قائم کر دیا جائے تو یہ قیامِ امن کا ضامن ہوگا۔ منصف کا ایک بڑا مقام اور بڑا کردار ہوتا ہے۔ منصف کیلئے محض کتابوں کو، قانون کی شقوں اور ماضی میں ہونے والے فیصلوں کو رٹ لینا ہی کافی نہیں ہوتا بلکہ اس میں اس کی اپنی بصیرت، ذاتی سوچ اور معاملہ فہمی بھی درکار رہتی ہے۔ آج شواہد وثبوت فراہم کرنے کی ساری ذمہ داری مظلوم پر ڈال دی جاتی ہے اور پھر عدالتی جرح کے دوران لفظی کلابازیوں

اور گواہوں کو ہراساں کر کے تیز و تند تنقید سے اپنی مرضی کے بیانات اخذ کر لئے جاتے ہیں۔

جیل خانے عقوبت گاہیں بن چکی ہیں اور یہاں بھی سیاستدانوں کے جال بچھے ہوئے ہیں۔ دنیا کے بیشتر ممالک کی جیلوں میں جوئے اور منشیات کا کاروبار عام بات بن چکی ہے۔ تنخواہ دار عملہ ملاقات کے لئے آنے والوں کی کھال نوچنے کے علاوہ قیدیوں کو بھی طرح طرح کے ٹیکسوں کی چکی میں پیس کر رکھ دیتا ہے۔ متمول قیدی آسائشوں میں رہتے ہیں اور نادار وہاں بھی ان کے محکوم بن جاتے ہیں۔ ٹیکس یا بھتہ نہ دینے والوں کو گھٹیا قسم کے کاموں پر لگا دیا جاتا ہے۔ یہ ساری صورتِ حال نظامِ انصاف کی خامیوں سے جنم لیتی ہے۔

فرعونیت کے اَدوار سے سامراجیت تک، ہر رنگ، ہر ڈھنگ میں یہی کوشش رہی کہ کس طرح عام لوگوں کو محکومیت کی زنجیریں پہنائی جائیں۔

یورپ اور امریکہ میں دہشت گردی کے سینکڑوں واقعات میں غیر مسلم ملوث پائے گئے ہیں مگر میڈیا کی توپوں کا رُخ صرف اور صرف مسلمانوں کی طرف ہے جہاں کہیں بھی ایسا کوئی واقعہ پیش آتا ہے سب سے پہلے مسلمانوں پر شک کا اظہار کیا جاتا ہے اور بڑی تندہی کے ساتھ ان واقعات کی کڑیاں مسلمانوں سے ملانے کی کوششیں شروع ہو جاتی ہیں۔ اس وقت دہشت گردی کا نشانہ سب سے زیادہ مسلمان بن رہے ہیں اور مسلمان ممالک کے اندر مغربی سپاہی Licence to kill کے اختیار کے ساتھ مسلمانوں کا خون بہا رہے ہیں۔ چند افراد کی کارروائی، دہشت گردی اور چند ہزار کی کارروائی دہشت گردی کے خلاف جنگ کہلاتی ہے۔

ہر مذہب میں ہر طرح کے انسان موجود ہوتے ہیں امن پسند اور صلح جو بھی ان میں ہوتے اور لڑائی بھڑائی کرنے والے بھی ہوتے ہیں۔ آپ نے پرانی فلموں میں دیکھا ہوگا کہ ننگ دھڑنگ ریڈ انڈینز جب اپنی سرزمین پر قبضے کے خلاف احتجاج کرتے ہیں تو

ان کے ایک تیر کو بغاوت قرار دیا جاتا ہے اور اس کے نتیجے میں انھیں جدید اسلحے اورتوپوں کی زد پر دھر لیا جاتا ہے۔ انہیں وحشی قرار دے کر وحشیانہ طریقے سے موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔ ایک منظم فوج کی اس کارروائی کو دفاعی یا جوابی حملے کا نام دیا جاتا ہے۔

جہاد سے عام طور پر جو معانی لئے جاتے ہیں وہ کفار سے جنگ ہے لیکن عربی لغات کے مطابق اس کا مطلب کوشش کرنا ہے۔ عیسائی اپنی مقدس جنگ کو صلیب سے منسلک کرتے ہیں۔ ویدک مذہب میں دھارمک یدھ یعنی Holy war کا ذکر ہے مگر اسلام میں Holy war یا حربِ مقدسہ کا ذکر نہیں ہے۔ اب جہاد بالمال بھی ہوتا ہے اور جہاد بالنفس بھی۔ اسلام میں مختلف کاموں کو جہادِ اصغر یا جہادِ اکبر کہا گیا ہے۔

منفی اور مثبت جہاد کی بھی بے شمار مثالیں ہیں۔

جہاد فی سبیل اللہ یعنی اللہ کی راہ میں جہاد احسن جہاد ہے!

جہاد فی سبیل الشیطان یعنی شیطانی کاموں کیلئے کوشش برا جہاد ہے!

جہاد ہمیشہ نیک اور فلاحی کاموں کے سلسلے میں ہونا چاہیے۔ جہاد بدی کے خلاف ہونا چاہیے۔ معاشرتی برائیوں کے خلاف جہاد ہونا چاہیے۔ طاغوتی طاقتوں کے خلاف، انسانوں کو محکوم بنانے والوں کے خلاف، استحصال کرنے والوں کے خلاف، قدرتی وسائل پر ناجائز قابضین کے خلاف جہاد ہونا چاہیے۔

بچوں کی بہترین تعلیم وتربیت، انسانوں کے روزگار، رہائش، صحت اور انصاف کے قیام کیلئے جہاد ہونا چاہیے۔

جہاد صرف تلوار پکڑ کر ہی نہیں ہوتا، صرف بندوق اور ٹینک سے ہی جہاد نہیں ہوتا بلکہ ہر نیک کوشش جہاد ہے۔ نادار مریضوں کو ادویات فراہم کرنا، بیواؤں اور یتیموں کی خبر گیری کرنا، مستحقین کی مدد کرنا، بے گھر افراد کو چھت مہیا کرنا، بھوکوں کو کھانا کھلانا بھی جہاد کے زمرے میں آتا ہے۔

یہ میڈیا بار بار اسی آیت کو ہدف تنقید بناتا ہے جس میں کفار کے قتل کا حکم ہے اور اس بات کو نظر انداز کر دیتا ہے کہ یہ بات میدان جنگ کیلئے ہے اور وہ بھی اس وقت جب غیر مسلم جارحیت کا ارتکاب کر کے مسلمانوں پر حملہ کرنے میں پہل کرتے ہیں۔

سورۃ بقرہ، سورۃ نمبر 2، آیات 190 تا 193 میں ہے:

ترجمہ: ''اور اللہ کی راہ میں لڑو، ان سے جو تم سے لڑتے ہیں لیکن حدود سے تجاوز نہ کرنا کیونکہ اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں فرماتا، اور جہاں انہیں پاؤ قتل کرو اور انہیں وہاں سے نکال باہر کرو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکال دیا تھا، فساد قتل سے بدترین ہے لیکن مسجد الحرام میں ان سے نہ لڑو جب تک کہ وہ خود لڑنے میں پہل نہ کریں۔ لیکن اگر وہ تم سے لڑیں تو انہیں قتل کرو، اسی طرح سزا ہے کافروں کی۔ پھر اگر وہ باز آ جائیں تو بیشک اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔ اور تم ان سے لڑو یہاں تک کہ کوئی فتنہ نہ رہے اور دین اللہ کیلئے ہو جائے پس اگر وہ باز آ جائیں تو انہیں کچھ مت کہو سوائے ان کے جو سرکشی اختیار کرتے ہیں۔''

اقوامِ متحدہ کے چارٹر میں یہ شق موجود ہے کہ وہ لوگ جنہیں زبردستی محکوم بنا لیا جاتا ہے اپنی سرزمین پر قابض ہونے والوں کے خلاف کوشش کر سکتے ہیں اور ان کے خلاف ہتھیار اُٹھا سکتے ہیں۔ اس لئے لڑائی کی اسلام میں ہی نہیں دیگر مذاہب میں بھی اجازت ہے۔ یہ بین الاقوامی قانون ہے اور اقوامِ متحدہ (UN) کے چارٹر میں درج ہے۔

اقوامِ متحدہ کا چارٹر ان لوگوں کو اپنی آزادی کیلئے لڑنے کی اجازت دیتا ہے جن کی سرزمین پر اوروں نے جبری طور پر قبضہ کر لیا ہو اور وہ غلاموں جیسی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوں۔ آزادی کیلئے اور اپنے حق کیلئے انہیں ہتھیار اٹھانے کی اجازت دی ہے۔

جارح افواج کا مقابلہ کرنے کی اجازت صرف اسلام ہی نے نہیں دی بلکہ بین الاقوامی قوانین اور اقوامِ متحدہ کے چارٹر میں یہ بالکل واضح انداز میں لکھا ہے۔ کسی بھی قوم کو دوسروں پر حملہ آور ہونے یا ان کو غلام بنانے کی قطعاً اجازت نہیں اور نہ اس کا کوئی اخلاقی جواز ہی پیش کیا جاسکتا ہے۔ ہر فرد اور ہر قوم کو سیاسی اور سماجی آزادی حاصل ہونی چاہیے۔ اب جو لوگ گھروں میں امن وامان سے رہ رہے ہیں کیا وہ برضا ورغبت اپنے گھر دوسروں کے حوالے کردیں گے۔ کیا کوئی چاہے گا کہ اس کے گھر پر کوئی روسی، افغانی، امریکی، افریقی، چینی، یا برطانوی آکر قبضہ کرلے اور اسے اپنے دستور کی زنجیروں میں جکڑ لے؟

کوئی بھی نظریاتی یا سیاسی غلامی میں رہنا پسند نہیں کرتا۔

کون پسند کرے گا کہ اس کے تعلیمی اداروں کا نصاب ان کے غیر ملکی آقاؤں کا نافذ کردہ ہو؟

کون ہٹلر جیسے ظالمانہ قوانین کی تائید کرے گا جنہیں اس نے یہودیوں پر نافذ کیا اور آج وہی کالے قوانین یہودی 50 لاکھ فسلطینیوں پر لاگو کررہے ہیں۔

اگر چند لوگ یہودیوں کے اِن استحصالی حربوں کی تائید کرتے ہیں تو اُن کی عقل وفہم پر افسوس ہی کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ باقی دُنیا کے کروڑوں لوگ اس چیز کے خلاف رائے دیں گے۔

ہولوکاسٹ جو آج موضوع سخن بن چکا ہے اور جس حوالے سے لب سیے رکھنے کی پالیسی اختیار کی گئی تھی۔ اس واقعہ کے بارے میں ڈاکٹر عبداللہ کا مضمون ملاحظہ کیجیے جوانہوں نے مستند حوالہ جات سے پیش کیا ہے۔

"اسرائیل کی آبادی دُنیا کی کل آبادی کا 0.001 فی صد ہے۔ یعنی دنیا کے ہر ہزار افراد کے لئے ایک اسرائیلی یہودی۔ فی الحال اس یہودی ریاست کی آبادی 6.955 ملین (تقریباً 7 ملین) یعنی 70

لاکھ پر ٹھہر چکی ہے۔ صورتحال یہ ہے کہ 70 لاکھ نفوس پر مشتمل یہ ملک مشرق وسطیٰ کے کروڑوں مسلمانوں کو مستقل طور پر للکار رہا ہے۔ سوال یہ ہے کہ ایسا وہ کیوں کر سکتا ہے؟ 1992ء میں امریکہ نے قرضوں کی ضمانت کے طور پر اسرائیل کو سالانہ 2 ملین ڈالر اضافی دینے کی پیشکش کی۔ کانگریس کے گزشتہ 30 برسوں کا ریکارڈ بتاتا ہے کہ 1947ء تا 1989ء کے دوران امریکہ نے اسرائیل کو دیا گیا 16.4 ملین ڈالر کا فوجی قرضہ امداد میں تبدیل کر دیا تھا۔ درحقیقت اسرائیل کو دیئے گئے امریکی قرضے بھلا دینے کی کانگریسی عادت ہی کی وجہ سے وہ یہ دعویٰ کرتا رہتا ہے کہ 'اسرائیل نے کبھی امریکی قرضے ڈیفالٹ نہیں کئے'۔ اس کے بعد سے امریکی پالیسی یہ رہی ہے کہ اسرائیل کیلئے امریکی امداد کا حجم اس کے سالانہ قرضوں کے لازماً برابر یا اس سے زیادہ ہوا کرے گا۔ دنیا کے دیگر ممالک امریکی اقتصادی قرضے سالانہ چار قسطوں میں وصول کیا کرتے ہیں جبکہ اسرائیل دنیا میں وہ واحد ملک ہے جو اس قسم کے قرضے یکمشت حاصل کرتا ہے اور وہ امریکی مالی سال کے بالکل آغاز پر۔ یوں امریکہ کو خود اپنی ضروریات پوری کرنے کیلئے مستقبل کے ریوینیو پر انحصار کرنا پڑ جاتا ہے۔ بات یہیں تک محدود نہیں رہتی۔ ہر سال اتنی بڑی مقدار لینے والا اسرائیل اس قرضے کا کچھ حصہ واپس امریکہ کو مختلف ٹریژری بلوں کے ذریعے بطور قرضہ دے دیتا ہے اور یوں قرض کی رقم قرض دے کر اس کا سود خود لیتا ہے۔ اس اقتصادی قرضے کے علاوہ اسرائیل امریکہ سے 1.5 بلین ڈالر سالانہ سے

زائد پرائیویٹ فنڈ کے طور پر اور مزید 1 بلین ڈالر سالانہ امریکی بینکوں سے شارٹ ٹرم اور لانگ ٹرم کمرشل قرضوں کی صورت میں حاصل کرتا ہے۔ تمام تر ظاہری قرضوں کا حساب کرنے کے بعد یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ دنیا بھر کو دیئے جانے والے امریکی قرضوں کا ایک تہائی 70 لاکھ یہودیوں پر مشتمل اس یہودی ریاست کو جاتا ہے۔ کیوں؟ جبکہ اسرائیل فی کس آمدنی کے لحاظ سے دنیا کے چند بڑے ممالک میں شمار ہوتا ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ اسرائیلی جی این پی مصر، لبنان، شام، اردن، مغربی کنارے اور غزہ کے مجموعی جی این پی سے بھی زیادہ ہے۔ 14,000 امریکی ڈالر فی کس آمدنی کے ساتھ اسرائیل مغربی یورپ کے چند مال دار ترین ممالک سے بس تھوڑا نیچے ہے اور دنیا میں فی کس آمدنی کے لحاظ سے اس کا نمبر سولہواں ہے۔ سعودی عرب جو تیل کی دولت سے مالا مال ہے، فی کس آمدنی کے لحاظ سے اسرائیل سے نیچے آتا ہے۔"

(بحوالہ: ڈاکٹر اسٹیفن زیونس

(The Strategic of US Aid to Israel)

واشنگٹن رپورٹ آن مڈل ایسٹ افیئر کے مطابق ہر برس امریکہ اسرائیل پر 5 بلین ڈالر خرچ کرتا ہے، بالواسطہ یعنی سال کے 365 دنوں میں روزانہ 13.5 بلین ڈالر۔ کیوں؟ اس لئے کہ ہولوکاسٹ کا جادو سر چڑھ کر بول رہا ہے۔ اس لئے کہ دوسری جنگ عظیم کے بعد سے دنیا کا انتہائی منظم اور وسیع ترین میڈیا اس قابل ہو چکا ہے کہ مشرق ومغرب کے باسیوں کو وہ کچھ دکھائے جو وہ دکھانا چاہتا ہے اور وہ وہی چیز سنائے جو وہ سنانا چاہتا ہے۔ ایک شخص 50 برسوں تک یہی سنتا رہا ہے کہ دوسری جنگ عظیم سے قبل یورپ

میں رہنے والے تمام یہودی معصوم اور ہر ملک کے وفادار شہری تھے۔ بغیر کسی وجہ کے ہٹلر اور جرمن ان سے نفرت کرنے لگے اور جرمنی کے مسائل سے توجہ ہٹانے کے لئے انہیں قربانی کا بکرا بنایا گیا۔ ہٹلر اور نیشنل سوشلسٹوں نے دنیا بھر میں یہودیوں کی نسل کشی کا منظم اور جامع منصوبہ بنایا جس کا آغاز جرمنی کے زیرِ قبضہ یورپ سے کیا گیا۔ اس مقصد کے حصول کیلئے بطور خاص گیس چیمبرز بنائے گئے۔ چھ ملین یہودی اور 5 ملین غیر یہودی ان گیس چیمبروں میں جلائے گئے۔ یوں آشوِٹز نامی اس نازی کیمپ میں ایک کروڑ دس لاکھ افراد زندہ جلا دیئے گئے۔ ایسے کہ کوئی ثبوت بھی نہیں چھوڑا گیا یہاں تک کہ ان کی باقیات کو بخارات میں تبدیل کر دیا گیا۔ ہولوکاسٹ حقیقت ہے یا افسانہ اس پر تو بعد میں بات ہوگی۔ پہلے یہ دیکھتے ہیں کہ ہولوکاسٹ کی اس تشہیری مہم کا کیا فائدہ حاصل کیا گیا؟

فائدہ بڑا متنوع اور جامع ہے۔ دوسری جنگ عظیم کے فوراً بعد اس واقعہ کی تشہیری مہم سے تین قسم کے فوائد حاصل ہوئے۔ تاریخی، سیاسی اور مالی۔ جنگ کے بعد اسرائیلی ریاست کے قیام کے لئے چلائی جانے والی مہم اسی واقعہ کو بنیاد بنا کر چلائی گئی۔ یہ مہم اتنی شدید ترین تھی کہ جرمن اور اس کے اتحادی یورپی ممالک دوسروں کی نظروں میں تو انتہائی ظالم اور قابل نفرت ٹھہرے ہی مگر ان کے اپنے عوام بھی خود کو مجرم سمجھنے لگے۔ امریکیوں کی نظر میں جرمن لوگوں کا یہ تصور جڑ پکڑ گیا کہ وہ ایک خونی قوم ہے اور ظلم و بربریت ان کی رگوں میں دوڑ رہی ہے۔ آپ ہیوڈوکوف مین کو پڑھ لیں، اسٹیون اسپیل برگ یا ڈینئل گولڈ ہیگن اور ایلی ویزل کو، جرمن قوم پر ایسے ایسے الزامات کی بوچھاڑ کر کے رکھ دی گئی تھی کہ جرمن قوم تا حال احساسِ ندامت کا بوجھ لئے نئی نسلیں پیدا کر رہی ہے۔ ہولوکاسٹ کی تشہیر سے حاصل ہونے والے فوائد کی فہرست اتنی لمبی ہے کہ خود یہودیوں کے بڑے بھی اسے گن نہ پائیں گے۔

اسرائیل کے قیام کا جواز

آج اسرائیل کے قیام، اس کے دفاع اور بقا کیلئے اگر یہودیوں کے پاس کوئی اکلوتا مالی یا قانونی جواز موجود ہے تو وہ ہولوکاسٹ کا یہی واقعہ ہے۔ امریکی کانگریس کیلئے یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ وہ امریکی شہریوں پر ٹیکس کا بے پناہ بوجھ ڈال کر ہر اسرائیلی یہودی کو ماہانہ ساڑھے تین ہزار ڈالر تنخواہ بغیر کسی خدمت کے ہی دے دیا کرے۔ اسرائیل کیلئے 13.5 ملین ڈالر روزانہ کی امریکی امداد کیلئے امریکی شہریوں کی رضامندی بہر حال لازم ہے اور ان کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے امریکی کانگریس کے پاس سوائے ہولوکاسٹ کے مظالم کی تشہیر کے اور کون سا راستہ بچتا ہے؟ اور پھر ہر روز صابرہ و شتیلا جیسے واقعات دہرانے کے لئے ایریل شیرون کہاں سے جواز فراہم کرتا؟ صابرہ وشتیلا میں معصوم بچوں اور عورتوں کے قتلِ عام پر اگر کوئی یہودی دانشور ٹی وی پر آ کر اتنا ہی پوچھ لے ”ہم ان لوگوں کی نسل ہیں جن کے 60 لاکھ آباؤ اجداد کو گیس چیمبرز میں جلا کر بخارات میں تبدیل کر دیا گیا۔ ہم بچے ہی کتنے ہیں؟ اب بھی اگر اپنی بچی کچھی نسل کی بقا کی آخری کوشش کے طور پر ہم دو چار لاکھ فلسطینیوں کو قتل کر دیں کیا یہ ہمارے لئے جائز نہیں؟“ بھلا مغرب کا کون سا شہری ہوگا جو اسے ناجائز کہہ پائے گا جبکہ 60 لاکھ یہودیوں کو بھٹی میں جھونکنے والے خود اس کے آباؤ اجداد ہوں؟

ہولوکاسٹ آخر ہے کیا؟

ہم اپنی تحقیق کا آغاز لفظ ہولوکاسٹ کی تعریف سے کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ہولوکاسٹ کے اس لفظ سے یہودی کیا مراد لیتے ہیں؟

ہولوکاسٹ کو انگریزی میں Holocaust لکھتے ہیں۔ عبرانی زبان میں اسکا متبادل شوآہ یا شواح (Shoah) لفظ ہولوکاسٹ یونانی لفظ ہولوکاسٹن

(Holokasuston) سے اخذ کیا گیا ہے۔ جس کا اصل معنی ہے ''آگ میں مکمل طور پر جل کر قربانی دینا'' یا ''ایسی قربانی جو آگ میں مکمل طور پر جل کر دی جائے۔'' بعد میں یہ لفظ بڑے پیمانے پر قتل عام کے لئے استعمال ہونے لگا۔ اس کے ساتھ ساتھ انسانی تباہی کیلئے اختیار کئے گئے مختلف طریقوں کے لئے بھی یہی لفظ ''ہولوکاسٹ'' استعمال کیا جاتا رہا۔ 1950ء کے عشرے میں یہی لفظ یہودی، نازیوں کے ہاتھ یہودیوں کے قتلِ عام کیلئے استعمال کرنے لگے۔ یہودیوں کے اس قتلِ عام کے لئے یہ لفظ ہولوکاسٹ کچھ ایسے انداز سے استعمال کیا گیا کہ یہ لفظ اور نازی دَور کا یہودی قتل عام ہم معنی ہو گئے۔ آج صورت حال یہ ہے کہ ہولوکاسٹ کا لفظ سنتے ہی ذہن سیدھا نازی دور میں داخل ہو جاتا ہے جب یہودیوں کے بقول ان کا قتل عام کیا گیا۔ ہولوکاسٹ کا عبرانی متبادل لفظ شوآہ (Shoah) پہلی دفعہ ''شوآہ یہودی پولن (Sohah Yahudi Polin) یعنی ''پولینڈ کے یہودیوں کا قتل عام'' نامی کتابچے میں سامنے آیا۔ اس کتابچے میں مشرقی یورپ میں یہودیوں کے قتل عام کی داستانیں بیان کی گئیں تھیں۔ یہ داستانیں بیانیہ تھیں یعنی کسی سے سنی سنائی تھیں۔ کچھ ایسے واقعات بھی اس کتابچے میں موجود تھے جنہیں آنکھوں دیکھا حال بتلایا گیا۔ روایت کرنے والے اور آنکھوں دیکھا حال بیان کرنے والوں کی اکثریت یہودیوں کی تھی۔ جو سب سے پہلا لفظ اس واقعہ کے لئے استعمال ہوا تھا وہ دراصل عبرانی لفظ ہربان (Hurban) تھا جس کے معنی ہیں تباہی۔ انگریزی میں اس کا متبادل ہے Destruction یا پھر Catastrophe یاد رہے کہ یہودی یہ لفظ ہربان ہیکل سلیمانی کی تباہی کے لئے بھی استعمال کرتے ہیں۔ عبرانی لفظ ''ہربان'' کی جگہ ''شوآہ'' نے اس وقت لی جب عالمی صیہونی تحریک کے فلسطینی قلم کاروں، دانشوروں اور رہنماؤں نے یہ لفظ استعمال کرنا شروع کیا۔ تاریخی اعتبار سے یہ لفظ پہلی بار اس وقت سننے میں آیا جب یروشلم کے ایک مؤرخ بن زیان دینور نے 1942ء میں یہ بیان دیا کہ شوآہ ایک عظیم تباہی تھی جو دنیا کی اقوام کے درمیان یہودی

قوم کی منفرد حیثیت کی علامت بن گئی ہے۔

(بحوالہ: سینٹر فار ہولوکاسٹ اینڈ جینوسائیڈ اسٹڈیز)

یادواشم (Yadvashem) ایک کٹر یہودی ویب سائٹ ہے جو ہولوکاسٹ میں کام آنے والے یہودیوں اور ہیروز کی یاد میں بنائی گئی ہے۔ اس ویب سائٹ کے مطابق ''ہولوکاسٹ سے مراد وہ تمام یہود مخالف سرگرمیاں ہیں، جو نازیوں نے 1933ء تا 1954ء کے درمیان یہودیوں سے روا رکھیں۔ ان یہود مخالف سرگرمیوں میں 1930ء کے عشرے میں ان کو قانونی و اقتصادی حیثیت سے محروم کرنا، انہیں الگ الگ ٹولیوں میں مختلف مقبوضہ ممالک میں بھیجنا، انہیں بھوکا پیاسا رکھنا اور یورپ میں 60 لاکھ کے قریب یہودیوں کو قتل کرنا شامل ہیں'' یہ ویب سائٹ دنیا بھر سے یہ مطالبہ کر رہی ہے کہ یہودیوں پر ہونے والے مظالم کیلئے لفظ ''ہولوکاسٹ'' کی بجائے ہر جگہ عبرانی لفظ ''شوآہ'' استعمال کیا جائے کیونکہ لفظ ''ہولوکاسٹ'' دُنیا بھر میں ہونے والی دیگر کئی انسانی تباہیوں کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے جبکہ یہودیوں کی تباہی کا واقعہ اپنی مثال آپ ہے۔ نہ تاریخ میں کبھی پہلے اس کی مثال ملتی ہے اور نہ آئندہ ملے گی۔ اسی طرح یہودیوں کا یہ قتلِ عام ان کیلئے مذہبی عقیدے جیسی اہمیت رکھتا ہے اسلئے اس واقعہ کے لئے استعمال ہونے والا لفظ بھی منفرد اور ممتاز ہونا چاہئے جو کہ لفظ ''شوآہ'' ہی ہوسکتا ہے۔

(بحوالہ: www.yadvashem.org)

ہولوکاسٹ کے بارے میں یہودیوں کا بیان

''یورپ میں یہودیوں کیلئے زندگی صدیوں سے عذاب کی صورت حال اختیار کرچکی تھی۔ بیسویں صدی میں ان کے خلاف متعصبانہ نظریات اپنے عروج پر تھے۔ 1930ء کے عشرے کے اوائل میں ایڈولف ہٹلر کی نازی پارٹی کو اکثریت حاصل ہوگئی جو انتہائی یہود مخالف تھا۔ یوں صدیوں تک پھلتے پھولتے یہود مخالف نظریات کی فصل عظیم

تباہی کی صورت میں تیار تھی اور فصل کاٹنے کیلئے فضا سازگار۔ 30 جنوری 1933ء کو اڈولف ہٹلر جرمنی کا چانسلر بنا۔ چھ مہینے بعد ملک میں جمہوریت دم توڑ گئی۔ نازیوں نے یہودی کاروبار کا قومی بائیکاٹ کرانے کے لئے تمام وسائل استعمال کئے اور ایسے قوانین نافذ کئے جو یہودیوں کو جرمن معاشرے سے نکال باہر کردیں۔ 1934ء میں جرمن صدر پال وون ہنڈن برگ کے انتقال کے بعد ہٹلر جرمنی کا بلاشرکت غیرے حکمران بن گیا۔ اس کے دور میں قوانین کے ذریعے زیادہ سے زیادہ یہودیوں کو اسکولوں اور ملازمتوں سے نکال باہر کرنے کا سلسلہ جاری تھا۔ 1935ء میں تباہی کی طرف قدم اٹھنا شروع ہوئے۔ نورم برگ قوانین (Nuremberg Laws) نافذ ہوگئے جس کے مطابق صرف جرمن یا اس سے متعلقہ نسل ہی جرمنی کی شہریت کی حق دار تھی اور یوں یہودی بغیر کسی ریاست کے ہوگئے۔ اسی دوران جرمن فوج نے سارلینڈ پر دوبارہ قبضہ کرلیا۔ 1936ء میں اولمپکس کے دوران ہٹلر نے اپنے یہود مخالف جذبات کا برسرِ عام اظہار کرنا شروع کردیا۔ "یہاں یہودیوں کیلئے کوئی جگہ نہیں" (Jews are unwanted here) کے نعرے لگنے لگے۔ 1937ء میں تباہی کی ہوائیں چلنا شروع ہوئیں۔ ہٹلر نے اپنی ہائی کمان کو اپنے نسلی، سیاسی اور فوجی منصوبوں کے متعلق ایک خفیہ اجلاس میں سب کچھ بتادیا۔ اس نے ہائی کمان پر واضح کردیا کہ وہ یورپ پر قبضے کا خواب دیکھ رہا ہے۔ اسی دوران موسم بہار میں یہودی تاجر بغیر کسی جواز کے اپنے کاروبار سے محروم کردیئے گئے۔ مارچ 1938ء میں نازیوں نے آسٹریا پر قبضہ کرلیا اور یوں مزید 1,90,000 سے زائد یہودی و نازیوں کے کنٹرول میں آگئے۔ نومبر میں پورے جرمنی میں فسادات پھوٹ پڑے۔ متعدد یہودی ہلاک ہوگئے اور ہزاروں زخمی ہوئے۔ یہ "نائٹ آف بروکن گلاس" کے نام سے مشہور فسادات ہیں۔ 1939ء میں یہودیوں کے خلاف جنگ شروع ہوگئی۔ یکم ستمبر 1939ء کو دوسری جنگ عظیم کا آغاز ہوا۔ جرمن فوج نے پولینڈ پر حملہ کردیا۔ 21 ستمبر کو SS سیکورٹی چیف رینارڈ ہائیڈرچ نے اعلان

کر دیا کہ نازیوں کے زیر قبضہ پولینڈ میں آباد تمام یہودیوں کو شہر گیٹوز میں جمع کر دیا جائے گا۔ 1940ء میں جرمن فوجوں نے ناروے، ڈنمارک، بلجیئم، فرانس اور نیدرلینڈ پر قبضہ کر کے وہاں کے یہودیوں کے لئے تباہیوں کا اشارہ دے دیا۔ پولینڈ میں وارسا اور لوجر کے پسماندہ علاقوں (واڑوں) کو سیل کر دیا گیا اور آشوٹز میں ایک کانسنٹریشن کیمپ کھول دیا گیا۔ جرمن فوج نے 22 جون 1941ء کو سوویت یونین پر حملہ کر دیا۔ ایک خصوصی جرمن فوجی دستے (Einsazgruppen) (یہودیوں کے مطابق) نے یہودیوں کے فلیٹوں کو نذر آتش کر کے انہیں باہر نکلنے پر مجبور کر دیا اور پھر انہیں وارسا منتقل کر دیا۔ سوویت علاقوں اور بالٹک ریاستوں میں مقیم لاکھوں یہودیوں کو قتل کرنے پر مامور کر دیا گیا۔ جنوری 1942ء میں وانسی کانفرنس میں اعلیٰ نازی اہلکاروں نے ''آخری حل'' کیلئے گراونڈ ورک تیار کیا۔ ''آخری حل'' سے مراد یورپی یہودیوں کا مکمل خاتمہ تھا۔ گرمیوں تک موت کے چھ کیمپ مکمل طور پر فعال تھے جن میں ہزاروں یہودیوں کو گیس کے ذریعے ہلاک کیا گیا۔ صرف 1942ء میں 2.7 ملین یہودی قتل کئے گئے۔ 1943ء کے دوران بھی جرمنوں نے یہودیوں، خواجہ سراؤں اور دیگر نشان زدہ گروپوں کے منظم قتل عام کا سلسلہ جاری رکھا۔ ٹرینوں کو ان لوگوں سے بھر بھر کر موت کے کیمپوں تک لایا گیا اور یہ سلسلہ روزانہ کی بنیاد پر جاری رہا۔ یہودیوں کو چونکہ معلوم تھا کہ انہیں مارنے کیلئے لے جایا جا رہا ہے اس لئے انہوں نے کئی مقامات پر بغاوت بھی کر دی۔ 1944ء میں بھی نازیوں نے یہودیوں کو موت کے کیمپوں تک لانے کا سلسلہ جاری رکھا۔ ان میں ہنگری سے آشوٹز کے موت کے کیمپ لائے جانے والے چار لاکھ (400,000) یہودی بھی شامل تھے۔ 1944ء کا یہ برس جیسے جیسے اختتام کی طرف بڑھتا جا رہا تھا، اتحادی فوجیں جرمنی کے علاقوں میں داخل ہونا شروع ہوتی گئیں۔ 1945ء میں اتحادی اور سوویت فوجوں کے قریب پہنچنے پر نازیوں نے موت کے کیمپ خالی کر دیئے۔ کیمپوں کی آزادی پر سوویت اور اتحادی افواج نے کئی ہزار قیدیوں کو بازیاب کرایا۔ اس

ہولوکاسٹ میں 60 لاکھ سے زائد یہودی مارے گئے۔ 1946ء میں نورمبرگ ٹرائل میں انٹرنیشنل ملٹری ٹریبونل نے 19 اعلیٰ نازی اہلکاروں کو سزا سنائی۔ ان اہلکاروں میں ہرمان گورنگ بھی شامل تھا۔ اس عرصے میں بھی خاص کر پولینڈ میں یہود مخالف منصوبے جاری رہے۔ لاکھوں یہودی اب تک بے گھر تھے۔ 1948ء میں جیوش نیشنل کونسل نے اسرائیل کی ریاست کا دعویٰ کردیا جہاں صدیوں بعد ہولوکاسٹ کی تباہی سے بچ جانے والے یہودی اپنی زندگی دوبارہ تعمیر کریں۔ (قارئین یہ نوٹ کرلیں ہولوکاسٹ کی مندرجہ بالا کہانی خود یہودیوں کی بیان کردہ ہے اور ہم نے یہ بغیر کسی ترمیم کے بیان کردی ہے تاکہ ہولوکاسٹ کے حوالے سے یہودیوں کے مؤقف سے مکمل آگاہی ہو۔

(بحوالہ: www.holocaustchronicle.org)

اس بیان کے ثمرات

ہولوکاسٹ کی کہانی کا نتیجہ اسرائیل کی ریاست کے قیام کے طور پر نکلا۔ اسرائیل کے کلینڈر کے مطابق یہودی مہینے نساں کے 27 ویں دن صبح آٹھ بجے اسرائیل میں سائرن کے بجتے ہی تمام معمولات رُک جاتے ہیں۔ دو منٹ کے لئے یہی لگتا ہے جیسے اسرائیل میں دن رک گیا ہو۔ یہ سائرن اور پھر دو منٹ تک روز مرہ کے تمام معمولات کا ترک کردینا دراصل 19 اپریل 1943ء کو وارسا کے واڑوں میں یہودیوں کو منتقل کردینے کی یاد کو زندہ رکھنے کے لئے کیا جاتا ہے۔ یہودی اس دن کو ''یوم ہاشوآہ'' (Yomha Shoah) کے طور پر مناتے ہیں اور پھر یوم ہاشوآہ کے کچھ ہی دن بعد یوم آٹزموت یعنی اسرائیل کی ریاست کے قیام کا دن۔ ''یوم ہاشوآہ'' اور ''یوم آٹزموت'' کے یکے بعد دیگرے منانے کو یہودی صرف ایک اتفاق نہیں کہتے۔ ہولوکاسٹ کرانیکل 2002 پبلی کیشنز انٹرنیشنل لمیٹڈ ہولوکاسٹ کے مابعد نتائج پر کچھ یوں تبصرہ کرتا ہے ''یوم ہاشوآہ جو وارسا کے یہودیوں کی یاد میں منایا جاتا ہے اور یوم

"آٹزموت" جو اسرائیل کے قیام کی خوشی میں منایا جاتا ہے دراصل یہ بتاتا ہے کہ وارسا کے کھنڈروں اور وہاں مقید یہودیوں نے اپنے لئے نئی زندگی اسرائیل کی صورت میں حاصل کی۔ یوم ہاشوآ ہ کے دن اسرائیلی ریاست کے قیام کی تقریبات سے صرف دو دن پہلے یہ سائرن یہودیوں کو جگاتا ہے۔ انہیں ہولوکاسٹ کی یاد دلاتا ہے اور یہ باور کراتا ہے کہ اسرائیل کے قیام کو صرف ایک تحفہ مت سمجھنا۔ یہ سائرن یہودیوں کو پیغام دیتا ہے کہ حقیقت پسند بنو اور یہ تصور بھی کبھی اپنے ذہن میں نہ لاؤ کہ ہولوکاسٹ کو بھلا دیا جائے گا۔ یا یہ قتل عام ماضی کا ایک باب تھا۔ دھوکہ مت کھاؤ اور یہ خیال بھی تمہارے ذہنوں میں نہ آئے کہ اسرائیل کا وجود ہولوکاسٹ کے واقعہ کو چھپا دے گا۔" ہولوکاسٹ کرانیکل آگے کہتا ہے" سائرنوں کی یہ آواز اسرائیلی ریاست کے قیام کی خوشی دور کرنے کا سبب نہیں ہونی چاہیے۔ یا یہ سائرن اسرائیل کی صورت میں تمہاری کامیابی یا اسرائیل کے مستقبل سے متعلق تمہیں ناامید نہ کرے۔ خاص کر دشمن عرب پڑوسیوں کے درمیان محفوظ ہونے کے متعلق ناامید نہ ہو جانا۔ نہ ہی ان سائرنوں کا مطلب یہ ہے کہ یہودیوں کی شناخت اور یہودیوں کا شکار ہم معنی ہیں۔

ہولوکاسٹ کرانیکل، ہولوکاسٹ سے اسرائیل کے قیام تک یہودیوں کو مندرجہ بالا نصیحتیں کرنے کے بعد عالمی صیہونیت کا تعارف کچھ ان الفاظ میں کراتا ہے" اسرائیل کی جدید ریاست نے اپنی پچاسویں سالگرہ 1988ء میں منائی۔ بہر حال یہودی ریاست بہت پرانی ہے۔ 1800 کے اواخر میں آسٹریا کا یہودی لیڈر نیتن برنام ایک یہودی قوم پرست گروپ ہو یوی زون (Hovevel Tziyon) یعنی Lovers of Zion کا سربراہ تھا۔ 1893ء میں صیہونیت (Zionism) کی اصطلاح کے تعارف کا سہرا اسی کے سر جاتا ہے۔ صیہونیت یہودی ثقافت اور قوم پرستانہ معاہدے کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔ سیاست کے ذریعے یہودی وطن کا حصول اور اس کی بقا صیہونیت کا اول و آخر مقصد ہے۔ کچھ صیہونی سیاسی طور پر دائیں بازو سے تعلق رکھتے ہیں تو کچھ

بائیں بازو سے، کچھ سیکولر ہیں تو کچھ مذہبی کچھ زیادہ جنگجو ہیں اور کچھ کم مگر مختلف طبیعتوں کے حامل ان تمام صیہونیوں کا بنیادی مقصد اسرائیل کی اس ریاست کا تعاون اور دفاع ہے جو کبھی فلسطین کہلاتی تھی اور جو عہدِ قدیم میں یہودیوں کی ہی ریاست تھی۔

(بحوالہ:www.holocaustchronicle.org)

دسمبر 2005ء میں ایرانی صدر محمور احمدی نژاد نے ہولوکاسٹ کو افسانہ قرار دیا۔ محمود احمدی نژاد نے اپنی ایک تقریر میں کہا ''ہولوکاسٹ ایک فسانہ تھا جو اسرائیل کے بچاؤ کے لئے گھڑا گیا۔''

احمدی نژاد کا کہنا تھا کہ

''یہودیوں کے قتل عام کے عنوان سے انہوں (یہودیوں) نے یہ افسانہ گھڑا اور اب یہ انہیں اپنے خدا، اپنے مذہب اور خود اپنے پیغمبروں سے بھی زیادہ عزیز ہے۔''

محمود احمدی نژاد یہیں نہیں رُکے بلکہ انہوں نے اسرائیل کو جرمنی یا آسٹریا منتقل کرنے کا بھی مطالبہ کیا۔ ان کی دلیل یہ تھی کہ اگر یہودیوں پر کوئی ظلم کیا بھی گیا ہے تو ان دوممالک نے کیا ہے لہٰذا تاوان میں وہ یہودیوں کو اپنے علاقے میں بسائیں نہ کہ فلسطین کے مسلمان یورپ کے گناہوں کا کفارہ ادا کریں۔ مگر احمدی نژاد اپنے مؤقف پر ڈٹے رہے یہاں کئی سوال پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً کیا احمدی نژاد وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے ہولو کاسٹ واقعہ کی حقیقت کو چیلنج کیا؟ کیا یہ صرف ایک سیاسی بیان تھا جو محمود احمدی نژاد نے بس یونہی ترنگ میں آکر دے دیا تھا یا پھر اس بیان کے پس منظر میں کوئی ٹھوس اور ناقابل تردید شواہد موجود تھے؟ اور یہ کہ محمود احمدی نژاد نے اسرائیل کو کسی یورپی ملک یا خود امریکا منتقل کرنے کا مطالبہ کس بنیاد پر کیا؟ سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ مغربی ممالک اور امریکا نے محمود احمدی نژاد کے اس بیان پر اتنا شدید ردِعمل کیوں ظاہر کیا؟ ان سوالات کے جوابات جاننے کے لئے ہمیں ذرا ماضی میں جانا ہوگا۔ فی الحال صرف اتنی بات پیشِ نظر

رہے کہ ایک ذمہ دار ملک کے سب سے زیادہ ذمہ دار منصب پر فائز احمدی نژاد نے یہ بیان یونہی ترنگ میں آ کر نہیں دے دیا تھا۔

اوّلیں تنقید

فرانس پیکر یوکی وہ اولین شخص تھا جس نے ہولوکاسٹ پر تنقید کی۔ اس نے اپنی کتاب ایمپیر یم (Imperim) میں ہولوکاسٹ کے حوالے سے یہودیوں کے روایت کردہ واقعہ پر سخت تنقید کی اور اسے مسترد کیا۔ فرانس پیکر یوکی نے یہ کتاب 1962ء میں لکھی۔ یہ کتاب جب منظرِ عام پر آئی تو اسے یہودیوں کی سخت تنقید کا سامنا کرنا پڑا۔ یہودیوں کا کہنا تھا کہ یہ شخص ہٹلر کی محبت میں گرفتار ہے۔ آج بھی فرانس پیکر یوکی کے خلاف یہودی ذرائع ابلاغ یہی پروپیگنڈا کر رہے ہیں۔ یہودیوں کی رائے کی صحت جانچنے کیلئے ہم نے فرانس پیکر یوکی کی زندگی کے حالات جاننے کی کوشش کی۔ فرانس پیکر یوکی شکاگو میں پیدا ہوئے۔ اس کا خاندانی مشن گن سے جڑا ہوا تھا۔ اس کے والدین وہ لوگ تھے جو یورپ اور اس کی ثقافت پڑھنے والے شمار کیے جاتے تھے۔ ان کے لئے لفظ اینگلوفائل (Anglophile) استعمال کیا جاتا۔ یوکی جوانی میں کارل مارکس سے متاثر تھا۔ بعد میں وہ اوسولڈ اسپنگلر کا مرید بنا۔ اس کی پوری زندگی سے یہی ظاہر ہو رہا ہے کہ یوکی نے زندگی کے کسی بھی موڑ پر ہٹلر سے وابستہ نظریات کی حمایت نہیں کی۔ پھر آخر اسے کیا سوجھی کہ وہ ہولوکاسٹ کے واقعہ کی یہودی روایت پر قلم اٹھا کر خود کو ان کی نظر میں گرا دیتا اور ہٹلر نوازی کے القابات کا حق دار ٹھہر جاتا۔ اس کی زندگی اس کے لئے عذاب بن گئی تھی۔ اسے کئی ممالک میں عدالتی کارروائیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کی کتابیں شائع کئے جانے سے انکار کر دیا گیا۔ جو اخبار اس کے آرٹیکلز چھاپتا تھا خود وہ بھی اس قسم کی کارروائیوں کی زد میں آ جاتا۔ جب زندگی اس کے لئے حرام کر دی گئی تو وہ سیدھا مصر آ گیا جہاں عبدالناصر نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ مگر کب تک؟ بالآخر FBI نے اسے

گرفتار کرلیا اور پھر ایک دن فرانس پیکریو کی کو ایف بی آئی کی قید میں مردہ پایا گیا۔ جب کہ اس کے قریب سائینائیڈ (زہر) کے کپسول تھے۔ اس سوال کا جواب ابھی تک کوئی نہیں دے پایا کہ ایف بی آئی کی قید میں اسے یہ کپسول کس نے پہنچائے؟

ہولوکاسٹ کو سب سے پہلے کس نے چیلنج کیا؟

ہیری المر بارنس (Harry Elmer Barnes) بیسویں صدی کا مشہور امریکی مؤرخ ہے۔ وہ تمام عمر کولمبیا یونیورسٹی سے منسلک رہا۔ اس کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جنھوں نے سب سے پہلے ''ہولوکاسٹ'' کی یہودی روایتوں پر مبنی واقعہ کی حقیقت کو چیلنج کیا۔ اس نے تحقیق و تفتیش اور تاریخی دستاویزات کی روشنی میں ہولوکاسٹ کے رائج واقعہ کو انتہائی مبالغہ آمیز اور کئی حوالوں سے گھڑا ہوا افسانہ قرار دیا۔ بارنس ہی وہ شخص تھا جس نے اپنی تحقیق سے ثابت کیا کہ ہٹلر امریکا سے جنگ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ بلکہ یہ امریکی صدر روز ویلٹ تھا جو اتحادیوں سے خفیہ معاہدے پر کسی بھی طرح جنگ میں کودنا چاہتا تھا۔ پرل ہاربر کا واقعہ روز ویلٹ کی شاطرانہ چالوں کی بنیاد پر ممکن ہوسکا اور پھر اس کو بنیاد بنا کر اس نے امریکی عوام کی مرضی کے خلاف امریکا کو دوسری جنگِ عظیم میں لاگھسیٹا۔ بارنس ایک معروف جنگ مخالف مصنف رہا ہے۔ بارنس کی ہی تحقیق تھی جس نے جیمز جے مارٹن (James J. Martin) جیسے لوگوں کو ہولوکاسٹ کے حوالے سے اپنی سوچ تبدیل کرنے پر مجبور کردیا۔ ولس کارٹو تو آخر تک ہولوکاسٹ کے حوالے سے بارنس کی تحقیق کو بطور چیلنج پیش کرتا رہا۔ مگر چیلنج کا جواب اسے یہی ملا کہ ''تم لوگ یہود مخالف اور ہٹلر نواز ہو۔'' 1964ء میں فرانسیسی مؤرخ پال ریزی نیر (Paul Rassinier) کی کتاب ''دی ڈرامہ آف یورپین جیوز'' (The Drama of European Jews) شائع ہوئی۔ پال ریزی نیر کے بارے میں سب سے دلچسپ بات یہ ہے کہ وہ بذاتِ خود دوسری جنگِ عظیم میں جرمنوں کی قید میں رہا ہے۔ آج

وہ ہولوکاسٹ کی واقعاتی حیثیت پر نظر ثانی کرنے والوں کا ''فادر'' کہلاتا ہے۔ دوسری جنگ عظیم میں فرانسیسی مزاحمت کے دوران اس کا کردار ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ اکتوبر 1943ء میں اسے نازی فوجوں نے گرفتار کرلیا۔ اس کی گرفتاری کی وجہ یہ تھی کہ وہ یہودی پناہ گزینوں کو فرانس، سویڈن سرحد عبور کرانے میں ملوث تھا۔ اسے گرفتار کرکے بوشن والڈ (Bouchen wald) کے کنسنٹریشن کیمپ میں قید کردیا گیا۔ بعد میں اسے ڈورا (Dora) منتقل کردیا گیا اور دوسری جنگِ عظیم کے اختتام تک وہ وہیں قید رہا۔ جنگ کے اختتام پر وہ اپنے آبائی وطن فرانس آگیا اور قومی اسمبلی کا ممبر منتخب ہوگیا۔ فرانس کی جنگِ مزاحمت میں اس کے کردار پر فرانسیسی حکومت نے اسے سب سے بڑے ڈیکوریشن ایوارڈ سے نوازا۔ اس نے جرمن فوج کے ہاتھوں بوشن والڈ اور ڈورا کے کنسنٹریشن کیمپ میں اپنی قید کے تجربات تحریر کیے۔ اپنی تحریروں میں اس نے جرمن فوجی کنسنٹریشن کیمپ کا مکمل نظام پوری تفصیل سے قلم بند کیا ہے۔ Holocaust Story and the Lies of Ulysses صفحہ نمبر 44 پر وہ لکھتا ہے ''علاج کی سہولیات کا فقدان، گھٹیا اور ناکافی خوراک، غیر انسانی محنت و مشقت اور نمونیہ ہی وہ کانسنٹریشن عوامل تھے جو ان کانسنٹریشن کیمپوں میں قیدیوں کی موت کا سبب بنے۔''

ہولوکاسٹ کے حوالے سے جب یہودیوں کے روایت کردہ واقعات کو تاریخ کا حصہ بنانے کی کوشش کی جانے لگیں تو پال ریزی سینئر کیلئے خاموش رہنا ممکن نہ رہا۔ خود اس کا کہنا تھا کہ اگر میں خاموش رہتا تو تاریخ شاید مجھے کبھی معاف نہ کرتی۔ ایک چشم دید گواہ موجود تھا مگر اس کے سامنے واقعات کو کچھ اور بنا کے پیش کیا جارہا تھا۔

رال ہیلبرگ کا مؤقف

رال ہیلبرگ کی یہودی روایات پر مبنی کتاب "Destrcution of European Jews" پر پال ریزی نیئر کا مؤقف ملاحظہ فرمائیے:

ہیلبرگ کی اس کتاب کا کوئی نام لیوا بھی نہیں رہے گا۔ مستقبل میں اگر اسے کسی حوالے کے طور پر استعمال کیا جائے تو بھی صرف یہ دیکھنے کے لئے کہ بے انتہا جھوٹ کیسے بولا جاتا ہے۔ یہ کتاب ردی کی ٹوکری میں پھینک دینی چاہیے۔"

(Destrcution of European Jews)

جرمن نازی کیمپوں میں گیس چیمبرز کے حوالے سے پال ریزی سینئر کہتا ہے:

"گیس چیمبرز کے حوالے سے جھوٹے گواہوں کی بنیاد پر عجیب و غریب داستانیں پھیلائی جارہی ہیں۔ میں نے سب کو دعوت دی ہے کہ وہ آئیں اور ہولوکاسٹ کے حوالے سے تمام مواد کا مطالعہ کریں۔ جو ثبوت یہ لوگ پیش کررہے ہیں ان کا تجزیہ کریں۔ کوئی بھی ایسی دستاویز یا کوئی دوسرا ثبوت نہیں ملے گا جس میں کسی بھی اتھارٹی نے یہودیوں کے قتل عام کا حکم دیا ہو۔ میرا سوال یہ ہے کہ کیا ایسی نسل کشی بغیر کسی حکم کے ہی انجام دی گئی۔ 15 برسوں تک یہ سوال مجھے جھنجھوڑتا رہا۔"

(بحوالہ: HSLU صفحہ نمبر 270)

وہ مزید لکھتا ہے کہ

"ہمیں بھی کوئی گیس چیمبر نہیں ملا اور نہ ہی آشوونز کیمپ میں نسل کشی کا وہ طریقہ اختیار کیا گیا جو یہودی روایت کرتے ہیں"

(بحوالہ: Real Eichmann Trial, P:98)

ایک اور مؤرخ کی رائے

پروفیسر آرتھر بٹز (Professor Author Butz) ایک اور مؤرخ ہے

جس نے ہولوکاسٹ کے واقعہ کو جھٹلا دیا اور اس حوالے سے فرانسیسی مؤرخ پال ریزی نیٹر کی تحقیق کو صحیح تسلیم کیا۔ مندرجہ بالا تینوں مؤرخین ہیری ایلمر بارنس، پال ریزی نیٹر اور پروفیسر (Arthur Butz) کی تحقیق کے مطابق ہلاک ہونے والے یہودیوں کی تعداد کم از کم 500 فیصد تو یقینی طور پر زیادہ بتائی جا رہی ہے۔ 1970ء کے عشرے میں ہولو کاسٹ کے واقعہ پر تنقیدی مہم پورے زور شور سے آگے بڑھی۔ اس عشرے میں کئی معرکتہ الآرا کتابیں منظرِ عام پر آئیں۔ ان میں پروفیسر آرتھر کی The Hoax of Twntieth Century اور ڈیوڈ ارونگ کی Hitler's War انتہائی مشہور ہوئیں۔ ڈیوڈ ارونگ وہی شخص ہے جسے کچھ دن قبل ہولوکاسٹ کے واقعہ کو جھوٹا قرار دینے پر 3 سال قید کی سزا سنائی گئی۔ اس کی کتاب تحقیق کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہے مگر اس کے باوجود کچھ دن پہلے یہ شخص ویانا کی عدالت میں انتہائی پریشان نظر آیا۔ اس نے اپنے نظریات سے توبہ کر لی مگر اسے بخشا نہیں گیا۔ کیونکہ جو کچھ اسے کرنا تھا وہ کر چکا تھا۔ یہ تو وہ لوگ ہیں جو ہولوکاسٹ کے واقعہ کو مبالغہ آمیز قرار دیتے ہیں۔

ہولوکاسٹ کی نفی

دوسری طرف اب ایسی تحقیق بھی منظر عام پر آنے لگی ہے جو سرے سے ہولو کاسٹ کے واقعہ کو تسلیم ہی نہیں کرتی۔ ان میں پیری گیلامی (Pierre Gullaume) قابلِ ذکر ہے۔ 1979ء میں انسٹیٹیوٹ آف ہسٹاریکل ریویو IHR, of Historical Review) کے نام سے باقاعدہ ایک ادارہ معرض وجود میں آیا۔ اس ادارے نے ہولوکاسٹ کو ہی اپنا موضوع بنایا ہوا ہے۔ آج یہ ادارہ ہولوکاسٹ پر تحقیق کے حوالے سے ایک اتھارٹی کا مقام رکھتا ہے۔ Committee for open debate on holocaust 1987 میں بنی۔ یہ تنظیم ہولوکاسٹ کے حوالے سے مباحثوں کا انعقاد کرتی ہے اور دونوں اطراف کا مؤقف بیان کرتی ہے۔ اس تنظیم کو بھی

سخت تنقید کا سامنا ہے اور موجودہ دور میں کئی دیگر اداروں کی طرح اسے بھی مالی کسمپرسی کا سامنا ہے۔ براڈلی اسمتھ CODOCH کا بانی ہے۔ ہولوکاسٹ کے واقعہ پر نقطہ چینی کرنے والوں میں آروی کیگسٹر اور ارنسٹ زنڈل کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ ارنسٹ زنڈل کی کتاب Did Six Million Really Die شائع ہوئی تو اسے انتہائی یہود مخالف قرار دیا گیا، 1985ء میں ''اونٹاریو کی'' ایک عدالت نے 15 ماہ قید کی سزا سنائی۔ 1992ء میں کینیڈا کی سپریم کورٹ نے جب ''جھوٹی خبروں'' کے پھیلاؤ کے حوالے سے ملکی قانون کو غیر آئینی قرار دیا تو ارنسٹ زنڈل کی جان چھوٹی۔ فروری 2003ء میں اسے تنزانیہ میں دوبارہ گرفتار کرلیا گیا۔ کچھ دن بعد اسے کینیڈا ڈی پورٹ کردیا گیا۔ کینیڈا میں وہ پناہ کے لئے کوشش کرتا رہا مگر اس کی تمام کوششیں رائیگاں گئیں۔ اسے جرمنی بھیج دیا گیا تاکہ وہاں موجود قانون کے مطابق اس پر نفرتیں پھیلانے کا مقدمہ چلایا جائے۔ زنڈل یکم مارچ 2005ء تک قید رہا۔ 1990ء کے عشرے میں انٹرنیٹ نے ذرائع ابلاغ کی دنیا میں انقلاب برپا کردیا۔ وہی لوگ جو یورپی ممالک میں موجود ہولوکاسٹ کے حوالے سے سخت قوانین کی وجہ سے زبان بند رکھنے پر مجبور تھے، انٹرنیٹ کی صورت میں انہیں جیسے زبان مل گئی۔ یہودیوں کے لئے جب ممکن نہ رہا کہ وہ اب ہولوکاسٹ کے نقادوں کی زبان قانون یا دیگر ہتھکنڈوں کے ذریعے بند رکھیں تو مجبوراً انہوں نے بھی انٹرنیٹ پر ہی ان لوگوں سے نمٹنے کا فیصلہ کیا اور ہولوکاسٹ کے نقادوں کیخلاف پروپیگنڈا سائٹس شروع کردیں۔ ادھر عالم اسلام اس تمام معاملے سے سرے سے بے خبر رہا۔ سوائے مصر، شام اور ایران کے کسی بھی ملک میں ہولوکاسٹ کے حوالے سے تحقیقی کام ہوتا نظر نہیں آیا۔ باقی مسلم دنیا کے لئے ہولوکاسٹ ایک بالکل نئی چیز ہے۔ 2002ء میں ابوظہبی میں عرب لیگ نے ایک تھنک ٹینک قائم کیا اور سلطان بن زید النہیان اس کے چیئرمین مقرر ہوئے۔ ہولوکاسٹ پر تنقید اور اسے افسانہ قرار دینے کی تاریخ مختصراً آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ اس سے دو حقائق سامنے آتے ہیں۔ اول یہ کہ ہولوکاسٹ واقعہ پر تنقید

دوسری جنگِ عظیم کے بعد سے ہی شروع ہوگئی تھی۔ دوم یہ کہ ایرانی صدر محمود احمدی نژاد نہ تو پہلے شخص ہیں جس نے ہولوکاسٹ کو افسانہ قرار دیا اور نہ ہی انہوں نے یہ بات بغیر سوچے سمجھے کہہ دی تھی۔

ہولوکاسٹ کے واقعہ کی صداقت سے انکار کرنے والوں یا پھر اسے انتہائی مبالغہ آمیز قرار دینے والوں کے مؤقف اور ہولوکاسٹ کے حوالے سے مندرجہ ذیل نکات اٹھائے جارہے ہیں۔

ا۔ یہودیوں کے قتلِ عام کیلئے نازیوں نے گیس چیمبرز استعمال نہیں کیے۔

۲۔ قیدیوں کی باقیات کو ٹھکانے لگانے کیلئے انہیں اوون میں جلائے جانے کے کوئی ثبوت نہیں ملے۔ اتنی بڑی تعداد میں قیدیوں کی باقیات کو جلانے کیلئے جس توانائی کی ضرورت ہوتی ہے وہ دنیا کے کئی ممالک سے بیک وقت لڑائی میں مصروف ملک کسی طور فراہم کرنے کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ پانچ تا چھ ملین یہودیوں کی ہلاکت کا دعویٰ غیر ذمہ دارانہ مبالغہ آرائی پر مبنی ہے۔ وہ یہودی جو روس، برطانیہ فلسطین اور امریکا منتقل ہوگئے انہیں بھی اس تعداد میں شامل کردیا گیا۔

۳۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد بہت ساری تصاویر اور فلموں کے (ٹوٹے) جو حصے دکھائے جارہے ہیں وہ خاص طور پر اس مقصد کے لئے تیار کیے گئے تھے۔ مثال کے طور پر وہ فلم یا تصویر جس میں جرمن فوج کو ہولوکاسٹ کے قیدیوں کو لے جاتے ہوئے دکھایا گیا ہے دراصل ان جرمن شہریوں کی تصویر ہے جن کا ڈریسڈن پر بمباری کے بعد علاج کیا جارہا ہے۔ جتنی بھی تصاویر موجود ہیں ان میں قیدی بھوک اور بیماریوں میں تو مبتلا نظر آتے ہیں مگر کوئی بھی ایسی تصویر نہیں جس میں گیس کے ذریعے انہیں مرتا دکھایا گیا ہو۔

۴۔ ہولوکاسٹ کے حوالے سے یہودی افسانہ دراصل اتحادیوں نے فلسطین میں

الگ وطن کے حصول کیلئے گھڑا اور آج کل یہی افسانہ اسرائیل کی ریاستی دہشت گردانہ کارروائیوں کیلئے بطور جواز استعمال کیا جا رہا ہے۔

۵۔ ہولوکاسٹ کے حوالے سے تاریخی حقائق کو توڑ مروڑ کر یا پھر بڑھا چڑھا کر پیش کیا جا رہا ہے۔

۶۔ یہ امریکی، برطانوی اور یہودی سازش ہے جو یہودیوں کو جرمنی کے مظالم کا شکار ظاہر کرنے کے لئے ترتیب دی گئی۔ روس، پولینڈ اور چیکوسلواکیہ کو ڈرانے کے لئے جرمنی سے متعلقہ یہ وحشیانہ کہانیاں پھیلانے میں مصروف عمل رہا ہے۔ یہ سازش اسرائیل کو امداد فراہم کرنے اور صرف جرمنی سے اسرائیل کی ریاست کے لئے بظاہر امداد مگر درحقیقت تاوان فراہم کرنے کے لئے ترتیب دی گئی۔

۷۔ بہت سے مؤرخین صرف اس وجہ سے ہولوکاسٹ کو افسانہ قرار دینے سے ڈرتے ہیں کہ ایسا کر کے وہ اپنی نوکریوں سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔

۸۔ کچھ عیسائی مؤرخین کے مطابق یہودی، ہولوکاسٹ کے افسانے کو اس لئے بڑھا چڑھا کر پیش کر رہے ہیں کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر چڑھانے کے اپنے جرم پر پردہ ڈال سکیں۔ ان کے نزدیک آج ہو یہ رہا ہے کہ عام عیسائی اپنے مسیحا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مصلوب کئے جانے کے واقعہ اور اس کے ذمہ داران کو تو بھول گئے ہیں البتہ ہولوکاسٹ اور یہودیوں پر ہونے والے مظالم انہیں ازبر ہیں۔

ہولوکاسٹ سے انکار ایک جرم

آج ہولوکاسٹ پر تنقید، اس کے کسی جزو سے انکار یا اسے غلط ثابت کرنا دس یورپی ممالک میں قانوناً ممنوع ہے۔ ان ممالک کے نام یہ ہیں۔ فرانس جہاں یہ قانون

(Belguim Negationis بلجیم، LoiGayssot کے نام سے نافذ ہے۔ Law) آسٹریا، (Vebotsgesetz 1947) رومانیہ، سلواکیہ، چیک ری پبلک، لتھوینیا، پولینڈ، جرمنی اور سوئٹزرلینڈ (Article of Penal Code) ہولوکاسٹ کے واقعہ پر کسی قسم کی تنقید خود اسرائیل میں بھی قانوناً جرم ہے۔ کینیڈا اور برطانیہ میں اگرچہ خاص طور پر ''ہولوکاسٹ کے انکار'' کے حوالے سے کوئی قانون موجود نہیں ہے۔ مگر نسلی منافرت پھیلانے والے قوانین ایسے کسی بھی شخص پر ہاتھ ڈال سکتے ہیں جو ہولوکاسٹ پر نقطہ چینی کرے یا فی الوقت رائج واقعہ کے برخلاف کوئی تحقیق کرے۔ وہ ممالک وہ جن میں ہولوکاسٹ کے منکرین کیلئے قوانین موجود ہیں ان میں آدھے سے زائد ممالک ہیں جنہیں ہولوکاسٹ کا ذمہ دار قرار دیا جاتا ہے۔ ان میں رومانیہ، جرمنی، چیک ری پبلک، آسٹریا اور سلواکیہ شامل ہیں۔ ادھر ہولوکاسٹ کے واقعہ پر تحقیق کرنیوالے مؤرخین اور سکالرز کا کہنا ہے کہ ہمیں کائناتی اصول ''بولنے کی آزادی'' کے تحت یہ حق حاصل ہے کہ جو شواہد اور ثبوت جس واقعہ کو رد کریں اسے ہم رد کریں۔ سچائی قانون کے بل پر نہ تو نافذ کی جاسکتی ہے نہ دبائی جاسکتی ہے۔ ان قوانین پر خود ان لوگوں نے بھی تنقید کی جو ہولوکاسٹ کی یہودی روایت کو تسلیم کرتے ہیں، مثال کے طور پر نوم چومسکی۔

ہولوکاسٹ مہم ایک نفع بخش بزنس

آج صورتحال یہ ہے کہ روئے زمین کا تقریباً ہر شخص یہ بات سن چکا ہے کہ جرمنوں نے 60 لاکھ یہودی مارے۔ امریکی ٹی وی، فلمیں، اخبارات اور میگزین اس نظریئے کا ہتھوڑا مستقلاً اپنے ناظرین اور قارئین کے دماغوں پر برسا رہے ہیں۔ واشنگٹن ڈی سی میں ایک بہت بڑا ہولوکاسٹ میوزیم تعمیر کیا جاچکا ہے۔ گزشتہ چالیس برسوں کے دوران اس موضوع پر اتنی کتابیں اور فلمیں بنائی گئی ہیں کہ شاید ہی کسی اور موضوع پر بنائی

گئی ہوں۔ میڈیا کی اس مہم کو یہودی مؤرخ الفریڈلی لیتھل نے ''ہولو کاسٹ میڈیا'' کہا ہے۔ وہ ہولو کاسٹ میڈیا جس نے دوسری جنگ عظیم کے دوران یہودیوں کی قسمت کا فیصلہ کرلیا تھا۔ برطانوی چیف یہودی ربی ایمانوئیل جیکو بووٹس نے صحیح کہا ہے کہ ''ہولو کاسٹ مہم ایک بہت بڑی صنعت بن چکی ہے، اس موضوع پر لکھنے والوں، تحقیق کاروں، فلم سازوں، مقبرہ سازوں، عجائب گھروں کی منصوبہ بندی کرنیوالوں اور یہاں تک کہ خود سیاست دانوں کیلئے انتہائی منافع بخش ثابت ہورہی ہے۔''

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب ہولو کاسٹ کے واقعہ کو سچ ثابت کرنے والوں کو ہر قسم کی چھوٹ اور آزادی حاصل ہے تو پھر اس واقعہ کی تاریخی حیثیت جانچنے والوں کو تحقیق سے کیوں روکا جارہا ہے؟ آئندہ کی سطور میں ہم یہودیوں کی ہولو کاسٹ کے حوالے سے روایت کردہ داستان اور اس پر ہولو کاسٹ کے منکرین کے اعتراضات کا تجزیہ کریں گے۔ سچ کو پرکھنے کا یہی بہترین اور اکلوتا طریقہ کار ہے۔ ہولو کاسٹ کے واقعہ پر اٹھنے والے سوالات سے گھبرا کر سوال اٹھائے جانے کو ہی قانونی جرم قرار دینا کسی بھی طور پر ایک صحت مندانہ ردعمل قرار نہیں دیا جاسکتا۔ فرانس اور جرمنی میں ہولو کاسٹ پر سوالات اٹھائے جانے والوں پر بھاری جرمانے عائد کردیئے جاتے ہیں۔ امریکہ میں ان اساتذہ کو اپنی نوکری سے ہاتھ دھونے پڑے ہیں جو ہولو کاسٹ کی کہانی کے کسی بھی جزو پر شک کا اظہار کرتے ہیں۔ ہولو کاسٹ کے واقعہ پر نظر ثانی کرنے والوں پر قاتلانہ حملے ہورہے ہیں۔ مزید ستم یہ ہے کہ ہولو کاسٹ کے واقعہ پر سوالات اٹھانے والے ان لوگوں کے خلاف میڈیا ٹرائل شروع کردیا جاتا ہے۔ مگر اس کا نتیجہ کیا نکلا؟ یہی کہ ہولو کاسٹ پر سوالات اٹھانے والوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہورہا ہے۔ غور وفکر کرنے والے یہ سوچنے پر مجبور ہیں کہ آخر ان لوگوں کو اپنا نقطۂ نظر بیان کرنے کیوں نہیں دیا جاتا۔ صحیح روش یہی ہوگی کہ دونوں اطراف کو سنا جائے۔

کیا ہولوکاسٹ میں
واقعی 60 لاکھ یہودی مارے گئے تھے؟

کیا سچ مچ 60 لاکھ یہودی مارے گئے تھے؟

یہ وہ پہلا سوال ہے جو ہولوکاسٹ کے واقعہ پر نظر ثانی کا مطالبہ کرنے والے اُٹھاتے ہیں۔ آیئے ہم بھی پہلے اسی سوال سے نمٹتے ہیں۔ ناہوم گولڈ مین (Nahum Goldman) ورلڈ جیوش کانگریس کے سابقہ صدر ہیں۔ یہ وہی ورلڈ جیوش کانگریس ہے جس سے حال ہی میں ہمارے صدر مملکت نے خطاب کیا۔ اپنی کتاب میں گولڈ مین لکھتے ہیں کہ

> ''آزادی کے بعد کنسنٹریشن کیمپوں کے زندہ بچ جانے والے یہودیوں سے ملاقات کے علاوہ میرے جرمنی کے واحد سرکاری دورے کا مقصد چانسلر ایڈی نور سے ملاقات کرنا تھی تاکہ تاوان کے حوالے سے گفت وشنید کا آغاز کیا جائے۔ بین الاقوامی قوانین میں تاوان کی یہ صورت غیر معمولی اور اپنی مثال آپ ہے۔ اب تک تو یہی ہوتا رہا تھا کہ وہ ملک جو جنگ ہار گیا ہو جیتنے والے کو نقصانات کی رقم ادا کرے۔ یہ دو ریاستوں یا دو حکومتوں کے درمیان کا معاملہ ہوتا۔ تاریخ میں پہلی دفعہ دیکھنے میں آیا کہ ایک قوم تاوان کی رقم عام شہریوں کو ادا کرتی یا پھر اسرائیل کی ریاست کو جس کا ہٹلر کے جرائم کے وقت کوئی وجود ہی نہ تھا۔ یہاں میں یہ بات تسلیم کرتا ہوں کہ جرمنی سے یہودیوں کیلئے تاوان کی وصولی کا یہ آئیڈیا میرا نہیں بلکہ ورلڈ جیوش کانگریس کے دو بانی ڈائریکٹروں

جیکب اور نا ہی میار ابنسن کا تھا"۔

Goldman, Nahum, The Jewish Paradox, :بحوالہ)

Grosset, Dulap, 1978, P:122)

جرمنی کو تاوان دینے پر مجبور کر دیا گیا۔ ایسا تاوان جو دنیا کی تاریخ میں نہ کبھی پہلے دیا گیا نہ بعد میں دیا جائے گا۔ جرمنی نے 4,300,000 پینشن اور دیگر نقصانات کے دعویداروں کو رقم ادا کی۔ ان 4,300,000 دعویداروں میں سے 40 فیصد تاوان وصول کنندگان اسرائیل میں زندہ ہیں، یا زندہ تھے۔ باقی یہودیوں نے دنیا کے دیگر حصوں میں رہائش اختیار کی۔

ایک اہم سوال

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اتنی زیادہ تعداد میں یہودی جرمنوں کے ہاتھوں مارے گئے تھے تو پھر بچ جانے والوں کی اتنی بڑی تعداد کہاں سے آ گئی؟

چلیے! اس بات کو ایک مثال سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ فرض کیجیے ایک جہاز کریش ہو گیا اور پھر اسے آگ لگ گئی کچھ بھی باقی نہیں بچا۔ جہاز کی انشورنس ہوئی تھی اور اب انشورنس کمپنی کو جہاز میں کام آ جانے والے خاندانوں کو ادائیگی کرنی تھی۔ انشورنس کمپنی جہاز میں سواران خاندانوں کے حوالے سے معلومات اکٹھی کرنا چاہتی ہے۔ اس کے سامنے یہی سوال ہے کہ جہاز میں حقیقتاً کون سوار تھے؟ مگر انشورنس کمپنی کو ان دستاویزات تک رسائی حاصل کرنے ہی نہیں دی جا رہی جو اس سوال کا ثبوت فراہم کرتی کہ جہاز میں کتنے لوگ تھے اور کون کون؟ اچانک ایسے دعوے سامنے آ جاتے ہیں کہ جہاز میں میرا چچا سوار تھا، میری خالہ بھی سوار تھی اور میرا بھتیجا بھی وغیرہ وغیرہ۔ انشورنس کمپنیوں کے ساتھ ایسے واقعہ حقیقت میں ہو چکے ہیں۔

ذرا موازنہ تو کریں!

یہودی ہولوکاسٹ کے حوالے سے کچھ ایسے ہی دعوے کر رہے ہیں۔ ان کا سب سے بڑا دعویٰ یہ ہے کہ یہودیوں کی نسل کُشی باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت کی گئی۔ یہ منصوبہ کہاں بنایا گیا؟ اس کا جواب یہودی یہ دیتے ہیں کہ

"20 جنوری 1942ء کو پروٹوکول آف وانسی (Protocol of Wannsee) نامی کانفرنس میں نازیوں نے یہودیوں کے قتلِ عام کا منصوبہ بنایا۔"

یہودیوں کے اس دعوے کو ایک یہودی ہی ردّ کرتا ہے۔ یروشلم کی ہبریو یونیورسٹی میں ہولوکاسٹ کے ماہر یہودا باؤر وانسی کے اس پروٹوکول کے بارے میں کہتا ہے کہ

"وانسی کو زیادہ سے زیادہ ایک ملاقات کہا جاسکتا ہے۔ کانفرنس بالکل نہیں۔ اس ملاقات میں کیا ہوا، اس حوالے سے کچھ بھی باہر نہیں آیا۔"

یہودا باؤر کی یہ تحقیق خود کینیڈین جیوش نیوز نے 30 جنوری 1992ء کو اس شہ سرخی کے ساتھ شائع کی:

"وانسی کی اہمیت مسترد کردی گئی"۔

اس خبر کے مطابق یہود اباؤ کا کہنا تھا کہ لوگ وقتاً فوقتاً یہ بے وقوفانہ کہانی دہراتے رہتے ہیں کہ یہودیوں کے قتلِ عام کا منصوبہ وانسی میں تیار کیا گیا۔ وانسی کی ملاقات تو خود اس مرحلے پر ہوئی جب قتلِ عام کے منصوبوں کو طشت ازبام کرنا تھا نہ کہ منصوبے بنانا۔

(Canadian Jewish News.Jan 30,1992)

اس سے قبل 12 نومبر 1989ء کو یہودا باؤ وانسی نے نیویارک ٹائمز سے بات کرتے ہوئے کہا "میں وانسی کے معاملے کو صحیح کہہ کر ہولوکاسٹ کے منکرین کو ایک اور ثبوت فراہم کرسکتا ہوں۔" یہودا باؤ کے اس بیان سے آپ خود ہولوکاسٹ کے ماہرین کی اس بے بسی کا اندازہ لگا سکتے ہیں جو انہیں ایک افسانے کو حقیقت ثابت کرنے میں پیش آرہی ہے۔ مگر ادھر صیہونی اور کمیونسٹ پروپیگنڈے باز 60 لاکھ یہودیوں کی اپنی ترتیب دی ہوئی تعداد کو سچ ثابت کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ اب ظاہر ہے 60 لاکھ یہودیوں کا قتلِ عام بغیر کسی منظم منصوبہ بندی کے تو ممکن نہیں اور جب سوال منصوبہ بندی کا آتا ہے تو ان صیہونیوں کے پاس سوائے وانسی پروٹوکول کے اور کوئی ایسی چیز باقی نہیں بچتی جسے وہ اپنے دعوے کی دلیل کے طور پر استعمال کریں۔ 12 نومبر 1989ء کو اسی یہودی ہولوکاسٹ کے ماہر یہودا باؤ نے تسلیم کیا کہ آشوٹز کیمپ میں چالیس لاکھ یہودیوں کے قتل عام کی بات سراسر جھوٹ ہے۔ (Auschwitz Revisionism: An Israeli Scholar' Case NYT,Nov 12, 1989) ارنسٹ زنڈیل نے ایک کتاب لکھی جس کا عنوان تھا: "کیا 60 لاکھ یہودی سچ مچ مارے گئے تھے؟ (Did Six Million Really Die?)۔ یہ کتاب شائع ہوئی اور ارنسٹ زنڈل گرفتار ہوا۔ زنڈل کے ٹرائل کے موقع پر چارلس بیڈر مین نامی گواہ نے یہ شہادت دی۔

اہم دستاویز تک محدود رسائی

"سابقہ ملزمان اور ان کے بعد آنے والوں کے لئے 1955ء کے بون اگریمنٹ کے تحت دستاویزات تک رسائی محدود تھی۔ دستاویزات تک رسائی سے یہ کہہ کر روک دیا جاتا کہ یہ ذاتی ملکیت ہیں۔ معاہدے کے تحت صرف 10 اتحادی ممالک کو یہ حق حاصل تھا کہ ان کے نمائندے ان دستاویزات کا معائنہ کرسکیں۔ ان ممالک میں سے جو بھی ان دستاویزات کا معائنہ کرنا چاہتا پہلے وہ انٹرنل ٹریسنگ سسٹم (ITS) کے

ڈائریکٹر کو درخواست لکھتا۔ اگر ITS ڈائریکٹر اس پر فیصلہ کرنا آسان نہ پاتا تو وہ درخواست انٹرنیشنل کمیشن کے پاس آخری فیصلے کے لئے بھیجتا۔ مجھے یاد نہیں کہ اسرائیل نے ان دستاویزات کو دیکھنے کیلئے کوئی درخواست دی ہو اور وہ مسترد کردی گئی ہو۔''

(Barbara Kulasxka, Report of Evidence in the Canadin "False News" Trial of Ernst Zundel 1988, PP:80-84)

دوسرے الفاظ میں آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسرائیل یہ ریکارڈ دیکھ سکتا ہے مگر جرمن اور دیگر مؤرخین نہیں۔ ہولوکاسٹ کے واقعہ پر نظر ثانی کا مطالبہ کرنے والے بھی نہیں، ارنسٹ زنڈل بھی نہیں۔ البتہ مسٹر ویز تھل دیکھ سکتا ہے۔ قارئین کے ذہن میں سوال اُٹھے گا کہ آخر وہ کون سی دستاویزات ہیں جنہیں اسرائیلی تو دیکھ سکتے ہیں مگر دوسرے لوگ نہیں۔ یہ دستاویزات ریڈ کراس کی ہیں۔ ریڈ کراس نے دوسری جنگ عظیم میں انتہائی اہم کردار ادا کیا تھا۔ نازیوں کے تمام کیمپوں تک اس کی رسائی تھی اور اس دوران اس نے تمام اعداد و شمار بالکل دفتری طریقہ کار کے مطابق ترتیب دیئے تھے۔ ریڈ کراس کے چارلس بیڈرمین کے پاس وہ تمام اطلاعات دستاویزی صورت میں موجود تھیں، ہر کیمپ میں کتنے جرمن شہری یا جنگی قیدی لائے گئے مگر یہ دستاویزات اب ITS کے ذریعے ہی دیکھے جاسکتے تھے۔ یہ دستاویزات 14 ملین ٹکڑوں پر مشتمل ہیں۔ ہولوکاسٹ واقعہ پر نظر ثانی کا مطالبہ کرنے والوں کا مؤقف ہے کہ آج کی کمپیوٹر ٹیکنالوجی OCR سافٹ ویئر وغیرہ کے ذریعے ان تمام دستاویزات کو ترتیب بھی دیا جاسکتا ہے۔ اس کا تجزیہ بھی ممکن ہے اور پھر انہیں ڈبل چیک بھی بہ آسانی کیا جاسکتا ہے۔ بہت ہی مختصر وقت میں یہ تمام اطلاعات عوام تک پہنچائی جاسکتی ہیں۔ یوں عوام تمام حقائق کا خود تجزیہ کر کے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کردیں گے۔ مگر ایسا کبھی نہیں ہوگا بلکہ معاملے کو کسی اور طرح ہینڈل کیا جارہا ہے۔ تمام یورپی ممالک ہولوکاسٹ سے متعلق قوانین نافذ کر کے ڈیوڈ ارونگ اور ارنسٹ زنڈل جیسے درجنوں محققین کو جیلوں میں قید کر کے اذیت

پہنچاتے ہیں۔ آخر کیوں؟ جب ہولوکاسٹ کو افسانہ قرار دینے والے خود یہ مطالبہ کر رہے ہیں کہ یہ تمام ریکارڈ منظرِ عام پر لایا جائے تو اس مطالبے کو تسلیم کیوں نہیں کیا جا رہا؟ اس لئے کہ یہ تمام دستاویزات اس سوال کا واضح جواب ہیں کہ کیا سچ مچ 60 لاکھ یہودی قتل ہوئے؟ جرمن حکومت کو چاہئے تھا کہ وہ پچاس سال پہلے ہی اس تمام ریکارڈ کو چیک کرتی مگر ایسا ہوا نہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ جب یہ تمام ریکارڈ منظرِ عام پر آئے گا تو یہ ثابت ہو جائے گا کہ یہودیوں نے جرمنوں سے جو تاوان بزورِ سازش حاصل کیا ہے اور حاصل کر رہے ہیں اس کی قلعی کھل جائے گی اور تاوان دینے کا یہ سلسلہ جرمن حکومت کو بند کر دینا پڑے گا۔ نہ صرف جرمنی بلکہ دیگر یورپی ممالک اور خود امریکہ کے عوام بھی اپنی حکومتوں سے یہ سوال کرنے لگیں گے کہ ان پر ٹیکسوں کا بھاری بوجھ لاد کر ان کی خون پسینے کی کمائی آخر دنیا کے سب سے بڑے سازشیوں پر کیوں بانٹی جا رہی ہے؟ ایسا ہوا تو اسرائیل کا وجود خطرے میں پڑ جائے گا۔ ہرن کے سینگ پر قائم یہ ریاست تو ویسے ہی ہچکولے رہی ہے۔ 29 دسمبر 1979 کو اسرائیل کے بانی نیتن گولڈمین کو پیرس میں ایک تاریخی جملہ کہتے سنا گیا۔ نیتن گولڈمین نے کہا:

> ”دوسری جنگِ عظیم کے بعد یہودیوں سے انتہائی لاڈ و پیار کا سلوک کیا جاتا ہے۔ آشوٹز (مبینہ نازی کیمپ) کے بغیر اسرائیل کا وجود ممکن نہ تھا۔“

ہولوکاسٹ سے حاصل ہونے والے فوائد

ہولوکاسٹ کے اس افسانے نے اسرائیل کو غیر یہودیوں پر عجیب نفسیاتی برتری دلوائی، خاص کر امریکیوں اور جرمنوں پر غیر یہودیوں کو خود اپنی نظروں میں مجرم قرار دے کر یہودیوں نے کیا فوائد حاصل کئے، آیئے ڈاکٹر ایڈورڈ آر۔ فیلڈز کی زبانی ملاحظہ کرتے ہیں۔

☆ جرمنی سے امداد کی صورت میں 65 ملین ڈالر سے زائد رقم حاصل کی۔

☆ امریکہ سے 55 ملین ڈالر سے زائد کی امداد حاصل کر چکا ہے۔ ایک خوشحال ملک ہونے کے باوجود اسرائیل امریکہ سے 3.2 ملین ڈالر سالانہ (یا 8 ملین ڈالر روزانہ) کی امداد حاصل کر رہا ہے یہ کسی بھی دوسرے ملک سے زیادہ ہے۔

☆ روس سے ہجرت کرنے والے 45,000 یہودیوں کا میکسیکو کے بعد سب سے زیادہ سالانہ کوٹہ ہے۔ وہ پناہ گزینوں کی صورت میں داخل ہوتے ہیں اور انہیں یہ ثابت کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں کہ ان پر ظلم ہوا ہے۔ بحیثیت پناہ گزیں وہ تمام ویلفیئر فوائد کا استحقاق رکھتے ہیں مگر ویلفیئر کی اصلاحات کیلئے ان سے کسی قسم کی کٹوتی نہیں کی جاتی۔

☆ اسکولوں، ٹی وی، فلموں اور کتابوں کے ذریعے نہ رُکنے والی ہولوکاسٹ برین واشنگ کی مہم نے یہودیوں کو ان ممالک میں تنقید سے مبرا کر دیا ہے۔

مقتولوں کی تعداد میں تضادات

اب ذرا دیکھتے ہیں کہ یہودیوں کے قتل عام کی تعداد کن کن ارتقائی مراحل سے گزرتی ہوئی موجودہ تعداد یعنی 60 لاکھ کے ہندسے تک پہنچی۔ جنگ عظیم کے فوراً بعد اتحادیوں نے اعلان کر دیا کہ جرمنی کے تمام کیمپوں میں ''یہودیوں کو گیس کے ذریعے ہلاک کیا گیا۔'' بعد میں معلوم ہوا کہ جن لوگوں کی تصاویر بطور ثبوت دکھائی گئی تھیں وہ دراصل وبا، سردی اور بھوک سے ہلاک ہوئے تھے۔ سائمن ویزنتھل جو لاس اینجلس میں ''ہولوکاسٹ سینٹر'' میں کام کرتے ہیں اپنی کتاب Books and Bookmen اپریل 1975ء صفحہ نمبر 5 پر لکھتے ہیں ''جرمنی کی سرزمین پر قائم کسی بھی کیمپ میں گیس کے ذریعے مارے جانے کا کوئی واقعہ نہیں ہوا۔'' ایل پی بیریا جو سوویت NKVD سیکرٹ

پولیس کے 1938ء تا 1953ء تک سربراہ رہے ہیں اور بذاتِ خود بھی یہودی ہیں نے ایک دن اچانک اعلان کردیا کہ اس نے 60 لاکھ یہودیوں کی ہولوکاسٹ (تباہی و بربادی) دریافت کرلی ہے۔ یہ ہولوکاسٹ پولینڈ میں ہوا۔ بیریا نے کسی غیر ملکی کو پولینڈ کی اس سائٹ کا معائنہ کرنے کی اجازت نہیں دی جس سے متعلق اس کا دعویٰ تھا کہ یہاں 60 لاکھ یہودی مارے گئے۔ یہودیوں کے اپنے اخبار نیویارک ٹائمز نے 1945ء میں یہ رپورٹ دی کہ ''سوویت روس نے یہ اعداد و شمار فراہم کئے ہیں کہ چالیس لاکھ یہودی مارے گئے۔'' بہر حال جولائی 1990ء میں پولینڈ کی حکومت نے یہ تعداد کم کر کے گیارہ لاکھ بتائی اور یہودی گروپوں نے پولینڈ حکومت کے یہ اعداد و شمار تسلیم بھی کرلئے۔ مگر اس ثبوت کے باوجود 60 لاکھ کے ''سرکاری اعداد و شمار'' میں کٹوتی کر کے اسے 30 لاکھ نہیں کیا گیا۔ یہاں پر قارئین کو یہ بھی بتاتے چلیں کہ امریکن ریڈ کراس کی صدر ایلزبتھ ڈولے نے جو سینٹر ریاب ڈولے کی بیوی بھی ہیں، یہ انکشاف کیا تھا کہ آشوٹز کیمپ میں ہلاکتوں سے متعلق جو سرکاری دستاویزات منظر عام پر آئی ہیں۔ ان دستاویزات میں آشوٹز کیمپ میں مرنے والوں کی کل تعداد 70,000 بتائی گئی ہے۔ اموات کی اس فہرست میں وہ تمام لوگ درج ہیں جو کسی بھی وجہ سے فوت ہوئے۔ فریڈ لیوکٹر Fred (Leuchter) امریکی ماہر ہیں جو قتل عام کے جرائم کا سائنسی تجزیہ کر کے ثبوت تلاش کرنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ 1988ء میں انہوں نے تفتیش کاروں کی ایک ٹیم کے ہمراہ آشوٹز کیمپ کا دورہ کیا۔ ان کے سائنسی تحقیق و تجزیہ کی رپورٹ تفصیل سے تو ہم آئندہ کی سطور میں ملاحظہ فرمائیں گے مگر یہاں 60 لاکھ کی تعداد کے حوالے سے ان کی رپورٹ سے صرف ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔ قارئین یہ بات ذہن میں رکھیں کہ دوسری جنگ عظیم کے بعد نازیوں کا نورم برگ کی عدالت میں جنگی جرائم کی پاداش میں ٹرائل کیا گیا۔ اسی ٹرائل کی ایک دستاویز نمبر L-022 کے مطابق ''اپریل 1942ء تا اپریل 1944ء کے دو برسوں کے دوران برکناؤ کے کیمپ میں 1765000 (یعنی

ساڑھے سترہ لاکھ سے زائد) یہودی گیس چیمبروں میں ہلاک کئے گئے۔ بہر حال لیوکٹر نے اس کیمپ کے سائنسی تجزیے(Forensic Analysis) کے بعد یہ رپورٹ دی۔

''اگر گیس کے ذریعے یہودیوں کے قتل عام کے واقعہ کو صحیح بھی مان لیا جائے تو گیس چیمبرز کے سائز، حجم اور دیگر تفصیلات کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ صرف 105,688 افراد کو ہی گیس کے ذریعے ہلاک کیا جانا ممکن ہے۔''

لیوکٹر نے برکناؤ کے اس کیمپ سے اینٹیں، ریت، بجری، سیمنٹ اور تمام و دیگر اشیاء لیبارٹری ٹیسٹ کیلئے اکٹھی کیں۔ جب پر سائنائیڈ کمپاونڈ کی باقیات صدیوں تک محفوظ رہ سکتی ہیں۔ یہ تمام نمونے میسا شیوٹس میں ایش لینڈ کی الفا اینا لیٹیکل لیبارٹری میں ٹیسٹ کیلئے لائے گئے۔ مارچ 1988ء میں الفا رپورٹ سے یہ بات سامنے آئی کہ

''سائنائیڈ یا اس سے متعلقہ وہ تمام دیگر مرکبات جن کا گیس چیمبر میں پایا جانا متوقع تھا، ان نمونوں میں نہیں پائے گئے۔''

اَب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر کتنے یہودی ہلاک ہوئے؟

امریکی جیوش کمیٹی کو ورلڈ المانک 1947ء نے 1939 میں دنیا بھر میں یہودیوں کی تعداد 15,683,259 (تقریباً ایک کروڑ ستاون لاکھ) بتائی۔ 22 فروری 1948ء کے نیویارک ٹائمز کے مطابق دنیا میں یہودیوں کی آبادی 15,600,0000 تا 18,7000,000 (یعنی پندرہ کروڑ ساٹھ لاکھ تا اٹھارہ کروڑ ستر لاکھ) تھی۔ اس تعداد میں فلسطین میں رہنے والے چھ تا سات لاکھ یہودی شامل نہیں تھے۔ سوال یہ ہے کہ دوسری جنگ عظیم میں 60 لاکھ یہودیوں کے مرنے کے بعد ان کی تعداد اتنی تیزی سے بڑھی؟

والٹر سینک(Dissolution of european Jewry) کا مصنف

کہتا ہے کہ جون 1941ء میں جب جرمن قابض عروج پر تھے، یورپ سے باہر ہجرت کرنے والے یہودیوں کی تعداد 2,200,000 (بائیس لاکھ) سے کسی طور بھی کم نہیں تھی۔ جب کہ 2847,000 (تقریباً ساڑھے اٹھائیس لاکھ) وہیں مقیم رہے۔ ریڈ کراس اس کے مطابق جنگ عظیم دوم کے بعد 3,375,000 (پونے چونتیس لاکھ) یہودیوں نے ہولوکاسٹ کے تاوان کیلئے درخواستیں جمع کرائیں۔ اس تعداد میں بہت سے باہر سے آنے والے یہودی بھی شامل تھے۔ مندرجہ بالا حقائق کے تجزیے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جنگ کے دوران تمام کیمپوں میں تمام وجوہات کی وجہ سے مرنے والے یہودیوں کی کل تعداد 1,50.000 (ڈیڑھ لاکھ) اور 300,000 (تین لاکھ) کے درمیان ہے۔

(بحوالہ: Was there Really a Holo cawst?)

قارئین کو ایک انتہائی دلچسپ حقیقت بتاتے ہیں۔ 60 لاکھ یہودیوں کے قتل عام کی پیش گوئی یہودیوں نے 30 برس قبل ہی کر دی تھی۔ مشہور یہودی بن ہیچٹ (Ben Hecht) نے اپنی کتاب Perdify میں 1911ء کی عالمی صیہونی کانگریس (World Zionist Congress) سے خطاب کے دوران صیہونی میکس نورڈو (Max Nordau) کا یہ قول نقل کیا ہے کہ

> ”یہ صحیح العمل حکمران 60 لاکھ لوگوں کے قتل عام کی تیاریاں کر رہے ہیں“

(بحوالہ: American Hebrew ot.31, 1919)

ذرا ملاحظہ فرمایئے! صیہونیوں کے عزائم۔ 1911ء میں جب یہ صیہونی 60 لاکھ یہودیوں کے قتل عام کی پیش گوئی کر رہے تھے اس وقت ایڈولف ہٹلر جرمنی کی سڑکوں پر روزگار کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا تھا۔ اس کے پاس روٹی کمانے کے لئے اپنی پینٹنگز کے علاوہ کوئی اور روزگار نہیں تھا۔

آخر کتنے یہودی مارے گئے؟

اس سوال کا جواب کافی حد تک تو گزشتہ سطور میں آپ کو مل ہی چکا ہوگا۔ یہاں ہم پہلے اس سوال کو دیکھیں گے اور پھر ہولوکاسٹ کے حوالے سے اگلے سوالات کی طرف بڑھتے ہیں۔ سوائے سابقہ سوویت یونین کے تقریباً تمام ریاستوں نے جنگوں کے بعد ہلاک ہونے والوں کی سرکاری رپورٹس پیش کیں۔ جانی نقصانات پر مبنی ان تمام رپورٹوں سے یہ حیران کن بات سامنے آئی کہ یہ نقصانات جنگ عظیم اول سے کم تھے۔ اس سے بھی زیادہ حیران کن بات یہ ہے کہ یہودیوں کے جانی نقصان کے حوالے سے کسی بھی قسم کے سرکاری اعداد وشمار دستیاب نہیں ہیں۔ جو بھی تعداد بتائی جارہی ہے وہ نجی حلقوں کی مرتب کردہ ہے یا پھر نیم سرکاری اداروں کی۔ ان اعداد وشمار کے مطابق 50 لاکھ تا60 لاکھ کے درمیان یہودی اس جنگ میں کام آئے۔ اگر یہودیوں کی بتائی ہوئی یہ تعداد صحیح تسلیم کر لی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہودیوں کا جانی نقصان برطانیہ، امریکہ، آسٹریلیا، کینیڈا، نیوزی لینڈ، فرانس بلجیم، ہالینڈ، ڈنمارک، ناروے اور لکسمبرگ کے مجموعی جانی نقصانات سے بھی زیادہ ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ یہودیوں کی اس غیر معمولی تعداد میں ہلاکت کے حوالے سے صرف سادہ بیانات کو کیوں تسلیم کرلیا جائے؟ اصولاً تو ہونا یہ چاہیے کہ اتنی بڑی تعداد میں ہلاکت کے معاملے کا پورے سائنسی طریقۂ کار کے مطابق تجزیہ کیا جائے۔ ہولوکاسٹ پر نظر ثانی کرنے کا مطالبہ کرنے والوں کے مطابق یہ تعداد کسی طور صحیح نہیں ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں کیسے؟ سوویت یونین کو چھوڑ کر باقی کے یورپ میں یہودیوں کی کل تعداد1933ء میں تقریباً5.6 ملین یعنی 56 لاکھ تھی۔ یہ تعداد خود امریکی جیوش کانفرنس کی دی ہوئی ہے۔

(بحوالہ:11 جنوری 1945ء نیویارک ٹائمز رپورٹ)

اس تعداد میں سے 10 لاکھ یہودی مولوٹو، ربن ٹروپ، لائن کے مشرق میں مقیم تھے۔ یہ علاقہ 21 جون 1941ء سے پہلے تک ہٹلر کی دسترس سے باہر تھا۔ 21 جون کی اس تاریخ کے بعد ان یہودیوں کی بڑی تعداد روس اور سائبیریا منتقل ہو گئی تھی۔ لہٰذا یورپ میں رہائش پذیر 5.6 ملین یہودیوں میں سے 10 لاکھ ان یہودیوں کی تعداد منفی کرنا پڑے گی۔ چلئے احتیاط کے طور پر یہ تصور کرتے ہیں کہ صرف 5 لاکھ یہودی اس علاقے سے روس یا سائبیریا منتقل ہوئے۔ یوں یورپ کے ان علاقوں میں یہودیوں کی کل تعداد 5 ملین یعنی 50 لاکھ رہ جاتی ہے جو مستقبل میں ممکنہ طور پر ہٹلر کے زیر اثر آ سکتے تھے۔ مگر خود اس تعداد میں سے بھی یہودیوں کی وہ تعداد منفی کرنا ہو گی جو یورپ کے غیر جانبدار ملکوں میں مقیم تھے۔ یورپ کے ان علاقوں میں جن پر ہٹلر نے چڑھائی نہیں کی تھی، یہودیوں کی آبادی کچھ اس طرح تھی: جبرالٹر۔ 868 یہودی انگلینڈ، 300,000 پرتگال، 1200 اسپین، 4000 سویڈن، 6653 سوئٹزرلینڈ، 17,973 آئرلینڈ، 36896 ترکی، 78,730، کل تعداد 413,128 اس تعداد کو نکالنے کے بعد ہٹلر اور ہملر کے زیرِ عتاب آنے والے یورپی ممالک میں یہودیوں کی تعداد 45 لاکھ رہ جاتی ہے۔ اب اس تعداد میں سے یہودیوں کی اس تعداد کو بھی منفی کرنا ہو گا جنہوں نے 1933ء تا 1945ء کے دوران اپنی تاریخ کی بہت بڑی ہجرت کر کے تمام براعظموں کے ممالک کا رُخ کیا۔ یہودیوں کی اس سیلابی ہجرت کو بین الاقوامی حمایت حاصل تھی اور یوں وہ جس ملک میں بھی مقیم ہوئے وہاں حفاظت سے رہے۔ بدقسمتی سے ایسے کوئی سرکاری اعداد و شمار دستیاب نہیں کہ کتنی تعداد میں یہودیوں نے شمالی و جنوبی امریکہ، آسٹریلیا اور یورپ کے دیگر غیر جانبدار ممالک میں ہجرت کی۔ بہر حال اس حقیقت پر سب متفق ہیں کہ 1933ء کے بعد جتنے لوگوں نے بھی ہجرت کی اس میں 80 فیصد سے زائد یہودی تھے۔ ایک یہودی اخبار اوفبو (Aufbou) نے 1933ء تا 1945ء کے دوران یہودیوں کی ہجرت کی تصویر کشی کچھ یوں کی:

تقریباً 120,000 یہودی انگلینڈ آئے۔ 25,000 سویڈن، تقریباً 60,000 سوئٹزرلینڈ، تقریباً 5000 اسپین اور پرتگال، تقریباً 60,000 کینیڈا، تقریباً 450,000 امریکہ تقریباً 75,000 وسطی امریکہ تقریباً 225,000 جنوبی امریکہ تقریباً 15,000 آسٹریلیا، تقریباً 35,000 چین (شنگھائی) تقریباً 25,000 انڈیا، تقریباً 45,000 افریقہ اور تقریباً 300,000 فلسطین آئے۔ یوں ان تمام علاقوں کی طرف ہجرت کرنے والے یہودیوں کی کل تعداد 1,440,000 تقریباً 1.5 ملین یعنی 15 لاکھ تھی۔ یہودی تارکینِ وطن کا وہ سیلابی ریلا جس نے سابقہ سوویت یونین اور سائبیریا ہجرت کی تھی اسے اس حساب کتاب میں شامل نہیں کیا گیا۔ کیونکہ اس حوالے سے اعداد وشمار دستیاب نہیں ہیں، مگر یہ بتاتے چلیں کہ نیویارک ٹائمز کی رپورٹ کے مطابق پانچ لاکھ سے زائد یہودیوں نے پولینڈ سے صرف سائبیریا ہجرت کی۔ یہ وہ تعداد ہے جو ایک یہودی خاتون لیکچرار نے اپنے حالیہ لیکچر میں بتائی ہے اور نیویارک ٹائمز نے اس کا حوالہ دیا ہے۔ مندرجہ بالا اعداد وشمار سے یہ حقیقت تو واضح ہوگئی ہے کہ ہٹلر کے زیرِ عتاب آنے والے علاقوں میں یہودیوں کی زیادہ سے زیادہ تعداد 3 ملین یعنی 30 لاکھ تھی۔ یہ حقیقت ذہن میں رہے کہ سائبیریا اور روس کی طرف ہجرت کرنے والے یہودیوں کی تعداد اس میں شامل نہیں۔ اگر انتہائی محتاط اندازہ لگایا جائے تو بھی یہ بات حتمی ہے کہ ان دونوں علاقوں میں آنے والے یہودیوں کی مجموعی تعداد آٹھ لاکھ سے تو کسی طور کم نہ تھی۔ خیر چلئے 30 لاکھ کی تعداد ہی لے لیجئے۔ جب دورانِ جنگ کل یہودی تھے ہی 30 لاکھ تو پھر 60 لاکھ یہودی کیسے مارے گئے؟ یہی وہ سوال ہے جو ہولوکاسٹ پر نظرِ ثانی کا مطالبہ کرنے والوں نے پوچھا تو ان پر زندگی تنگ کردی گئی۔ ان کے ساتھ کیا کیا کچھ ہوا یہ ایک الگ داستان ہے جو کسی اور موقع پر قارئین کی خدمت میں پیش کیا جائے گا۔ فی الحال ہولوکاسٹ کے حوالے سے اگلے مسئلے کی طرف آتے ہیں۔

گیس چیمبرز

گیس چیمبرز کے معاملے کا بھی جائزہ لیتے ہیں۔ آشووٹز کیمپ کا نام تقریباً ہر کسی نے سنا ہوگا۔ یہ جنگ کے دوران جرمن افواج کا کیمپ رہا ہے جہاں وہ جنگی قیدی لاکر رکھتے تھے۔ یا پھر ان شہریوں کو جن سے انہیں خطرہ لاحق ہوتا۔ انگریزی میں انہیں کنسنٹریشن کیمپ (Concentration Camp) کہتے ہیں۔ یوں تو کئی نازی کیمپ مشہور ہیں مگر آشووٹز ان سب میں سب سے زیادہ خوفناک کیمپ تصور کیا جاتا ہے۔ یہودیوں کی روایت کردہ کہانی کے مطابق آشووٹز میں لاکھوں لوگوں کو قید کیا گیا جن میں اکثریت یہودیوں کی تھی۔ ان یہودیوں کو گیس چیمبرز میں ڈال ڈال کر مارا گیا اور پھر ان کی لاشیں تک جلا کر غائب کردی گئیں۔ یہودیوں کو ننگا کر کے کمروں میں بند کر دیا جاتا اور پھر شاور یا کسی سوراخ سے زہریلی گیس چھوڑ دی جاتی جو لمحوں میں ان یہودیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتی۔ آشووٹز کیمپ کے حوالے سے ہولوکاسٹ پر نظر ثانی کا مطالبہ کرنے والے (Revisionist) کا مؤقف دیکھتے ہیں۔ آشووٹز کیمپ 1940 میں آج کل کے جنوب وسطی پولینڈ میں قائم کیا گیا تھا۔ 1942ء تا 1944ء کے وسط تک کافی تعداد میں یہودی یہاں لائے گئے تھے۔ مین کیمپ آشووٹز 1 کہلاتا تھا۔ آشووٹز 2 کے بارے میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہاں قتل عام کیا جاتا۔ آشووٹز 2 کو برکناو بھی کہتے ہیں، جب کہ آشووٹز 3 جسے مونووٹز بھی کہتے ہیں ایک بڑا انڈسٹریل سنٹر تھا جہاں کوئلے سے گیسولین تیار کی جاتی ہے۔ جنگِ عظیم دوم کے فوراً بعد نورم برگ ٹربیونل قائم کیا گیا تھا جہاں جرمنوں کے جنگی جرائم پر مقدمات چلے۔ اس ٹربیونل میں اتحادیوں نے جرمنوں پر یہ الزام لگایا کہ انہوں نے آشووٹز نامی کیمپ میں 40 لاکھ لوگوں کا قتل عام کیا۔ یہ روسیوں کی ایجاد کردہ تعداد تھی اور برسوں تک یہ تعداد بغیر کسی تنقید کے صحیح تسلیم کی جاتی رہی۔ بڑے بڑے امریکی اخبارات اور میگزین یہی تعداد بتاتے رہے۔ مثال کے طور پر:

Nurumberg document 008-USSR.IMT "Blue Series", Oswiecim Killings placed at 4,000,000", Newyork Times, May 8, 1945 and Newyork times Jan 31,1986, PA4.

آج کوئی نامور محقق بشمول ان کے جو عام طور پر ہولوکاسٹ کی عمومی روایت کردہ کہانی کو تسلیم کرتے ہیں، اس تعداد پر یقین نہیں رکھتا۔ اسرائیلی ہولوکاسٹ کے ماہر یہودا باؤر نے 1989ء میں کہا کہ اب وقت آگیا ہے کہ 40 لاکھ کی اس مشہور تعداد کو افسانہ قرار دیا جائے۔ جولائی 1990ء میں پولینڈ میں قائم آشوٹز اسٹیٹ میوزیم اور اسرائیل کے یادواشم (Yad Vashem) ہولوکاسٹ سینٹر نے اچانک اعلان کر دیا کہ اس کیمپ میں مرنے والوں کی کل تعداد شاید دس لاکھ تھی اور اس میں یہودی اور غیر یہودی سب شامل تھے۔ ان میں سے کسی بھی ادارے نے یہ اعداد و شمار نہیں فراہم کئے کہ کتنے لوگ مارے گئے اور کتنوں کو گیس چیمبرز میں ڈالا گیا۔ ایک نامور ہولوکاسٹ مؤرخ جیرالڈ ریٹلنگر (Gerald Reitlinger) نے حساب کتاب دیتے ہوئے بتایا کہ آشوٹز میں شاید سات لاکھ یہودی مارے گئے۔ حال ہی میں ہولوکاسٹ مورخ جین کلاڈ پریساک نے حساب لگایا ہے کہ آشوٹز میں کل 8 لاکھ لوگ مارے گئے جن میں 6 لاکھ 63 ہزار یہودی تھے۔

(بحوالہ: G.Reitlinger, The Final Solution (London,1971), PP.500-501 J-C Pressac, Le Crematoires Express(France),)A,Aushwitz (Paris:CNRS,1993) L Sep.30,1993 P33.)

مگر خود سات اور آٹھ لاکھ کے یہ اعداد بھی غلط ہیں۔ آیئے دیکھتے ہیں آشوٹز سے منسوب یہودی افسانہ وقت کے ساتھ ساتھ کیسے بدلتا رہا ہے۔ عشروں تک ہر برس لاکھوں سیاحوں کو آشوٹز کیمپ کا دورہ کرایا جاتا اور وہاں انہیں ''گیس چیمبر'' دکھایا جاتا جس کے بارے میں یہ تصور کیا جا رہا تھا کہ یہ اپنی اصلی حالت میں موجود ہے۔ جنوری 1985

ء میں فرانس کے ایک نمایاں ہفت روزہ L,Express نے تسلیم کیا کہ ''گیس چیمبر'' جنگ کے بعد دوبارہ تعمیر کیا گیا ہے۔ فرانسیسی ہفت روزہ کی یہ خبر جب ہولوکاسٹ کو مسترد کرنے والے نامور مؤرخ ڈیوڈ ارونگ نے 1990 ء میں جرمنی میں ایک عوامی ملاقات کے دوران لوگوں کو بتائی تو اس پر 30000 جرمن مارک جرمانہ لگا دیا گیا اور اس شخص کا آج تک جرمنی میں داخلہ بند ہے۔ (یاد رہے کہ گزشتہ دنوں اس بے چارے کو آسٹریا کی عدالت نے 3 برس قید کی سزا بھی سنادی ہے) ایک وقت آشوٹز کے اس کیمپ کے حوالے سے یہ کہانی بھی گردش کر رہی تھی کہ یہاں یہودیوں کو انتہائی منظم انداز میں بجلی کے کٹر کے ذریعے ذبح کیا گیا۔ ایک امریکی اخبار نے آشوٹز سے رہائی پانے والے ایک سوویت باشندے کا انٹرویو کیا جس میں اس نے یہودیوں کو ذبح کرنے کی روداد کچھ یوں بیان کی۔ سینکڑوں لوگوں کو بجلی کے ایسے بیلٹ پر ڈالا جاتا جو ان سب کو ایک ہی وقت میں کاٹ ڈالتا۔ ان لاشوں کو پھر ایسی بھٹیوں میں پھینک دیا جاتا جہاں یہ سب لاشیں جل کر بھسم ہو جاتیں۔ جلنے کا یہ عمل لمحوں میں مکمل ہو جاتا۔ ان لوگوں کی لاشوں سے قریبی گوبھی کے کھیتوں کیلئے کھاد تیار کی جاتی۔''

Washington(DC) Daily News, Feb2, (ملاحظہ ہو

1945,P.2,35,(United Pressdispolehed form Makers)

نورم برگ ٹربیونل میں چیف امریکی پراسیکیوٹر رابرٹ جیکسن نے الزام لگایا کہ ''جرمنوں نے آشوٹز کے قریب 20,000 یہودیوں کو ایک نئی ایجاد کے ذریعے بخارات میں تبدیل کر دیا تھا۔ یہ عمل کچھ اس طرح کیا جاتا کہ بخارات میں تبدیل کئے جانے والوں کا نشان تک باقی نہ رہتا۔'' آج کوئی بھی مؤرخ اس قسم کی من گھڑت کہانیوں کو تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں۔ (IMT, "Blue Series", Vol:15, PP: 528-530) ہولوکاسٹ کے ماہرین کے پاس ایک ثبوت ہے جو وہ آشوٹز کیمپ میں یہودیوں کی بڑی تعداد میں گیس چیمبرز میں ہلاکت کے حوالے سے پیش کرتے ہیں۔ یہ ثبوت آشوٹز

کیمپ کے کمانڈر روڈولف یاس کا اعتراف جرم ہے۔ 15 اپریل 1946ء کو نورم برگ ٹریبونل کے سامنے آشوونز کیمپ کے اس کمانڈر روڈولف یاس نے اعتراف جرم کرتے ہوئے کہا ''مئی 1940ء تا دسمبر 1943 تک آشونز کے اس کیمپ میں 2.5 ملین لوگوں کو گیس چیمبر اور بھٹیوں میں جلا کر ہلاک کیا گیا تھا جبکہ اسی عرصے میں 5 لاکھ لوگ بیماریوں اور وباؤں کی وجہ سے اس کیمپ میں ہلاک ہوئے۔'' یوں صرف روڈولف یاس کی سربراہی کے دوران اس کیمپ میں کل 30 لاکھ لوگ مارے گئے۔ یہی وہ اعتراف جرم ہے جسے ہولوکاسٹ کے کئی مبلغین کئی برس تک ہر جگہ پیش کرتے آرہے تھے۔ مگر جنگ کے کئی برس بعد جب ضمیر نے ملامت کرنا شروع کیا تو برطانوی فوج کے انٹیلی جنس سارجنٹ برنارڈ کلارک (Bernard Clark) سے رہا نہ گیا۔ اس نے پوری تفصیل سے وہ تمام کہانی بتادی کہ کس طرح اس نے اپنے پانچ دیگر ساتھیوں کے ساتھ مل کر روڈولف یاس کو ٹارچر کیا اور اس سے اعتراف جرم کرایا۔ خود یاس نے بعد میں اس معاملے پر گفتگو کرتے ہوئے کہا ''یقیناً میں نے اس بیان پر دستخط کئے کہ میں نے 25 لاکھ یہودیوں کو قتل کیا۔ اگر وہ 50 لاکھ یہودیوں کے قتل کا دعویٰ بھی کرتا تو میں تسلیم کرلیتا ہاں میں نے 50 لاکھ یہودی مارے ہیں۔''

(ملاحظہ کیجئے: Rupert Butler ,Legions of Death (England:1983) PP.235 The Journal of Historical Review, Jan-Feb, 1995, PP23)

روڈولف یاس نے نورم برگ کے اس جنگی ٹریبونل کے سامنے یہ اعتراف بھی کیا کہ 1941ء کے موسم گرما میں دیگر تین کیمپوں (Blezec, Treblinka, Wolzek) میں بھی یہودیوں کا قتلِ عام کیا گیا ہے۔ والزیک کے جس کیمپ کے بارے میں روڈولف یاس کے سامنے اعتراف کرایا تھا یہ سراسر ایک نئی ایجاد تھی خود ہولوکاسٹ کے مبلغین کیلئے بھی۔ اس نام کے کسی کیمپ کا سرے سے کوئی وجود نہ تھا اور ہولوکاسٹ کے پورے لٹریچر میں آپ کو اس نام کا کوئی کیمپ سرے سے ہی نہیں ملے

گا۔ مزید برآں خود ہولوکاسٹ کی یہودی روایت کردہ کہانی کے مطابق بھیآ شوئز، تری بلینکا اور ہالز یک نامی کیمپوں میں یہودیوں کے گیس چیمبر میں جلائے جانے کا آغاز 1942 ء میں ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہولوکاسٹ کے حوالے سے کوئی بھی نمایاں اور سنجیدہ مورخ روڈولف یاس کے ''اعتراف جرم'' کو حقیقت تسلیم نہیں کرتا بلکہ خود ہولوکاسٹ کے یہودی مبلغین بھی دو، ڈھائی یا چار ملین کی اس تعداد کو مسترد کر چکے ہیں۔ اس ''اعتراف جرم'' کے علاوہ ہولوکاسٹ کے مبلغین کے پاس اور کوئی ثبوت نہیں جو وہ یہودیوں کے گیس چیمبرز میں جلائے جانے کے حق میں پیش کر سکیں۔ جنگ کے اختتام پر اتحادیوں نے صرف آشوئز کیمپ سے متعلق ہزاروں دستاویزات اپنے قبضے میں لیں مگر ان میں سے کسی ایک بھی دستاویز سے نسل کشی کی کسی پالیسی یا پروگرام کا ثبوت نہیں ملتا۔ یہ ایک ایسی کہانی ہے جس کے ثبوت میں کسی بھی قسم کا ایک بھی دستاویزی ثبوت میسر نہیں۔

یہودیوں کی ایک اور روایت

یہودی روایت کرتے ہیں کہ آشوئز کیمپ میں معذور، بوڑھے اور بیمار یہودیوں کو سب سے پہلے گیس چیمبر میں جلا دیا جاتا اور کام کرنے کے قابل یہودیوں سے محنت کرائی جاتی اور انہیں کچھ عرصے تک زندہ رہنے دیا جاتا۔ مگر ثبوت یہ بتاتے ہیں کہ ایسے بہت سے یہودی تھے جو کام کاج کے قابل نہیں تھے، یا بوڑھے اور لاغر تھے مگر پھر بھی زندہ رہے۔ مثال کے طور پر 4 ستمبر 1943 کا انٹرنل جرمن ٹیلکس پیغام کا ثبوت موجود ہے جو ایس ایس اکنامک اینڈ ایڈمنسٹریٹو مین آفس کے لیبر ایلوکیشن ڈیپارٹمنٹ کے چیف کی طرف سے بھیجا گیا تھا۔ اس پیغام کے مطابق آشوئز میں قید 25,000 یہودیوں میں سے صرف 3,581 یہودی کام کاج کے قابل ہیں۔ باقی 21,500 (یعنی 86%) یہودی کام کے قابل نہیں۔ یہی حقیقت 5 اپریل 1944ء کی ایک اور سیکرٹ رپورٹ (Security Measures in Aushwitz) سے بھی ثابت ہوتی

ہے۔ یہ رپوٹ اوسوالڈ پوہل کی تیار کردہ ہے جو کنسنٹریشن کیمپ سسٹم کا SS تھا اور اس نے یہ رپورٹ ایس ایس چیف ہنرک ہیملر کو پیش کی۔ اس رپورٹ کے مطابق پورے آشوٹز کمپلیکس (کیمپ نمبر 1، نمبر 2، نمبر 3) میں کل 67,000 قیدی ہیں۔ ان میں 18,000 بیمار یا معذور ہیں۔ آشوٹز کیمپ (SS) (برکیناد) (جسے آج کل مقتل گاہ بتایا جاتا ہے) میں 36,000 قیدی ہیں جن میں اکثریت خواتین کی ہے۔ ان میں سے 15,000 کام کے قابل نہیں۔ مندرجہ بالا دونوں دستاویزات آشوٹز کیمپ کے حوالے سے منسوب کہانیوں کو کسی طور صحیح نہیں قرار دیتیں۔ بلکہ ان میں سے ایک دستاویز میں یہاں تک کہا گیا ہے کہ بیماروں کو طبی سہولتوں کی فراہمی ممکن بنائی جارہی ہے۔ تمام تر دستیاب ثبوتوں سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ دراصل آشوٹز کیمپ بنیادی طور پر ان یہودیوں کے لئے بنایا گیا تھا جو کام کاج کے قابل نہیں تھے۔ ان میں بیمار اور بوڑھے یہودی شامل تھے۔ اس کے علاوہ اس کیمپ میں وہ لوگ بھی تھے جنہیں کسی دوسرے کیمپ منتقل کرنے کا انتظار تھا۔ نارتھ ویسٹرن یونیورسٹی کے ڈاکٹر آر بھر بٹز بھی اسی رائے کو ترجیح دیتے ہیں۔ ان کے مطابق اس کیمپ میں زیادہ تعداد میں اموات کی وجہ بھی یہی تھی کہ یہاں بوڑھے، لاغر اور بیمار یہودیوں کو رکھا جاتا۔ خود پرنسٹن یونیورسٹی میں تاریخ کے پروفیسر آرنو مائیر (Arno Mayer) نے 1989ء میں اپنی کتاب (Final Solution) میں تسلیم کیا ہے کہ آشوٹز میں یہودی ہلاکتیں وبا اور دیگر قدرتی وجوہات کی بنیاد پر زیادہ ہوئیں۔ آشوٹز میں جو لوگ محصور رہے اور پھر وہاں سے زندہ سلامت واپس آئے ان میں سب سے زیادہ شہرت اینی فرینک (Anne Frank) کو حاصل ہوئی جو دنیا بھر میں اپنی ''ڈائری'' کی وجہ سے مشہور ہوئی۔ مگر بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ آشوٹز سے ہزاروں یہودی زندہ باہر آئے جن میں اینی فرینک اور اس کا باپ اوٹو فرینک بھی شامل تھا۔ 15 سالہ اینی اور اس کے باپ کو ستمبر 1944ء میں نیدرلینڈ سے آشوٹز کے کیمپ میں لایا گیا۔ کئی ہفتوں بعد جب سوویت افواج کی پیش قدمی کی صورت میں اینی کو

دیگر بہت سارے یہودیوں کے ساتھ برجن۔ بلسن (Bergen-Belsen) کیمپ میں لایا گیا جہاں وہ مارچ 1944ء میں ٹائی فس سے ہلاک ہوگئی۔ اس کا باپ بھی آشوٹز کیمپ میں بیماری میں مبتلا ہوا اور علاج کیلئے کیمپ کے اسپتال میں لایا گیا۔ وہ ان ہزاروں بیمار اور لاغر یہودیوں میں سے ایک تھا جو جنوری 1945 میں جرمنوں کی طرف سے آشوٹز چھوڑنے کے وقت پیچھے رہ گئے تھے۔ کچھ عرصے بعد ہی اس کیمپ پر سوویت فوجوں نے قبضہ کرلیا۔ وہ 1980ء میں سوئٹزر لینڈ میں فوت ہوا۔ سوال یہ ہے اگر جرمنوں کی پالیسی این فرینک اور اس کے باپ کو قتل کرنے کی تھی تو پھر وہ آشوٹز کیمپ سے زندہ کیسے رہا ہوئے؟ ان کی قسمت اگرچہ بری ہی رہی مگر کسی صورت قتلِ عام کی داستان کی تائید نہیں کرتی۔ آشوٹز کیمپ میں یہودیوں کے گیس چیمبرز میں ہلاک کئے جانے کی کہانی ان یہودی محصورین کے بیانات کی بنیاد پر تراشی گئی جنہوں نے بذاتِ خود قتل عام نہیں دیکھا۔ جنگ کے ان آخری دنوں میں اتحادی طیاروں کا یہ معمول تھا کہ وہ پولش اور جرمن زبان میں لکھے گئے ایسے پمفلٹس قریبی علاقوں میں گراتے جن میں یہ دعوٰی کیا گیا ہوتا کہ لوگوں کو گیس چیمبر میں جلایا جارہا ہے۔ آشوٹز کیمپ کی یہ کہانی دراصل اتحادیوں کی جنگ کے دوران چلائی گئی اور یہ پروپیگنڈہ مہم تھی۔ یہی کہانیاں اتحادیوں کے ریڈیو اسٹیشن یورپ کے ممالک تک پہنچاتے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جنگ کے مارے ہوئے بہت سارے لوگوں نے ان پر یقین کرلیا۔ بعد میں یہ لوگ یہی کہانیاں دہراتے پھرتے ہیں۔ آج ان لوگوں کے ہی بیانات اس پوری کہانی کے ثبوت کے طور پر پیش کئے جاتے ہیں۔ ایسا کوئی بھی کیس سامنے نہیں آیا جو قتلِ عام کا چشم دید گواہ ہو۔

ہولوکاسٹ گیس چیمبرز کا افسانہ جنگ کے بعد تیار ہوا

ماریکا فرینک یہودن تھی۔ جولائی 1944 میں اسے ہنگری سے آشوٹز برکیناؤ کیمپ لایا گیا۔ یہ وہ دن تھے جن کے بارے میں یہودیوں کا کہنا ہے کہ روزانہ

25,000 یہودی گیس چیمبر میں ہلاک کر کے ان کی لاشیں جلادی جاتیں۔ ماریکا فرینک آشووٹز کیمپ سے زندہ سلامت باہر آئی۔ جب اس سے گیس چیمبرز کے متعلق شہادت دینے کے لئے کہا گیا تو اس نے یہ شہادت دی۔ ''اپنی اسیری کے دنوں میں میں نے گیس چیمبرز کے بارے میں نہ تو سنا تھا اور نہ ہی انہیں دیکھا۔ یہ سب قصے کہانیاں میں نے بعد میں سنیں۔''

(ملاحظہ ہو: The Sylvia Rothchild, ed,Voices from Holocasut (Newyork: 1981,PP,188-191))

سوویت فوجوں کے آشووٹز کیمپ پر قبضے سے فوری قبل جرمنوں نے دولاکھ سے زائد قیدیوں کو آشووٹز سے دیگر کیمپوں میں منتقل کردیا تھا۔ مزید برآں 1,500 دیگر قیدی جو اپنی سزا کی مدت پوری کر چکے تھے، آزاد کردیئے گئے تھے اور یہ تمام قیدی اپنے آبائی ممالک لوٹ گئے تھے جبکہ تقریباً 8000 قیدیوں کو نازی، آشووٹز کیمپ میں ہی چھوڑ گئے۔ اگر آشووٹز ایک قتل گاہ ہی تھی۔ تو کیا جرمن ان تمام اسیروں کو زندہ سلامت جانے دیتے جو جانتے تھے کہ کیمپ میں کیا ہوتا رہا تھا؟ 28 دسمبر 1942 کو نازی انتظامیہ SS) Camp Administration) نے آشووٹز سمیت تمام کیمپوں کو ایک (Directive Letter) بھیجا تھا۔ اس ہدایاتی لیٹر میں کیمپوں میں بیماریوں کی وجہ سے ہونے والی ہلاکتوں کی تعداد میں اضافے پر سخت تنقید کی گئی تھی۔ کیمپ میں موجود ڈاکٹروں کو ہدایت کی گئی تھی کہ ''وہ تمام دستیاب سہولیات سے استفادہ کرتے ہوئے اپنے اپنے کیمپوں میں ہلاکتوں کی تعداد میں خاطر خواہ کمی کو یقینی بنائیں۔'' ذرا نازی انتظامیہ کی طرف سے کیمپ انتظامیہ کو لکھے گئے اس ڈائریکٹو کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں۔ ''کیمپ ڈاکٹرز قیدیوں کو دی جانے والی خوراک کی نگرانی پہلے سے زیادہ کریں۔ کیمپ کی انتظامیہ سے مل کر رہائشی سہولیات کو بہتر بنانے کی تجاویز مرتب کریں اور متعلقہ کیمپ کمانڈنٹ کے پاس جمع کرادیں۔ کیمپوں کے ڈاکٹرز اس بات کا مشاہدہ بھی کریں کہ آیا کام کی جگہ پر

حالات پہلے سے بہتر ہو رہے ہیں یا نہیں۔''اس لیٹر میں دی گئی ہدایات پر عملدرآمد یقینی بنانے کیلئے نازی لیڈر ہیزک ہیلمر کا یہ حکم بھی اس لیٹر میں ثبت تھا۔''ہلاکتوں کی تعداد میں بہر صورت کمی آنی چاہیے۔''

Nurembergdocument PS-2171, ملاحظہ ہو)

Annex2,NC & A red series

Vol 4, PP.833-834)

ایملر کا یہ حکم نامہ تو کچھ اور ہی ثبوت دے رہا ہے۔ یہ حکم جنگ کے فوراً بعد نورم برگ ٹریبونل میں بطور اہم ترین دستاویزی ثبوت کے پیش کیا گیا تھا۔ اس حکم نامہ سے حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ جنگ کے دنوں میں تمام کیمپوں میں وباؤں اور دیگر قدرتی وجوہات کی بنا پر اموات کی شرح میں اضافہ ہو گیا تھا جس پر نازی انتظامیہ نے شدید ایکشن لیتے ہوئے تمام کیمپوں کی متعلقہ انتظامیہ اور ڈاکٹروں کو یہ حکم نامہ جاری کیا۔ 1944 کے انہی ایام میں جب بقول یہودیوں کے ہولوکاسٹ اپنے عروج پر تھا اور روزانہ ہزاروں یہودی ہلاک کیے جا رہے تھے۔ آشوٹز اور برکیناؤ کیمپ کی کئی فضائی تصاویر لی گئیں۔ یہ تمام تصاویر امریکی سی آئی اے نے 1979 میں عوام کے لئے پیش کر دی تھیں۔ ان تمام تصاویر میں جلتے ہوئے جسم، دھواں دیتی بھٹیاں یا موت کے انتظار میں قطاروں میں کھڑے یہودی کہیں نظر نہیں آئے۔ حالانکہ ہولوکاسٹ کا جو افسانہ یہودی روایت کرتے ہیں اس کے مطابق یہ تمام نشانیاں اس تصاویر میں واضح نظر آنی چاہئیں تھیں۔ یہ تمام فضائی تصاویر کسی بھی زاویے سے یہ ثابت نہیں کر رہیں کہ آشوٹز کوئی مقتل گاہ تھا۔

(Dino A.Bruigioni and Robert C.Poirier, The :بحوالہ)

Holocasut Revisted washington, DC: Central

Intelligence Agency 1979)

قابلِ توجہ بات

فریڈ اے۔ لیوکٹر کا سرکاری تذکرہ ہم پہلے کر چکے ہیں۔ فریڈ اے۔ لیوکٹر جونیئر ہارویئر بشمول چیمبر ڈیزائینگ کے ایکسپرٹ ہیں۔ انہوں نے 1964ء میں بوسٹن یونیورسٹی سے گریجویشن کیا۔ لیوکٹر نے ہاورڈ اسمتھ سونیٹن آسٹر فزیکل آبزرویٹری میں پوسٹ گریجویٹ ورک کیا۔ وہ چھوٹے ہتھیاروں کے NRA کوالیفائیڈ انسٹرکٹر ہیں۔ انسٹ زنڈل ٹورز نے اپنے دفاع کے لئے لیوکٹر کی خدمات حاصل کیں اور اسے نازی کیمپوں میں گیس چیمبرز کے حوالے سے تحقیقی رپورٹ مرتب کرنے کا اسائنمنٹ دیا۔ یہ قطعاً ایک پیشہ وارانہ ڈیل تھی اور لیوکٹر نے اس اسٹڈی کیلئے بالکل ایک کنسلٹنٹ کی طرح معاوضہ حاصل کیا۔ بعد میں لیوکٹر کی یہی رپورٹ اس کے لئے وبال جان بن گئی۔ فروری 1988ء میں لیوکٹر نے آشووٹز، برکیناؤ اور میجڈانک کیمپوں کا دورہ کیا۔ کیمپ ابھی تک صحیح سلامت ہیں اور انہیں بہت کم نقصان پہنچا ہے۔ اس نے نہ صرف ان سائٹس کا خود معائنہ کیا بلکہ مبینہ طور پر گیس چیمبر بتائے جانے والے حصوں کا اوریجنل پلان بھی دیکھا۔ ان سائٹوں سے متعلقہ تمام نقشہ جات اور دیگر پلان لیوکٹر نے براہ راست میوزیم کے اہلکاروں سے حاصل کئے۔ اس نے ان تمام بیانات اور کہانیوں کی دستاویزات بھی حاصل کیں جس میں گیس چیمبرز میں یہودیوں کو ہلاک کرنے کا طریقۂ کار بیان کیا گیا تھا۔ ہولوکاسٹ سے متعلق تمام لٹریچر اس کی دسترس میں تھا۔ اس نے جرمن دستاویزات سے بھی حوالہ جات لئے۔ یہاں یہ بات قارئین کو بتا دی جائے کہ اس قسم کی تفتیش سے پہلے لیوکٹر کا ہولوکاسٹ کے منکرین سے کسی قسم کا کوئی رابطہ نہیں تھا۔ بلکہ وہ بذاتِ خود ہولوکاسٹ کے اس افسانے پر یقین رکھتا تھا کہ جرمنوں نے لاکھوں یہودیوں کو گیس چیمبرز میں ہلاک کیا۔ پہلی جگہ جس کا لیوکٹر نے دورہ کیا آشووٹز تھا جہاں اس نے کریما 1 نامی جگہ کا تفصیلی معائنہ کیا۔ کریما 1 کے بارے میں یہودی یہ روایت کرتے ہیں کہ یہ ایک

گیس چیمبر تھا جہاں یہودی محصورین کو مارا جاتا۔ اس نے یہاں کی روشنی، بجلی کے نظام اور مبینہ گیس چیمبر کے قرب وجوار کا تفصیلی معائنہ کیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ لیوکٹر نے کریما 1 کے نزدیک قائم عمارتوں کا بھی تفصیلی معائنہ کیا۔ لیوکٹر کا ڈرافٹسمین اس کے ہمراہ تھا جس نے کریما 1 کا تفصیلی پلان تعمیر کیا۔ تمام تر تفصیلی معائنے کے بعد لیوکٹر نے یہ نتیجہ نکالا ''کریما 1 نہ تو اس وقت بطور گیس چیمبر استعمال کیا جا سکتا تھا اور نہ آج ہی اسے اس مقصد کیلئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ گیس چیمبر کے طور پر استعمال کرنے کیلئے اس کی ساخت میں اتنی تبدیلیاں لانی پڑیں گی کہ پوری عمارت ڈھا کر اسے دوبارہ تعمیر کرنا پڑ جائے گا۔ کریما 1 کو اگر موجودہ صورت میں ہی بطور گیس چیمبر استعمال کیا جاتا تو بے انتہا خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ کریما 1 کی موجودہ بناوٹ سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ اگر اسے گیس چیمبر کے طور پر استعمال کیا جاتا تو گیس نہ صرف ارد گرد کے علاقے تک پھیل جاتی بلکہ اس حصے میں بھی داخل ہو جاتی جسے لاشیں جلائے جانے کا مقام بتایا جاتا ہے۔ یہ اخراج اتنی زیادہ مقدار میں ہوتا کہ بڑے دھماکے کا سبب بنتا۔ وہ لوگ جو یہ عمل چلا رہے ہوتے ان کی موت بھی یقینی ہوتی۔ پورے کریما 1 میں کوئی بھی ایک دیوار ایسی نہیں جو باہر یا اندر سے کوٹنگ کی ہوئی ہو۔ حالانکہ جنگ کے دوران جرمن فوج اور ہیلتھ آفیشلز کے زیر استعمال جتنی بھی عمارتیں آئیں، ایس ایس اسپتال کریما 1 ان کے قریب ترین واقع ہے اور اسپتال کی یہ بلڈنگ کریما 1 سے بلند ہے یوں یہ عمارت کریما 1 میں ہوا کی آمد روکنے کا سبب تھی۔ اس طرح جو صورتحال بنتی ہے وہ کچھ یوں تھی کہ اگر کریما 1 کو گیس چیمبر کے طور پر استعمال کیا جاتا تو یہ گیس پورے آشوونز 1 میں پھیل جاتی اور نہ صرف یہ کیمپ کے اندر نازی اہلکاروں کیلئے بھی خطرناک ثابت ہوتی بلکہ نزدیک ہی واقع اسپتال بھی اس کی لپیٹ میں آ جاتا۔ اس کے ساتھ ساتھ 40 فٹ لمبے شاور جس کی موجودگی کا دعویٰ کیا جاتا ہے مجھے کہیں نظر نہیں آیا۔ فریڈ اے لیوکٹر نے برکیناؤ کیمپ میں چار سہولیات کا معائنہ کیا۔ یہ تھے کریما 1، کریما 2، کریما 3، کریما 4، کریما 5، ان سب

کے بارے میں یہودیوں کا دعویٰ ہے کہ یہ گیس چیمبر کے طور پر استعمال ہوئے۔ لیوکٹر کا ان سائنس کا معائنہ کرنے کا بنیادی مقصد یہ معلوم کرنا تھا کہ یہ مقامات گیس چیمبرز کے طور پر استعمال کئے جاسکتے تھے۔ لیوکٹر نے تفصیلی معائنے کے بعد کریما2 کے بارے میں یہ رپورٹ دی۔ کریما2 کو گیس چیمبر کے طور پر استعمال کئے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ اسے اسی حالت میں آج بھی گیس چیمبرز کے طور پر استعمال کیا جانا ممکن نہیں۔ اس کی وجوہات تقریباً وہی ہیں جو کریما1 کی تھیں۔ پوری عمارت سیل نہیں تھی۔ وینٹیلیشن کا کوئی نظام موجود نہیں اس جگہ پر زائیکلون بی (Zyklon B) نامی گیس چھوڑنے کا کوئی ذریعہ بھی موجود نہیں۔ ہولوکاسٹ لٹریچر میں ایک بڑے ستون کا تذکرہ ہے کہ اسے کریما2 میں زائیکلون بی نامی گیس چھوڑنے کیلئے استعمال کیا گیا تھا۔ وہ مجھے یہاں کہیں نظر نہیں آیا۔ جتنے بھی کالم میں نے یہاں دیکھے وہ ٹھوس تھے اور ریت یا بجری کے بنے ہوئے تھے۔ ان میں اس کے اندر سے کوئی خلا یا راستہ نہیں تھا۔ جو گیس کو چیمبر میں لانے کا ذریعہ ہوتا۔ جو بھی اس مقام کو گیس چیمبر کے لئے استعمال کرتا، سب سے پہلے خود اسی کا موت کے منہ میں جانا یقینی تھا۔ کریما3 کے بارے میں لیوکٹر نے یہ رپورٹ دی۔ ''کریما3 کریما2 کا عکس تھا۔ ان دونوں کی بناوٹ میں سرِ مُو فرق نہیں پایا گیا۔ البتہ اس کی چھت کے حوالے سے میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ یہاں ہوا کے گزر کے لئے کوئی سوراخ وغیرہ تھا کہ نہیں کیونکہ یہاں کی چھت ٹوٹی ہوئی تھی۔ بہر حال یہ بات یقینی ہے کہ اسے زائیکلون بی گیسنگ کے لئے استعمال نہیں کیا گیا۔ یہ مقام ٹھنڈا بھی ہے اور گہرا بھی۔ اس کے ساتھ ساتھ مجھے یہاں زائیکلون بی استعمال کئے جانے کے بعد کی علامات بھی نظر نہیں آئیں مثال کے طور پر نیلے رنگ کے دھبے۔ فریڈ اے۔ لیوکٹر نے کریما4 اور کریما 5 کا بھی تفصیلی معائنہ کیا۔ یہ مقامات برکیناؤ کیمپ میں ہیں۔ یہ دونوں مقامات اس کے دورے سے پہلے کسی وقت منہدم کر دیئے گئے تھے۔ صرف بنیادیں باقی تھیں۔ ان بنیادوں سے لیوکٹر اور اس کی ٹیم نے مبینہ گیس چیمبر والے علاقے کی پیمائش کی۔ اسے

یہاں بھی کسی قسم کا ثبوت نہیں ملا کہ یہاں کی دیواریں اندر یا باہر سے کوٹنگ کی ہوئی تھیں۔ چونکہ یہاں عمارت موجود نہ تھی اس لئے فریڈ اے لیوکٹر کو عجا ئبات سے حاصل کئے گئے نقشوں اور پلانز کے ذریعے ہوا کے اخراج کے نظام پائے جانے کے ثبوت نہیں ملے۔ اس کے مطابق نہ تو کریما 4 اور نہ ہی کریما 5 کو گیس چیمبر کے طور پر استعمال کیا جاسکتا تھا۔ وجوہات وہی بتائی گئیں جو کریما 1 کریما 2 کیلئے اوپر بیان کی جاچکی ہیں۔ لیوکٹر نے آشووٹز کے اس کیمپ کے دورے کے دوران ان جگہوں (خندقوں) کا بھی معائنہ کیا جس کے بارے میں ہولوکاسٹ لٹریچر کہتا ہے کہ یہاں یہودیوں کی لاشیں جلائی جاتیں تھیں۔ ہولوکاسٹ کے لٹریچر کے مطابق یہ ناممکن ہے کہ پانی کے نیچے لاشیں جلائی جاسکیں۔

(The Lecchter Report: An enqineering Report on the Alleged Execution Gas Chambers at Auchwitz, Birkenanand Majdanek (Toronto:1988))

اتنے بڑے جھوٹ کو کون سچ ثابت کرنا چاہتا ہے؟

آپ کے ذہن میں بھی یہی سوال مچلتا ہوگا کہ آخر اتنے بڑے جھوٹ کو سچ کون ثابت کررہا ہے اور کیسے؟ خود ہمارے ذہن میں بھی یہی سوال تھا۔ ہٹلر نے اپنی کتاب میں ایک جگہ لکھا ہے ''لوگ چھوٹے جھوٹ کے معاملے میں تو حساس ہوں گے اور شک بھی کریں گے مگر بڑا جھوٹ بڑی آسانی سے ہضم کرلیں گے۔'' "Mein Kampf" کے انگلش ترجمے کے صفحہ 134 پر ہٹلر لکھتا ہے '' کہ اصول کتنا سچا ہے کہ بڑے جھوٹ میں ہمیشہ سچائی جیسی کوئی قوت ہوتی ہے کیونکہ قوموں کا بڑا حصہ نچلی ترین سطح پر اپنی جذباتیت کی وجہ سے بآسانی آلودہ ہوجایا کرتا ہے بہ نسبت اس کے کہ اسے اپنی مرضی یا ضمیر کے مطابق آلودہ ہونا پڑے۔ اس نچلی ترین سطح پر قوموں کے افراد کا ذہن انتہائی سادہ ہوتا ہے اور کسی چھوٹے جھوٹ کے مقابلے میں بڑے جھوٹ کو جلد قبول کرلیتے ہیں اور آسانی

سے بھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ چھوٹے جھوٹ تو وہ خود بھی اکثر بول لیا کرتے ہیں مگر بڑے جھوٹ کے پول کھل جانے کا خوف انہیں اس پر آمادہ نہیں کر پاتا۔ ان کے دماغوں میں یہ بات بیٹھتی ہی نہیں کہ کبھی کلاسیکل جھوٹوں پر انگلی اٹھائیں۔ انہیں یہ یقین ہی نہیں آتا کہ دوسرے کبھی اتنا بڑا جھوٹ بھی بول سکتے ہیں۔ اگر بہترین دلائل اور ثبوتوں کے ساتھ یہ جھوٹ ان پر ثابت کر بھی دیا جائے تو وہ پھر بھی شک میں ہی رہیں گے اور یہ تصور کرتے رہیں گے کہ شاید اس حوالے سے کوئی اور رائے بھی ہو۔ اس حقیقت سے دنیا والے ماہر جھوٹوں اور وہ جو جھوٹ کی بنیاد پر مل کر سازشیں تراشتے رہتے ہیں، سے بخوبی آگاہ ہیں کہ جھوٹ کتنے ہی منظم انداز میں کیوں نہ بولا جائے یہ اپنے پیچھے نشانات ضرور چھوڑتا ہے" ہٹلر آگے لکھتا ہے "زمانہ قدیم سے یہ حقیقت بہر حال اپنی جگہ قائم ہے کہ جھوٹ بولنے میں یہودیوں کا ثانی نہیں۔ ان سے بہتر کوئی نہیں جانتا کہ کس طرح جھوٹ سے عوام کا استحصال کیا جاسکتا ہے۔ کیا خود ان کا وجود اس کا ثبوت نہیں جو بذات خود بہت بڑے جھوٹ پر قائم ہے؟ یہ لوگ کہتے ہیں کہ وہ ایک مذہبی برادری ہیں حالانکہ درحقیقت وہ ایک نسل ہیں اور نسل بھی کیسی؟ ایک بہت نامور دانشور جو شاید انسانی تاریخ میں عظیم ترین ہے یہودیوں کے حوالے سے کیا رائے دیتا ہے؟ وہ (Schopenhavies) یہودیوں کے بارے میں کہتا ہے "جھوٹ کے عظیم ماہر" (The Great Masters of Lies) وہ جو اس منکر کی رائے کی حقیقت نہیں جانتے یا پھر اس پر یقین نہیں کرنا چاہتے وہ دنیا میں سچ کا بول بالا کرنے میں کبھی معاون ثابت نہیں ہوں گے۔

(بحوالہ: Mein Kampf by Adolf Hitler, Translated by Murphy, P134)

یہ کتاب 1925ء میں لکھی گئی تھی۔ وہ پہلی جنگِ عظیم کے بعد کی صورتحال بیان کر رہا تھا مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ دوسری جنگِ عظیم کے بعد یہودیوں کے جھوٹ دنیا بھر کو تباہی کے کنارے لا کھڑا کر دیں گے۔ ہولوکاسٹ کے واقعہ پر نظرِ ثانی کا مطالبہ کرنے

والوں نے اس سوال کا جواب بھی تلاش کرنے کی کوشش کی ہے کہ آخر وہ کون سی لابی ہے جو اس جھوٹ کو تاریخی حقیقت بنانے پر تلی ہوئی ہے اور کیونکر؟ اس سوال کا جواب تلاش کرنا ان کیلئے ضروری بھی تھا کہ ان کے مخاطب حکومتیں نہیں بلکہ قوموں کا وہ بڑا حصہ ہے جو چھوٹے جھوٹ پر تو شک ظاہر کئے بنا نہیں رہتے مگر بڑے جھوٹ کو بڑی آسانی سے ہضم کر لیتے ہیں۔ مارک ویبر نامی ہولوکاسٹ سے انکار کرنے والا محقق اس لابی کو ''طاقتور یہودی لابی'' (The Powrful Jewish Lobby) کہتا ہے:

''اسرائیل عشروں سے بین الاقوامی قوانین اور خود اقوام متحدہ کی قرار دادوں کی دھجیاں اڑا رہا ہے۔ اپنے زیر قبضہ علاقوں میں ماورائے عدالت قتل عام اور پے در پے فوجی کارروائیاں آخر اور کیا ثابت کرتی ہیں؟ دنیا کا ایک بڑا حصہ اسرائیلی پالیسیوں اور خاص کر فلسطینیوں پر ڈھائے جانے والے اس کے مظالم کو ناقابلِ برداشت اور مجرمانہ فعل تصور کرتا ہے اور اس معاملے پر دنیا کے بہت بڑے حصے کا اتفاق رائے بھی ہے۔ دنیا کا بڑا حصہ اسرائیلی پالیسیوں اور فلسطینیوں کے خلاف اس کی کارروائیوں کو کس نظر سے دیکھتا ہے اس کا عکس اب تک اقوام متحدہ میں پیش کی جانے والی وہ قراردادیں ہیں جس میں اس کی مذمت کی گئی۔ یہ تمام مذمتی قراردادیں نمایاں اکثریت سے منظور ہوئیں۔ اقوامِ متحدہ کے سیکریٹری جنرل کوفی عنان نے حالیہ دنوں میں کہا ''پوری دنیا اسرائیل سے مطالبہ کر رہی ہے کہ وہ مقبوضہ فلسطینی علاقے خالی کرے۔ میں نہیں سمجھتا کہ پوری دنیا غلط ہو سکتی ہے۔''

(Quoted in "Forward" (Newyork City April 19,2002,P11)

صرف امریکہ ہی ایسا ملک ہے جہاں سیاست دان اور میڈیا اسرائیل اور اس کی پالیسیوں کی حمایت کرتے ہیں۔ عشروں سے امریکہ، اسرائیل کو حساس فوجی، سیاسی اور اقتصادی امداد فراہم کر چکا ہے بشمول ان 3 بلین ڈالر کے جو وہ ہر برس اسے دیتا ہے۔

امریکہ ہی کیوں اسرائیل کی پشت پناہی کرتا ہے؟

سوال یہ ہے کہ امریکہ ہی کیوں وہ اکیلا ملک رہ گیا جو اسرائیل کی حمایت کرتا ہے؟ جنوبی افریقہ کے بشپ ڈیسمنڈ ٹوٹو نے اس کی وجہ معلوم کر لی ہے۔ ڈیسمنڈ ٹوٹو کو 1984 میں امن کے نوبل انعام سے نوازا گیا تھا۔ امریکہ کی اسرائیل کے لئے غیر مشروط حمایت کی وجہ بتاتے ہوئے وہ کہتا ہے:

> ''اسرائیلی حکومت کو امریکہ میں ایک مقدس مجسمہ کی حیثیت حاصل ہے۔ اس پر تھوڑی بھی تنقید آپ کو یہود مخالف ثابت کرنے کے لئے کافی ہے (اور یہود مخالف کا مطلب ہے نازیوں کا حمایتی)۔
> اس بارے میں بتایا جاتا ہے کہ 1996 میں بل کلنٹن کے دوبارہ انتخاب کے لئے چلائی جانے والی مہم پر جتنے اخراجات آئے اس کا 50 فیصدا کیلے یہودیوں نے برداشت کیا۔''

(Janice Zacharia, "The Unofficial Ambassadors of the Jewsih State" The Jerusalem post (Israel April2,2000)

مائیکل میڈویڈ جو ایک معروف یہودی مصنف اور فلمی نقاد ہیں یہودی قوت اپنے انداز سے بیان کرتے ہیں۔

> ''یہودیوں کی امریکہ میں قوت اور اثر ونفوذ پر دو رائے نہیں ہیں۔ ہر برس بڑی بڑی فلمیں ریلیز ہوتی ہیں، ان کے پروڈیوسر اکثر و بیشتر یہودی ہی ہوتے ہیں۔''

جوناتھن ۔جے گولڈ برگ اپنی کتاب جیوش پاور (1996) میں لکھتا ہے:

"بیسویں صدی کے اختتام پر بھی ہالی ووڈ کا شمار ایسی صنعت کے طور پر ہوتا ہے جہاں ایک ہی نسل کو برتری حاصل ہے۔ تمام سینئر ایگزیکٹو اور تمام بڑے اسٹوڈیوز یہودیوں کے ہیں اور ہالی ووڈ پر ان کی اس اجارہ داری نے انہیں بے انتہا سیاسی قوت بنادیا ہے۔"

ایک اور رائے ملاحظہ فرمایئے اور پھر اس پورے پس منظر کو ذہن میں رکھتے ہوئے "ہولوکاسٹ" کی طرف آتے ہیں۔ یہ پس منظر سارے معاملے کو باآسانی سمجھانے میں انتہائی مفید ثابت ہوگا۔ 1941ء میں چارلس لینڈ برگ نے میڈیا اور حکومت میں امریکی طاقت کو خطرہ قرار دے ڈالا تھا۔ وہ 11 ستمبر 1941ء میں ڈس موئنز میں 7000 کے مجمع سے خطاب کر رہا تھا۔ اس نے یہ تقریر جنگ عظیم دوئم میں امریکہ کی شمولیت پر کی تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ تین بڑے گروپ امریکہ کو ہر صورت میں اس جنگ میں شامل کرانا چاہتے ہیں یہ گروپ ہیں برطانیہ، یہودی اور روزویلٹ انتظامیہ۔

ہولوکاسٹ پر یہودی مبلغین کی رائے

امریکی ثقافتی اور اکیڈمک زندگی پر یہودیوں کا یہی قبضہ ماضی کے حوالے سے امریکیوں کی سوچ پر بے انتہا اثر انداز ہوا ہولوکاسٹ کی یک طرفہ یہودی روایت کردہ کہانی کے پیچھے یہی سارے عوامل تھے جو اسے حقیقت بنا گئے۔ چلیے ہم نہ اپنا تبصرہ کرتے ہیں اور نہ ہی اس حوالے سے ہولوکاسٹ کے منکرین کے تبصرے کو اہمیت دیتے ہیں بلکہ خود یہودی اور ہولوکاسٹ کے بڑے مبلغ کا تبصرہ ملاحظہ فرمایئے۔ صرف یہی ایک تبصرہ بلکہ اعتراف دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کرنے کیلئے کافی ہے۔ اسرائیلی ہولوکاسٹ کے مؤرخ یہودا باوئر (Yahuda Bauer) جو ہر یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں، اپنے ریمارکس یوں دیتے ہیں چاہے یہ تصدیق شدہ ہو یا غیر تصدیق شدہ یہ تاریخی حقائق کے

ساتھ بیان کی گئی ہو یا پھر تاریخی حقائق کو پاؤں تلے روند کر۔۔۔۔۔سوچ سمجھ کر گھڑا گیا ہو یا پھر اندازے کی غلطی سے مگر "ہولوکاسٹ" اب ہماری ثقافتی علامت بن چکا ہے۔ مشکل سے ہی کوئی مہینہ ایسا گزرتا ہوگا جس میں کوئی ایسی نئی ٹی وی پروڈکشن، یا نئی فلم، یا نیا ڈرامہ، یا نئی کتابیں، یا نئی شاعری منظرِ عام پر نہ آتی ہو جو اس موضوع پر مبنی ہو، سیلاب بڑھتا جا رہا ہے نہ کہ اس میں کوئی کمی ہو رہی ہے۔

(Form a 1992 Lecture, Published in: David Cesarani,ed, The Final Solution Origins and implementation (London and Newyork: Routledge, 1994)PP.305-306)

ہولوکاسٹ کے ایک بہت بڑے یہودی مؤرخ کے مندرجہ بالا اعتراف کے بعد تو اس معاملے میں شک نہیں رہتا کہ کس طرح یہودیوں نے اپنی قوت کو ایک افسانے کی تاریخی حقیقت بنانے کے لئے استعمال کیا اور اتنی کامیابی سے کہ اعترافات کے باوجود یہ افسانہ ایک تاریخی حقیقت ہی سمجھا جا رہا ہے۔ کتنی مہارت سے یہ سب کچھ کیا گیا اس کا اندازہ اسی سے لگا لیجئے کہ غیر یہودی عوام جنگ عظیم دوم میں اتحادیوں کی کروڑوں ہلاکتوں اور ان 12 تا 14 ملین جرمنوں کے مصائب کے بارے میں کچھ نہیں جانتے جن میں سے 20 لاکھ 1942ء تا 1949 کے دوران ہجرتوں اور دیگر مصائب کا سامنا کرتے ہوئے ہلاک ہو گئے۔ عوام کو اگر یاد ہے تو بس یہی افسانہ کہ جرمنوں نے 60 لاکھ یہودی مار دیئے تھے۔ انہیں گیس چیمبرز میں جلا دیا گیا تھا۔ ان کی لاشیں بخارات میں تبدیل کر دی گئیں اور جو بچ گئی تھیں ان کی چربی سے جرمن فوجوں کے لئے صابن بنائے گئے۔ اسی کو کمال کہتے ہیں اور شاید اسی کی طرف مشہور مفکر اور دانشور Schipenhauer نے اشارہ کر کے کہا تھا "They are the master of Lies" مالی طور پر انتہائی مستحکم ہولوکاسٹ میڈیا اور تعلیمی مہم اسرائیل کے مفادات کیلئے انتہائی ضروری ہے۔

Yale یونیورسٹی میں جدید یہودی تاریخ کا پروفیسر پاولا ہیمن (Paula Hyman)

نے اسی حقیقت کو کچھ اس طرح بیان کیا:

''جہاں تک اسرائیل کا تعلق ہے تو ہولوکاسٹ سیاسی تنقید اور اس کی طرف اٹھنے والی انگلیوں کا رخ موڑنے کیلئے مؤثر ترین ہتھیار ہے۔ یہ (ہولوکاسٹ کا افسانہ) یہودیوں میں یہ احساس پیدا کرتا ہے کہ صرف تم ہی آپس میں ایک ہو جو اپنے دفاع کے لئے صرف ایک دوسرے پر اعتماد کر سکتے ہیں۔ یہ ہولوکاسٹ اور نازیوں کے ہاتھوں یہودیوں پر ہونے والے مظالم ہی اسرائیلی حکومت کو قانونی حیثیت دیتے ہیں۔''

(Paula E.Hyman, "New Debate on the Holocaust" The Newyork Times Magazine, sept14,1980, P.79)

ہولوکاسٹ کے تابوت میں آخری کیل

زائمن ویزتھ 31 دسمبر 1908ء موجودہ یوکرائن کے صوبے کیلشیا (آج کل بوچاک) کے ایک قصبے میں پیدا ہوا۔ اس زمانے میں یہ آسٹرو، ہنگری سلطنت کا حصہ تھا۔ زائمن کا باپ چینی کے ہول سیل کاروبار سے وابستہ تھا اور کافی خوشحال تھا۔ یہ شخص 40 برسوں میں سینکڑوں نازی ''مجرموں'' کی شناخت کر چکا ہے۔ اور یوں ''نازیوں کا شکاری'' کے لقب کا مستحق ٹھہرا۔ اس کا کام بس یہی ہے کہ ویانا (آسٹریا) میں ''یہودی دستاویزاتی مرکز'' (Jewish Documentation Centre) میں موجود ''دستاویزات'' کا مطالعہ کرتا رہے اور پھر ایک نئے نازی شکار کے ساتھ منظرِ عام پر آجائے۔ نازیوں کے اس شکاری کو اب تک متعدد میڈلز سے نوازا گیا ہے جن میں جرمنی کا اعلیٰ ترین ''ڈیکوریشن'' ایوارڈ بھی شامل ہے۔ 1988 میں وائٹ ہاؤس میں ایک تقریب کے دوران سابق امریکی صدر کارٹر جب زائمن ویزنتھل کو امریکی کانگریس کی

طرف سے خاص گولڈ میڈل عطا کر رہے تھے تو جمی کارٹر کے لئے اپنے آنسو روکنا مشکل لگ رہا تھا۔ نومبر 1988ء میں ایک اور سابق امریکی صدر ریگن نے اس شخص کو" موجودہ صدی (بیسویں صدی) کے" سچے ہیروز" میں سے ایک قرار دیا۔ بس یوں سمجھئے یہ شخص ایک لیجنڈ کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہولوکاسٹ کے پرچاریوں کے پاس سوائے اس شخص کے اور باقی ہے بھی کیا جسے وہ اپنے من گھڑت افسانے کے ثبوت کے طور پر پیش کر سکیں۔ لارنس اولیور نے 1978ء میں اپنی فلم" دی بوائز فرام برازیل" میں (The boys from Brazil) زائمن ویزنتھل کو ایک ایسے طلسماتی روپ میں پیش کیا ہے کہ یہ شخص سچ مچ بیسویں صدی کا" عظیم ترین" ہیرو لگتا ہے۔ یہودی ٹی وی چینل HBO نے کئی قدم آگے بڑھتے ہوئے زائمن کے نام پر ہی فلم بنا ڈالی۔ 1989ء میں ٹی وی پر دکھائی جانے والی بن کینگسلے (Benkingsley) کی فلم کا نام تھا۔ "Murderers AmonIls: The Simo Welsen Thal Story" ہولوکاسٹ افسانے کا پرچار کرنے والی ایک نمایاں ترین تنظیم کا تو نام ہی زائمن ویزنتھل سینٹر آف لاس اینجلس ہے۔ واشنگٹن پوسٹ نے اس شخص کو" ہولوکاسٹ کا حملہ آور فرشتہ" کہا ہے مگر زائمن ویزنتھل نامی ہولوکاسٹ کے اس دیوتا کی زندگی بذات خود ہولوکاسٹ نامی جھوٹ سے کسی طور کم نہیں، نہ حجم میں اور نہ ہی مقدار میں۔ اس نے اپنے جنگی تجربات، جنگ کے بعد نازیوں کے شکار کے حوالے سے کامیابیوں کے سلسلے میں اتنے جھوٹ بولے ہیں کہ صورتحال اب خود اس کے لئے بھی سنبھالنی مشکل ہوگئی ہے۔ اب جھوٹے افسانے کے جھوٹے گواہ کے طور پہ وہ جتنی جھوٹی گواہیاں دے سکتا تھا اس نے دیں مگر" ہر دفعہ وہ بھول جاتا کہ پچھلی دفعہ اس موضوع پر اس نے کیا کہا تھا" ہولوکاسٹ کے منکرین کے لئے یہ شخصیت بہت اہم تھی اپنے مؤقف کو سچ ثابت کرنے کے لئے انہوں نے زائمن ویزنتھل کی زندگی پر بھی گہری تحقیق کی خاص کر مارک ویبر (Mark Weber) نے۔ آیئے دیکھتے ہیں یہ تحقیق اس شخص کے بارے میں کیا کہتی ہے۔ زائمن ویزنتھل پر بہت

کچھ لکھا جا چکا ہے مگر ابھی تک یہ عقدہ کھل نہیں پایا کہ جرمن قبضے کے دوران جنگ کے دنوں میں ویزنتھل کا کیا کردار تھا۔ اپنی جنگی سرگرمیوں کے حوالے سے اس نے تین مختلف مواقع پر تین مختلف اور باہم متضاد کہانیاں بیان کیں۔ پہلا موقع وہ تھا جب اس نے مئی 1948ء امریکی نورم برگ وار کرائمز کمیشن کو تفتیش کے سلسلے میں حلفیہ بیان دیا۔ دوسرا موقع وہ تھا جب اس نے جنوری 1949ء میں انٹرنیشنل ریفیوجی کمیٹی "Application for Assistance" کے حصے کے طور پر اپنی سرگرمیوں سے متعلق سمری پیش کی۔ تیسرا موقع سب سے زیادہ تفصیلی تھا جب اس نے 1967ء میں شائع ہونے والی "The Murderers Amongus" کے عنوان سے اپنی سوانح عمری ترتیب دی۔ پہلا سوال یہ سامنے آتا ہے کہ آیا وہ روسی انجینئر تھا یا پھر فیکٹری میں بطور آرکیٹیکٹ کے کام کیا؟ مگر ادھر اس کی سوانح عمری کچھ اور کہتی ہے۔ اس کی سوانح عمری کے مطابق اس نے وسط دسمبر 1939ء سے جون 1941ء کا عرصہ سوویت کے زیر حکومت ایل ووف (L vov) میں گزارا جہاں بیڈ اسپرنگ تیار کرنے والی ایک فیکٹری میں بطور مکینک کام کرتا رہا۔ (بحوالہ: Inerrogation of S. Wiesenthal,May 27,PP 1-2 The Murderess (Amont us, P.27 1948) جون 1941ء میں جب جرمنی نے گیلشیا صوبے پر قبضہ کر لیا تو ویزنتھل کو ایل ووف کے نزدیک ''جینوسکا'' نامی کیمپ میں لایا گیا۔ چند مہینے بعد اسے مرمت کے مقاصد کیلئے استعمال ہونے والے کیمپ میں منتقل کر دیا گیا۔ یہ کیمپ بھی ایل ووف میں تھا۔ اپنی سوانح عمری میں ویزنتھل لکھتا ہے ''یہاں میں نے بطور ٹیکنیشن اور ڈرافٹسمین کام کیا'' ویزنتھل کے مطابق یہاں اس کے ساتھ انتہائی اچھا سلوک کیا گیا اور اس سے صرف ایک درجے اعلیٰ عہدے پر فائز اس کا آفیسر ''رازدارانہ طور پر نازی مخالف'' تھا۔ اس کی آفیسر نے اسے دو پستول تک رکھنے کی اجازت دی ہوئی تھی۔ اس کا آفس لکڑی کے بنے ایک چھوٹے سے ہٹ پر مشتمل تھا۔ جہاں اسے قدرے آزادی

حاصل تھی اور وہ کئی گز تک گھوم سکتا تھا۔

(بحوالہ: The Muderes PP.29-35)

یاد رہے کہ ویز نتھل کا مندرجہ بالا بیان اس کے 1948ء اور 1949ء کے بیان سے سراسر مختلف ہے۔ ویز نتھل کی زندگی کا اگلا حصہ اکتوبر 1943ء تا جون 1944ء پر مشتمل ہے اور یہیں سے زیادہ مخمصے کا شکار کر دینے والا ہے۔ اس مرحلے کے حوالے سے اس کے تمام بیانات متضاد ہیں۔ 1948ء میں اپنی تفتیش کے دوران ویز نتھل نے بتایا کہ وہ جینوسکا کیمپ سے فرار ہوا اور تارنوپول، کامینو پوڈلسک نامی علاقے میں فعال ہم خیال سرفروش گروپ میں شامل ہو گیا۔ ویز نتھل کا کہنا تھا کہ میں 6 اکتوبر 1943ء سے لیکر فروری 1944ء کے وسط تک اسی گروپ سے وابستہ رہا۔ اس نے واضح طور پر بتایا کہ اس یونٹ کے ساتھ مل کر اس نے یوکرائنی فوج (دونوں ایس ایس کیلشیا ڈویژن اور انڈی پینڈنٹ UPA) کے خلاف جنگ لڑی۔ ویز نتھل کے مطابق وہ اس گروپ میں پہلے لیفٹیننٹ اور بعد میں میجر کے عہدے پر فائز رہا اور میری ذمہ داری یہ تھی کہ میں بنکر وغیرہ تعمیر کراؤں۔ اگرچہ اسے حتمی یقین تو نہیں تھا مگر اس کا خیال تھا اس کی یونٹ پیپلز آرمی (Armia Lundowa) کا حصہ تھی۔ یہ پولش کمیونسٹ ملٹری فورس تھی جو سوویت روس نے بنائی تھی اور اسی کے لئے لڑ رہی تھی۔ (Interrogation of Mya 28,1948 ,PP.1-2 and PP.5) ویز نتھل کے مطابق وہ اور اس کا گروپ فروری 1944ء میں ایل ووف (L vov) میں چھپ گیا جہاں پیپلز آرمی کے ''خفیہ دوستوں'' نے انہیں چھپائے رکھا۔ 13 جون 1944ء میں اس کا گروپ جرمن سیکرٹ فیلڈ پولیس کے ہاتھوں گرفتار ہوا۔ 1949ء میں بھی ویز نتھل نے تقریباً یہی کہانی بیان کی۔ جب اس سے پوچھا گیا کہ جرمن فوج جو چھپے ہوئے یہودیوں کو گرفتار کرتے ہی مار ڈالتی تو پھر وہ کیسے بچ گیا۔ ویز نتھل کا جواب تھا میں کسی طرح بچ نکلا۔ بہر حال 1947ء میں اپنی سوانح عمری میں زائمن ویز نتھل ایک بالکل ہی مختلف کہانی بیان کرتا

ہے۔ وہ کہتا ہے:

''12 اکتوبر 1943ء کو کیمپ سے فرار ہونے کے بعد میں 13 جون 1944ء تک اپنے کچھ دوستوں کے گھروں میں چھپ کر رہا۔ جہاں سے اسے پولش اور جرمن پولیس نے گرفتار کرلیا اور اسے ایک کنسنٹریشن کیمپ میں لے آئے۔''

سوانح عمری میں اس نے اس کا تذکرہ نہیں کیا کہ وہ کس یونٹ میں شامل ہوا تھا اور یوکرائنی اور نازی فوج کے خلاف لڑتا رہا تھا۔ (The Murderers Amont us: PP.35.37) 1948ء کی اس کی تفتیش اور پھر 1967ء میں سوانح عمری سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ 15 جون 1944ء کو اس نے اپنی کلائیاں کاٹ کر خودکشی کی کوشش کی۔ مگر حیرانی کی بات یہ ہے کہ جرمن SS ڈاکٹروں نے اس کی جان بچائی۔ صحت یاب ہونے تک وہ SS اسپتال میں رہا۔ ایل ووف کے اس کیمپ میں اسے ''دگنا راشن'' دیا جاتا رہا اور پھر وہاں سے اسے کئی دیگر کیمپوں میں یکے بعد دیگرے منتقل کیا جاتا رہا۔ اس نے جنگ کے اختتام تک باقی مہینے کیمپوں میں گزارے۔ 5 مئی 1945ء کو امریکی فوجوں نے اسے موتھوسن نامی آسٹرین کیمپ سے آزاد کرایا۔

(The Muderers Among us:PP 39-44 Inlerrogation, May 27, 1948, PP,2-3)

یہاں فوری طور پر تین سوال پیدا ہوتے ہیں:

ا۔ کیا ویزنتھل نے جنگی ہیرو ظاہر کرنے والی یہ کہانی ایجاد کی تھی؟

۲۔ یا بعد میں اس نے یہ ریکارڈ چھپا دیا کہ وہ کمیونسٹ جنگجو رہا تھا؟

۳۔ یا پھر حقیقی کہانی سرے سے ہی مختلف ہے؟

آگے بڑھتے ہیں ان تمام سوالات کے جوابات آپ کو مل جائیں گے اور یہی کیا بلکہ ابھی کئی سوالات ہیں جو جواب طلب ہیں۔ کیا ویزنتھل نے جنگ کے دنوں

میں اپنے صیادوں کے لئے رضا کارانہ کام کیا؟ یہ وہ الزام ہے جو آسٹریا کے چانسلر برونو کریسکی نے اس پر لگایا۔ برونو کریسکی بذات خود بھی یہود النسل ہے اور کئی برسوں تک اپنے ملک کی سوشلسٹ پارٹی کا لیڈر رہا ہے۔ 1975ء میں غیر ملکی صحافیوں کو انٹرویو دیتے ہوئے آسٹریا کے چانسلر برونو کریسکی نے ویز نتھل پر الزام لگایا کہ وہ مافیا کے طریقے استعمال کرتا ہے۔ کریسکی نے اس کی اخلاقی ساکھ کو سرے سے مسترد کر دیا اور یہاں تک کہہ دیا کہ یہ شخص (زائمن ویز نتھل) جرمنوں کا ایجنٹ تھا۔ برونو کریسکی نے بہت کچھ کہا جو سب اگلے دن آسٹریا کے تمام نیوز میگزین پر وفائل میں شائع ہوا۔ برونو کریسکی کا انٹرویو خود اس کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں۔ ''میں حقیقتاً مسٹر ویز نتھل کو خفیہ رپورٹوں سے جانتا ہوں اور یہ تمام رپورٹیں انتہائی بری اور شرمناک ہیں۔ میں یہ سب کچھ بحیثیت فیڈرل چانسلر کے کہہ رہا ہوں اور میں یہ کہتا ہوں کہ مسٹر ویز نتھل کا گستاپو سے بالکل مختلف تعلق تھا بہ نسبت میرے تعلق کے۔ ہاں سچ ہے اور ثابت کیا جا سکتا ہے میں (اب) مزید کچھ نہیں کہہ سکتا۔ باقی سب کچھ عدالت میں کہوں گا۔'' اسی انٹرویو میں آسٹرین چانسلر آگے کہتا ہے۔ ''گستاپو سے میرا تعلق بالکل واضح اور شفاف ہے (گستاپو نازی جرمنی کی سیکریٹ پولیس تھی) میں ان کا قیدی تھا، ان کا دشمن اور مجھ سے تفتیش کی گئی۔ اس (ویز نتھل) کا تعلق قطعی مختلف تھا۔ یہ میں کہہ سکتا ہوں اور ایک دن یہ حقیقت سامنے آجائے گی۔ جو کچھ میں نے پہلے کہا وہ کافی برا ہے مگر وہ پریس میں مجھ پر کیچڑ اُچھال کر خود کو صاف نہیں کر سکتا، جیسا کہ اس کی خواہش ہے۔ یہ اتنا سادہ معاملہ نہیں۔ اس کے لئے بڑی عدالت لگے گی۔ اس جیسے آدمی کیلئے یہ قطعاً مناسب نہیں کہ وہ خود کو اخلاقیات کی اتھارٹی قرار دے۔ اسی لئے میں کہتا ہوں۔۔۔ اسے ایسا کہنے کا حق نہیں۔۔۔ برونو کریسکی سخت غصے میں تھے اور غیر ملکی صحافیوں کے ہجوم میں تو وہ جیسے پھٹ پڑے تھے۔ وہ بولتے رہے ''یہ بندہ جو میری نگاہ میں ایجنٹ تھا، ہاں وہ ایجنٹ ہے اور وہ مافیا کے ہتھکنڈے استعمال کرتا ہے ایسا بندے کو جانا ہے۔۔۔ ''وہ کوئی شریف آدمی

نہیں اور میں یہ بار بار کہوں گا کہ کہیں وہ خود کو اخلاقی اتھارٹی نہ قرار دے دے کیونکہ وہ ہے نہیں۔ اسے خود کو اخلاقیات کا بادشاہ ظاہر نہیں کرنا چاہیے۔۔۔" میں کہتا ہوں کہ مسٹر ویز نتھل نازیوں کے علاقے میں رہا مگر اس پر کوئی ظلم نہیں ہوا صحیح؟ اور وہ بغیر کسی تشدد کا سامنا کئے آزادی سے گھومتا پھرتا رہا تھا۔ صحیح؟ کیا بات صاف ہوگئی اور شاید تم جانتے ہو کہ اس وقت کیا کیا کچھ ہو رہا تھا۔ کوئی بھی ایسا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔""" وہ کوئی "سب میرین" تو نہیں تھا کہ یہاں چھپ گیا یا وہاں۔ بلکہ وہ تو آزادانہ گھومتا پھرتا رہا تھا پکڑے جانے کے کسی اندیشے کے بغیر۔ میرے خیال میں اتنا کافی ہے۔ اس وقت ایجنٹ بننے کے کئی مواقع دستیاب تھے۔ ضروری نہیں کہ وہ صرف گسٹاپو کا ہی ایجنٹ ہو وہاں اس کے علاوہ بھی کئی خدمت کے مواقع موجود تھے۔ (Interview with Foreigh Journalist in Vienna,Nov,10,1975,) ہم نے آسٹرین چانسلر برونو کریسکی کے انٹرویو سے کچھ اقتباسات من و عن تحریر کیے ہیں۔ اسے ذہن میں رکھیے گا۔ کریسکی کے ایسے بھیانک الزامات کے جواب میں مسٹر ویز نتھل نے عدالت میں کیس دائر کر دیا مگر جلد ہی معاملہ رفع دفع کرا دیا گیا۔

ہولوکاسٹ پوری دنیا کو گمراہ کرنے کا ہتھکنڈہ

مارک ویبر کی تحقیق جیسے جیسے آگے بڑھتی گئی ہولوکاسٹ کے اس خود ساختہ دیوتا کے بارے میں وہ انکشافات سامنے آئے جنہیں اس پورے افسانے کے من گھڑت ہونے کا حتمی ثبوت کہا جا سکتا ہے۔ بطور "نازیوں کا شکاری" مشہور ہونے سے پہلے زائمن ویز نتھل نے اپنے لئے "پروپیگنڈہ باز" کا لقب اختیار کیا تھا۔ 1946ء میں اس نے 35 صفحات پر مشتمل خاکوں پر مبنی ایک کتاب شائع کی۔ اس کتاب کا نام تھا۔ "KZ Mauthausen" زائمن ویز نتھل نے ان خاکوں کو اپنا شوق بتایا اور اس کے ذریعے "موتھازن" (Mauthausen) نامی نازی کیمپ میں یہودیوں پر ہونے والے مظالم

کو اُجاگر کیا۔ ان میں سے ایک خاکے میں تین یہودی محصورین کو جرمنوں کے ہاتھوں انتہائی ظالمانہ طریقے سے قتل ہوتے ہوئے دکھایا گیا تھا۔

(ملاحظہ ہو: Simo wiesenthal,KZ Mauthausen Linz and Vienna: Ilbis.Veriag 1946 Fasimile Report in: Report H.Drechsler Simon Wiescuthal Documentation Vienna:1982.P.64)

یہ خاکہ سراسر جھوٹا تھا۔ معاملہ یہ تھا کہ دسمبر 1944ء میں بلج کی لڑائی (Battle of Bulge) کے بعد تین جرمن جاسوس گرفتار ہوئے۔ بعد میں ان تینوں جاسوسوں کو قتل کر دیا گیا۔ لائف میگزین نے 1945 میں یہ پورا معاملہ ایک خاکے کی صورت میں شائع کیا۔ زائمن ویزنتھل نے یہ خاکہ معمولی ردوبدل کے ساتھ اپنی کتاب KZ Mauthause میں اپنی تخلیق کے طور پر شائع کیا۔ بات یہیں تک رہتی تو بھی خیر تھی مگر ویزنتھل نے خاکے کا پس منظر ہی الٹ کر رکھ دیا۔ اپنی کتاب میں شائع ہونے والے اس خاکے میں اس نے یہ دکھایا کہ نازی کس ظالمانہ طریقے سے موتھاسن نامی کیمپ میں محصورین کو قتل کر رہے تھے۔ زائمن ویزنتھل کی کتاب میں چھپے اس خاکے کا لائف میگزین کے خاکے سے تقابل کر کے دیکھئے تو اندازہ ہوتا ہے کہ یہ شخص جھوٹے پروپیگنڈے کیلئے کیسے کیسے طریقے اختیار کرتا رہا۔

(ملاحظہ ہو: "Firing Squad", Life Magazine, US Edition, June 11,1945 P.50)

ویزنتھل کی کتاب کس قدر غیر ذمہ داری کا شاہکار تھی۔ اسکی دوسری مثال کتاب میں شامل موتھاسن نامی کیمپ کے کمانڈر کا اعتراف جرم ہے۔ کیمپ کے کمانڈر فرانز زیریز کے مطابق صرف ایک کیمپ میں 40 لاکھ محصورین کو کاربن مونو آکسائیڈ گیس کے ذریعے سے ہلاک کیا گیا۔ اس مقصد کیلئے موتھاسن کے قریب ہارتھین سیلائٹ نامی کیمپ استعمال کیا گیا۔ یہ دعویٰ سراسر جھوٹا تھا اور خود ہولوکاسٹ کے مورخ بھی اس

دعوے کو مسترد کر چکے ہیں۔ زائمن ویزنتھل نے کیمپ کمانڈر زیریز کا یہ اعتراف بھی اسی کتاب میں شامل کیا ہے کہ جرمنوں نے پولینڈ، لیتھوینیا، اور لیٹویا میں مزید 10 ملین لوگ قتل کیے۔ بعد میں یہ حقیقت آشکارا ہوئی کہ یہ جھوٹا اعتراف جرم تشدد کے ذریعے حاصل کیا گیا۔ آر۔ فائسن، ہینز فریٹز شے، جیرالڈر ریٹلنگر اور مارک ویبر نے اپنی تحقیق میں موتھاسن کے کیمپ کمانڈر کے اس اعتراف جرم کا پول کھول کے رکھ دیا تھا۔ یہ معاملہ اتنا بگڑ گیا کہ ہولوکاسٹ کے سنجیدہ مؤرخین نے بھی اسے جھوٹا قرار دے کر اس سے بریت کا اعلان کر دیا۔ ادھر ویزنتھل کئی برس بعد تک موتھاسن کے حوالے سے جھوٹ بولتا رہا۔ 1983ء میں اس نے یو ایس اے ٹوڈے نامی امریکی روزنامے کو ایک تفصیلی انٹرویو دیا۔ اس انٹرویو میں ویزنتھل نے بتایا ''میں ان 34 قیدیوں میں سے ایک تھا جو موتھاسن میں قید 150,000 قیدیوں میں سے زندہ بچ گئے تھے۔ بھلکڑ جھوٹ بولنے کی مثال اس شخص پر صادق آتی ہے۔ اپنی سوانح عمری میں اس نے صاف لکھا تھا۔ کہ 5 مئی 1945ء کو امریکی فوجیوں کے آزادی دلانے تک موتھاسن کیمپ میں 3,000 قیدی ہلاک ہوئے تھے۔ دوسری طرف موتھاسن کیمپ پر انتہائی معیاری سمجھی جانے والی کتاب میں مصنف ایولن لی چینے نے مئی 1945ء میں موتھاسن کیمپ کی آزادی کے وقت قیدیوں کی تعداد 64,000 بتائی تھی۔ دکھائے جانے والے محصورین کی تعداد 212,000 تھی خود یہودیوں کے انسائیکلو پیڈیا جوڈیکا کے مطابق موتھاسن کیمپ میں دکھائے جانے والے محصورین کی تعداد 212,000 تھی۔

(USA Today, April 21, 1983, P.9A The Murderers Us, P.44 Evelyn Chenc, Mauthausen: The History of Death Camp (London 1971) P.166-168. 190-191 "Mauthausen" Encylopedia Judacla (New York Jerusalem: 1971) Vol.II P.1138)

جنگ کے بعد زائمن ویزنتھل نے یو ایس آفس فار اسٹریٹیجک سروس (سی آئی

اے کے لئے کام کرنے والا ادارہ) اور یو ایس آرمیز کاونٹر انٹیلی جنس کارپس (CIC) کے لئے کام کیا۔ وہ آسٹریا میں امریکی زیرِ قبضہ علاقے میں جیوش سینٹرل کمیٹی کا وائس چیئرمین بھی تھا۔

یہودیوں کی چربی سے صابن بنانے کا جھوٹا دعویٰ

ہولوکاسٹ کے متعلق ایک اور کہانی بھی بڑی مشہور ہوئی۔ اس کہانی کے مطابق جرمن نازی، یہودیوں کو قتل کر کے ان کی چربی سے اپنے لئے صابن بناتے۔ اس کہانی کے ترتیب دینے والوں کا کہنا تھا کہ صابن کی فیکٹری پر درج RIF کے حروف کا مطلب تھا:"Rlen Judisisches Fett" یعنی ''خالص یہودی چربی'' حالانکہ RIF سے مراد ہے "Reichstellefur Indusirielle Fettbersergung" یعنی نیشنل سینٹر فار انڈسٹریل فیسٹ پروویژننگ)۔

(National Centre(Mark Weber,"Jewsih Soap" The Journal for Industrial Fast Provisioning of Historical Review Summer 1991,(Vol 11,No.2) PP. 217-227)

زائمن ویزنتھل نے یہودی چربی سے صابن بنانے کے اس افسانے کی خوب خوب ترویج کی۔ 1946ء میں آسٹرین جیوش کمیونٹی کے اخبار Der Neue Weg ("The New Path") میں اس کے کئی آرٹیکل صرف اس موضوع ''یہودی صابن'' پر شائع ہوئے۔ اپنے ایک آرٹیکل میں زائمن ویزنتھل لکھتا ہے ''ٹرانسپورٹ فار سوپ'' کا خوفناک لفظ پہلی بار 1942 کے اواخر میں سنا گیا۔ یہ پولینڈ کی حکومت تھی اور یہودی صابن بنانے کی یہ فیکٹری گیلشیا (بالزیک) میں قائم تھی۔ اپریل 1942ء سے مئی 1943ء کے دوران 9 لاکھ یہودیوں کو اس فیکٹری میں بطور خام مال استعمال کیا گیا۔ لاشوں کو کئی قسم کے خام مواد میں تبدیل کرنے کے بعد باقی بچ جانے والی چربی سے صابن تیار کیا جاتا۔'' ویزنتھل نے آگے لکھا ''1942ء میں پولینڈ کی جنرل حکومت میں

عوام اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے کہ "RIF" حروف کا کیا مطلب ہے۔ تہذیب یافتہ دنیا یقین نہیں کرے گی کہ کس خوشی سے نازی اور ان کی عورتیں یہ صابن استعمال کرتی تھیں۔ صابن کی ہر ٹکیہ میں انہیں ایک یہودی نظر آتا تھا جسے جادو کے ذریعے اس میں بند کر دیا گیا تھا اور یوں فرائیڈ، ارلیک یا آئن اسٹائن جیسے کسی اور یہودی کی پیدائش کا راستہ بند کر دیا گیا تھا۔''

یہودیوں کو ذبح کرنے کا جھوٹا دعویٰ

تخیلاتی صلاحیتوں سے مالا مال زائمن ویز نتھل کا تصورِ ہولوکاسٹ یہیں نہیں رکتا۔ 1946 میں شائع ہونے والے اپنے ایک آرٹیکل 'بالز یک سوپ فیکٹری'' میں زائمن ویز نتھل نے دعویٰ کیا کہ یہودیوں کو بجلی کی مشین سے ذبح کیا جاتا۔ وہ لکھتا ہے کہ

> ''نازی، لٹوین اور یوکرائنی فوج لوگوں کے ریوڑ کو ایک کھلے دروازے کے ذریعے حمام میں داخل کرتی۔ ایک وقت میں 500 افراد اس میں سما سکتے تھے۔ حمام (باتھ چیمبر) کا فرش دھات کا بنا ہوا تھا۔ جبکہ شاور چھت سے لٹکے ہوئے تھے۔ جب کمرہ بھر جاتا تو نازی 5,000 وولٹ کا بجلی کا کرنٹ دھاتی پلیٹ کے فرش میں گزارتے۔ ایک مختصر سی چیخ سنی جاتی اور قتل عام مکمل ہو جاتا۔ شامٹ (Schamidt) نامی نازی ڈاکٹر ایک چھوٹے سے سوراخ سے اس امر کا جائزہ لیتا کہ آیا تمام لوگ مر چکے ہیں دوسرا دروازہ کھول دیا جاتا اور لاشوں پر مامور کمانڈر تیزی سے اندر بڑھ کر مردوں کو وہاں سے ہٹا دیتا۔ اب یہ اگلے 500 افراد کیلئے تیار حالت میں ہوتا''۔

(Der Neus Weg (Viennaa),No.17/18, 1946,PP.45.

Article Entitled "RIF" by Ing.Wiesethal (Simon Wieslenthal) and Nr.19/20, 1946 PP.14-15, Article Entitled "Sel Fenfabrik Belsets" (Belzec Soap Factory)

آج خود ہولوکاسٹ کے مبلغین ''یہودی صابن'' کے اس افسانے کو مسترد کر چکے ہیں اور کوئی بھی یہ کہانیاں درست تسلیم نہیں کرتا کہ یہودیوں کی چربی سے صابن بنایا جاتا یا پھر انہیں بجلی کا کرنٹ دے کر ہلاک کیا جاتا۔ زائمن ویزنتھل ایک ایسا تخیلاتی شخص تھا جو ہولوکاسٹ کے حوالے سے تو افسانے گھڑنے میں لاثانی تھا ہی دیگر مواقع پر بھی اس نے اپنی تخیلاتی صلاحیت کا محیر العقول ہونا ثابت کیا۔ اس کا یہ تخیل صرف بیسویں صدی تک محدود نہ تھا بلکہ اسے پانچ چھ سو برس پہلے کی دنیا تک لے جاتا ہے۔ مثال کے طور پر کرسٹوفر کولمبس کا معاملہ ہی لے لیجئے۔ کولمبس کے بارے میں اس کے اس تخیل نے اتنی دور کی کوڑی لائی ہے کہ خود مؤرخین بھی انگشت بدندان ہیں۔ زائمن ویزنتھل اپنے تخیلاتی گھوڑے دوڑاتے ہوئے کہتا ہے ''کرسٹوفر کولمبس درحقیقت ایک یہودی تھا مگر اس نے یہ بات راز ہی میں رکھی۔ 1942 میں دنیا کے مغربی نصف کرّے کی سیر کا اس کا مقصد دراصل یورپ کے یہودیوں کیلئے ایک الگ وطن تلاش کرنا تھا۔''

(بحوالہ: Simon Siesenthal "Salic of Hope"

Macmillau,1973.)

دو اور دھماکے

پھر 1975ء اور 1993 کے دوران زائمن ویزنتھل نے دو ایسے دھماکے کر دیئے جس نے ہولوکاسٹ کے افسانے کی بنیادیں جڑ سے اکھاڑ دیں۔ 1975ء اور پھر 1993 میں جھوٹوں کے اس بادشاہ نے عوامی سطح پر یہ اعلان کر دیا کہ ''جرمن سرزمین پر قتلِ عام کا کوئی کیمپ نہ تھا۔''

(ملاحظہ ہو: Letters by Wisenthal in Books and Bookman (London), April ,P.5, and Stars & Stripes (European Edition) Jan 24, 1983, P.14)

1975ء میں پہلی بار یہ دھماکے کرنے کے بعد زائمن ویزنتھل نے تو جیسے یہودی کمیونٹی میں زلزلہ برپا کر دیا تھا۔ 12 مئی 1986ء کو اس نے سینٹرل اسٹیٹ یونیورسٹی ایڈمنڈ، اوکلوہام کے پروفیسر جان جارج کے نام ایک خط میں اپنے بیان سے منکر ہوتے ہوئے کہا۔

''میں نے کبھی یہ نہیں کہا کہ جرمنی کی سرزمین پر قتلِ عام کا کوئی کیمپ تھا یہ سب جھوٹ ہے میں کبھی بھی ایسی بات نہیں کہہ سکتا۔''

ویزنتھل نے 1993ء میں ایک دفعہ پھر یہ اعلان کر دیا کہ

''جرمنی کی سرزمین پر قتل عام کا کوئی کیمپ تھا ہی نہیں۔''

(بحوالہ: Stars & Stripes,Jan 24, 1993, P .14)

زائمن ویزنتھل کے اس بیان کا مطلب تھا کہ جنگ کے بعد نورم برگ ٹربیونل میں اس کے یہ دعوے سراسر جھوٹے تھے کہ بوچن والڈ، داکھاؤ اور دیگر کیمپوں میں قتلِ عام کیا گیا تھا۔

نازی ہنٹر

زائمن ویزنتھل کا لقب ''نازیوں کا شکاری'' تھا اور وہ اس پر بڑا ہی ناز کرتا۔ آج بھی زائمن ویزنتھل کے حوالے سے کوئی رپورٹ کوئی خبر، کوئی ٹی وی فلم وغیرہ یا پھر ہولوکاسٹ کے حوالے سے کہیں اس کا تذکرہ آئے تو بجائے اس کا نام لینے کے اسے ''نازی ہنٹر'' یعنی نازیوں کا شکاری ہی لکھا اور بولا جاتا ہے۔ آیئے ذرا اس کے شکاروں پر نظر ڈالتے ہیں۔ یوں تو ویزنتھل نے کئی شکار اپنے نام سے منسوب کئے ہیں مگر ان میں سب سے زیادہ شہرت ایڈولف ایکمین کو حاصل ہوئی۔ ایکمین جنگ کے دنوں میں ایس

ایس جیوش افیئر ڈیپارٹمنٹ کا سربراہ تھا۔ مئی 1960ء میں اسرئیلی ایجنٹوں نے اسے ارجنٹائن سے گرفتار کرلیا جہاں سے اسے اسرائیل لایا گیا۔ یروشلم میں اس پر مقدمہ چلا اور پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ اس کیس نے دنیا بھر کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی تھی۔ زائمن ویز نتھل ایڈولف ایکمین کے ٹھکانے کے بارے میں اطلاعات فراہم کرنے اور پھر بعد میں اسے گرفتار کرانے کو اپنی سب سے بڑی کامیابی بتایا کرتا۔ ادھر اسر ہارل (Isser Harel) نے جو اس تمام آپریشن کی نگرانی کر رہا تھا۔ اعلان کر کے صاف طور پر واضح کر دیا کہ ''ایڈولف ایکمین کی گرفتاری سے زائمن ویز نتھل کا رتی برابر بھی تعلق نہیں۔'' ہارل اسرئیلی خفیہ ایجنسیوں میں سے ایک کا اہم رکن ہے۔ ہارل کا کہنا تھا:

''نہ صرف یہ کہ ویز نتھل کا اس تمام آپریشن کی کامیابی سے کوئی تعلق نہیں تھا بلکہ حقیقتاً اس نے کئی دفعہ اس آپریشن کو ناکامی کے خطرات سے دوچار کر دیا۔ 278 صفحات پر مبنی اپنی مینواسکرپٹ میں اسر ہارل نے ویز نتھل کے تمام تر دعوؤں کو جھوٹ کا پلندہ قرار دیا۔ ہارل نے ایک موقعہ پر ویز نتھل کے دعووں کو ان الفاظ میں رڈ کر دیا تھا۔ ویز نتھل اور اس کے دوستوں کے نازی ایکمین کی گرفتاری میں کسی بھی مرکزی کردار کے سارے دعوے بے بنیاد ہیں۔ ویز نتھل نے ایکمین کے ٹھکانے کے حوالے سے جتنے بھی بیانات یا رپورٹیں مرتب کی تھیں وہ سراسر قیاس آرائیاں تھیں۔ مثال کے طور پر ارجنٹائن میں ایکمین کی گرفتاری کے وقت اس کا دعوئ تھا کہ وہ جاپان یا سعودی عرب میں رُوپوش ہے۔''

ویز نتھل کو ایک موقع پرست شخص بتاتے ہوئے ہارل نے کہا:

''ایکمین کی گرفتاری سے قبل ویز نتھل کی دی ہوئی اطلاعات سراسر کام کی نہیں تھیں اور بعض اوقات تو یہ ہمارے آپریشن کا رخ

موڑ دیتیں۔"

(S.B Irbaum, Wiwsenitial Clain Eichman :ملاحظہ ہو Disputed by former Mossad Head "Jewish Telegraph Agency Daily News Bulletin (Nes York), April 4,1989. (Dispatched date April 3) J.Schachter "Wiesenthal had no role in Eichmann Capture" The Jernsalem post, May 18, 1991)

مگر زائمن ویزنتھل کی بدمعاشیوں میں اضافہ ہوتا رہا۔ کوئی اس کی زبان کو لگام نہیں دے پار ہا تھا۔ اس کا اگلا نشانہ پولش نژاد شکاگو کا باشندہ فرینک والس (Frank Walus) تھا۔ 10 دسمبر 1974 میں ویزنتھل نے اپنے ایک خط میں والس پر الزام لگایا کہ یہ شخص یہودیوں کو پکڑ پکڑ کر جرمن سیکرٹ پولیس گسٹاپو کے حوالے کرتا تھا۔ یہ امریکی تفتیشی ادارے کو لکھا گیا تھا۔ جس میں اس شخص کے خلاف قانونی کارروائی کا مطالبہ کیا گیا۔ امریکی تفتیشی ادارے نے "بیسویں صدی کے اس عظیم اور سچے ہیرو" کے مطالبے پر والس کے خلاف فوری ایکشن لیا۔ 1981 میں واشنگٹن پوسٹ نے اپنے آرٹیکل "The Nazi Who Never Was" میں یہ انکشاف کیا کہ کس طرح جج، پریس اور تفتیش کاروں نے ایک معصوم انسان کو جنگی مجرم بنا ڈالا۔ خوفناک حقائق کا انکشاف کرتے ہوئے واشنگٹن پوسٹ نے اپنے آرٹیکل میں کہا "جنوری 1977 میں امریکی حکومت نے شکاگو کے ایک باشندے فرینک والس پر یہ الزام لگایا کہ اس نے جنگِ عظیم دوم کے دوران پولینڈ میں مظالم ڈھائے تھے۔ فرینک والس کے اگلے کئی برس خود کو معصوم ثابت کرنے میں گزر گئے۔ فیکٹری میں کام کرنے والا یہ شخص عدالتوں میں اپنی صفائی بھگتاتے بھگتاتے 80.000 ڈالر کا مقروض ہوگیا۔ عدالت میں اس کے خلاف 11 یہودی چشم دید گواہ پیش کیے گئے جو ان کیمپوں سے بچ نکلے تھے۔ ان یہودیوں نے یہ گواہی دی کہ انہوں نے اس شخص (فرینک والس) کو خود اپنی آنکھوں سے

پولینڈ کے کیمپ میں ایک بچے، بوڑھی عورت، ایک نوجوان، ایک معذور اور کئی دیگر کو مارتے ہوئے دیکھا تھا۔ بعد میں ثبوتوں سے یہ بات آشکارا ہوئی کہ فرینک والس نہ صرف نازی جنگی مجرم نہیں تھا بلکہ وہ جنگ عظیم دوم کے دوران پولینڈ میں تھا ہی نہیں۔ نفرتوں کی اس فضا میں ہسٹریا میں مبتلا امریکی حکومت نے ایک معصوم شخص پر عدالتی کارروائی چلائی۔ 1974ء میں مشہور نازی ہنٹر ویانا کے زائمن ویز نتھل نے اس شخص کو نازی مجرم قرار دیتے ہوئے کئی یہودیوں کی ہلاکت کا ذمہ دار قرار دیا تھا۔ شکاگو کے ویکلی اخبار ریڈر نے بھی 1981ء میں اس افسوس ناک واقعہ پر تحقیقی آرٹیکل لکھا۔ ریڈر کے مطابق ''امریکی حکومت کو ایک جنگی مجرم کی ضرورت تھی۔ زائمن ویز نتھل، اسرائیلی پولیس، مقامی پریس اور جج جولیس ہاف مین کی مدد سے اس نے ایک جنگی مجرم ایجاد کر ہی لیا۔''

ریڈر نے زائمن ویز نتھل کے خلاف یہاں تک لکھا کہ یہ شخص افواہیں ہی پھیلاتا رہتا ہے۔ ایک تھکا دینے والی قانونی جنگ لڑنے کے بعد ''کیلسے کا قصائی'' قرار دینے والا یہ شخص فرینک والس اپنی بے گناہی ثابت کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس نے ثابت کردیا کہ جنگ کے برسوں میں اس نے اپنا وقت جرمنی میں ایک فارم پر محنت مزدوری کرتے ہوئے گزارا۔ مگر خود کو معصوم ثابت کرتے کرتے 60,000 ڈالر بوجھ تلے دبا یہ شخص اگست 1994ء میں شکستہ دل اور بے انتہا مایوسی لئے اس دنیا سے رخصت ہوگیا۔ فرینک والس کا یہ واقعہ زائمن ویز نتھل کی بدمعاشیوں کا لگام دینے اور اسے مکمل طور پر ناقابل اعتبار شخص قرار دینے کے لئے کافی تھا مگر یہ شخص اپنی موت تک عظیم افسانوی شخصیت کا روپ لئے رہا۔

(ملاحظہ ہو: Michall Arndt, "The Wrong Man, "The Chicago Tribune Magazine, Dec, 2,1984,PP. 15-35, esp.p 23,Charies Ashman and Robert j.Wagman,

The Nazi Hunters (New York:Pharos Books,1988) pp.193-195. "The Nazi who never was,"The Washington Post,May 10,1981,pp .B5.B8."The Prosecution of Frank Walus,"Reader (Chicago,1985 ,23 1981,pp.19,30.)Jan

ویزنتھل نے اعلان کیا کہ اس کا دعویٰ ''100 فیصد'' غلط تھا۔ مختصراً یہ کہ مینگلے کے حوالے سے اس شخص نے درجنوں دعوے کئے۔ حقیقت اس وقت کھلی جب مینگلے کا 1979ء میں برازیل میں انتقال ہوا۔ تفتیش سے یہ بات بھی سامنے آئی کہ وہ یہاں برسوں سے مقیم تھا اور کسمپرسی کی زندگی گزار رہا تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ ویزنتھل ہولوکاسٹ کو مکمل طور پر کمرشلائز کر چکا تھا۔ لاس اینجلس میں اس کے نام سے قائم ویزنتھل سینٹر اس کا نام استعمال کرنے کی قیمت اسے 75,000 ڈالر سالانہ کے طور پر ادا کرتا ہے۔ یہ انکشاف اسرائیل میں یادواشم ہولوکاسٹ سینٹر کے ڈائریکٹر نے 1988 میں کیا۔ یہ وہ شخص تھا جس نے سب سے پہلے ہولوکاسٹ کے شکاریوں کی تعداد 11 ملین بتائی تھی۔ جس میں 6 ملین یہودی اور 5 ملین غیر یہودی۔ اس کا کہنا تھا کہ اگر ہم غیر یہودیوں کو ہولوکاسٹ میں شامل نہیں کریں گے تو وہ اس معاملے کو کوئی اہمیت نہیں دیں گے۔ اس کے مطابق یہ ایک ڈپلومیٹک نمبر ہے۔ اگرچہ 5 ملین اچھی خاصی تعداد ہے مگر اب بھی یہ یہودیوں کی 6 ملین تعداد سے کافی کم ہے۔ آخری برسوں میں ویزنتھل ہولوکاسٹ پر اٹھنے والے اعتراضات کے حوالے سے کافی پریشان تھا۔ ویزنتھل کے نام پر بنے ہولوکاسٹ سینٹر میں آج بھی اس کا یہ پیغام چسپاں ہے ''آج میں جب یورپ میں سامی مخالف جذبات میں ابھراؤ اور ہولوکاسٹ پر اعتراض کرنے والوں مثلاً لی پن اور ڈیوڈ ڈوک وغیرہ کی عوام میں مقبولیت دیکھتا ہوں تو مجھے احساس ہوتا ہے کہ ویزنتھل سینٹر کا قیام کتنا ضروری اور اہم تھا۔''

موت کا فرشتہ

جوزف مینگلے آشوٹز کیمپ میں معالج تھا اور ہولوکاسٹ کے مبلغین اسے ''موت کا فرشتہ'' قرار دیتے ہیں۔ وقتاً فوقتاً ویزنتھل دعویٰ کرتا رہتا کہ وہ مینگلے کے قریب پہنچ چکا ہے اور وہ بس اسے جکڑنے ہی والا ہے۔ ویزنتھل نے کئی دفعہ بتایا کہ اس کے مخبروں نے اس بندے کو پیرو میں دیکھا۔ چلی میں بس وہ ہاتھوں سے نکل گیا۔ اسپین میں مخبر اس کی گردن پر ہاتھ ڈالنے ہی والے ہیں۔ یونان میں وہ میرے مخبروں کے گھیرے میں آچکا ہے، وغیرہ وغیرہ، زائمن ویزنتھل نے صرف پیراگوئے کے 12 مقامات پر اس معالج کی موجودگی کے دعوے کئے۔ 1960 میں ویزنتھل نے دعویٰ کیا کہ مینگلے نامی موت کا فرشتہ ایک چھوٹے سے یونانی جزیرے میں چھپا ہوا ہے جہاں سے وہ صرف چند گھنٹے قبل فرار ہوا۔ رپورٹروں نے ویزنتھل کی بتائی ہوئی تمام جگہوں کے چھان مارا اور واپس آکر اطلاع دی کہ ویزنتھل کی بیان کی ہوئی کہانی شروع سے آخر تک جھوٹی ہے۔ مینگلے کے حوالے سے ویزنتھل کی یہ کہانی بھی جھوٹی ثابت ہوئی کہ اس نے آشوٹز کیمپ میں ایک یہودی پر جنسی تشدد کیا۔ بعد میں مینگلے نے اس عورت کو ارجنٹائن کے ایک ہوٹل میں قتل کردیا تاکہ وہ اس راز کو افشا نہ کرسکے۔ جب اس عورت کے حوالے سے تحقیقات کی گئیں تو معلوم ہوا کہ وہ کبھی کنسنٹریشن کیمپ میں قید ہی نہیں رہی تھی اور اس کی موت پہاڑی سے گرنے کے دوران ہوئی جو سراسر ایک حادثہ تھا۔

G.Posner and J.Warc, Mengele, The Complete Stroy (New York Dell PP.179-180, PP 202,PP 220 1987)

ہولوکاسٹ کا معاملہ تو نبٹ لیا گیا۔ یہی وہ حقائق تھے جو ہولوکاسٹ پر نظرثانی کرنے کا مطالبہ کرنیوالے بیان کررہے تھے۔ اب حقیقت تو حقیقت ہوتی ہے۔ سچ ایک

بندہ بولے تو بھی سچ ہی رہتا ہے بھلے اس کے مقابلے میں جھوٹ بولنے والے ہزاروں ہی کیوں نہ ہوں اور وہ ہزاروں زائمن ویز تھل کے ہی شاگرد ہوں بس یہی معاملہ یہاں بھی ہوا۔ سچ جھوٹ پر غالب آنے لگا تو ہولوکاسٹ کے مبلغین کے اوسان خطا ہونے لگے۔ انہیں کوئی اور طریقہ نہ سوجھا تو انہوں نے اپنی صیہونی قوت استعمال کرتے ہوئے 10 سے زائد یورپی ممالک میں ''ہولوکاسٹ ڈینائل لاء'' یعنی ہولوکاسٹ کے منکرین کیلئے قانون نافذ کر دیا۔ اس قانون کے مطابق جو بھی ہولوکاسٹ کے کسی ایک جز پر انگلی اٹھائے گا تو اسے دس سال قید تک کی سزا بھگتنی ہوگی۔

ہولوکاسٹ سے انکار کرنیوالوں پر یہودیوں کے مظالم

ڈیوڈ میناس صیہونی تنظیم بینائے بیرتھ (Zionist B.nai B.nathi) کی ذیلی شاخ ''لیگ فار ہیومن رائٹس'' کے سینٹر کونسلر ہیں۔ 22 جنوری 1992ء کو کینیڈا کے ایک اخبار ''گلوب اینڈ میل'' میں ان کا یہ بیان شائع ہوا۔ ''ہولوکاسٹ 60 لاکھ یہودیوں کا قتلِ عام تھا جس میں 20 لاکھ یہودی بچے شامل تھے۔ ہولوکاسٹ سے انکار ان 60 لاکھ مقتول یہودیوں کا قتلِ ثانی ہے۔ پہلے ان کی زندگی ختم کردی گئی اب ان کی لاشیں۔ کوئی بھی جو ہولوکاسٹ سے انکار کرتا ہے خود ہولوکاسٹ کے جرم میں اپنا حصہ ڈالتا ہے۔'' ڈیوڈ میناس کا یہ بیان ایسے وقت میں سامنے آیا جب ہولوکاسٹ پر نظر ثانی کا مطالبہ کرنے والوں کا مؤقف مقبولیتِ عام حاصل کر رہا تھا۔ کوئی شخص جب ایک دفعہ ہولوکاسٹ کے حوالے سے ان لوگوں کی تحقیق کو بغور پڑھتا اور اس تحقیق کے ذریعے اٹھائے گئے سوالات کا تجزیہ کرتا اس کیلئے ناممکن ہو جاتا کہ وہ ہولوکاسٹ کی یہودی، صیہونی روایت پر یقین رکھتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہولوکاسٹ سے انکار کرنے والوں کو صیہونیوں نے ایک بہت بڑا خطرہ تصور کرنا شروع کیا۔ سیاست دان، اخبارات اور ٹیلی ویژن ان لوگوں کے عوام کے ذہنوں پر چھا جانے کو خطرہ محسوس کرنے لگے۔ کئی ممالک بشمول

اسرائیل، فرانس، جرمنی اور آسٹریا میں ہولوکاسٹ کے کسی جز سے انکار قانوناً جرم قرار دیا گیا ہے۔ وہ لوگ جو دوسری جنگِ عظیم میں 60 لاکھ یہودیوں کے منظم طریقے سے قتل عام کو مسترد کرتے ہیں اور خاص کر گیس چیمبرز میں یہودیوں کو جلائے جانے کو جھوٹی کہانیاں قرار دیتے ہیں انہیں بھاری جرمانوں اور اذیت ناک قید و بند کی سزاؤں کے ساتھ ساتھ ملک بدری تک سہنی پڑتی ہے۔ آئندہ کی سطور میں ہم ہولوکاسٹ کو مسترد کرنے والوں کا مختصر تعارف اور ہولوکاسٹ کا انکار کے جرم میں ان کے سہے جانے والے مظالم بیان کریں گے۔ ڈاکٹر فریڈرک توبن (Dr.Fredrick Toben) اگر چہ جرمنی میں پیدا ہوئے مگر پلے بڑھے آسٹریلیا میں، وہ مکمل آسٹریلوی شہریت کے حامل تھے اور انگلش اور جرمن زبان پر انہیں عبور حاصل تھا۔ ہولوکاسٹ کے حوالے سے لٹریچر کا مطالعہ کرنے کے بعد انہوں نے جرمن مخالف جذبات پھیلانے کی صیہونی کوششوں کے آگے بند باندھنے کا ارادہ کیا۔ انہوں نے پہلے ایک رسالہ "Truth Missions" کے نام سے نکالا۔ بعد میں اس رسالے کا نام تبدیل کر کے ایڈیلیڈ انسٹی ٹیوٹ نیوز رکھ دیا گیا۔ انہوں نے ایڈیلیڈ انسٹی ٹیوٹ کے نام سے ویب سائٹ بھی بنائی۔ ڈاکٹر فریڈرک توبن نے ذاتی طور پر آشوٹز کیمپ کا دورہ کیا اور مبینہ گیس چیمبرز کے کھنڈرات تک کا تفصیلی معائنہ کیا۔ تمام تر تلاش بسیار کے بعد اسے گیس چیمبرز کی چھتوں میں وہ سوراخ نظر نہیں آئے جن کے بارے میں یہودیوں کا دعویٰ تھا کہ ان کے ذریعے زہریلی گیس چیمبرز میں داخل کی جاتی۔ اس نے ہولوکاسٹ کے مبلغین سے اس موضوع پر کئی ڈائیلاگ کئے۔ جرمنی میں پراسیکیوٹر کلین سے جرمنی میں ہولوکاسٹ کے منکرین کے لئے بنائے گئے قانون کے حوالے سے انہیں بحث کرنی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ یہ صرف علمی بحث ہے اور انہیں گرفتار نہیں کیا جائے گا۔ مگر اپریل 1999ء میں مینہیم (جرمنی) پراسیکیوٹر کلین اور پولیس چیف موہر (Mohr) نے انہیں جرمنی پہنچتے ہی گرفتار کر لیا۔ وہ سات مہینوں تک عدالتی کارروائی کا انتظار کرتا رہا۔ سات مہینے بعد عدالتی کارروائی عمل

میں آئی اسے 10 ماہ کے لئے جیل بھیج دیا گیا۔ جیل سے اسے اپیل پر رہا کیا گیا۔ باہر نکلتے ہی اس نے جرمنی سے راہ فرار اختیار کی اور پھر کبھی واپس جرمنی اپنی اپیل نمٹانے نہیں گیا۔ پال ریذینائر (Paul Rassinier) کے بارے میں تو آپ پڑھ بھی چکے ہیں۔ یہ شخص 1906ء میں پیدا ہوا اور ایک اسکول ٹیچر تھا۔ یہودیوں سے اس کی دوستی اور محبت کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوگا کہ جرمنوں نے اسے اس الزام کے تحت گرفتار کرلیا تھا۔ وہ جنگ کے دوران یہودیوں کو سرحد پار کرا رہا تھا۔ اس پر بوشن والڈ ور کیمپ ڈورا میں جرمن مخالف سرگرمیوں میں ملوث ہونے کا بھی الزام تھا۔ جنگ کے بعد وہ سوشلسٹ پارٹی کی طرف سے فرانس کی نیشنل اسمبلی کا رکن منتخب ہوا۔ اس نے ہولوکاسٹ پر نظر ثانی کے حوالے سے وسیع تحقیق پر مبنی کتابیں لکھیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس کا جرمنی میں داخلہ بند کردیا گیا۔۔ ڈاکٹر رابرٹ فاریسن پر 10 بار قاتلانہ حملے ہوئے اور کئی دفعہ وہ ان حملوں میں موت کے منہ میں جا پہنچے تھے۔ اس کے جبڑے توڑے گئے اور دانت نکال لئے گئے۔ ہر حملے کے بعد وہ ہفتوں ہسپتال میں پڑا رہتا۔ صحت یابی کے برس اس نے عدالتی جنگیں لڑنے میں گزار دیئے تھے۔ فاریسن کو مشہور ہولوکاسٹ منکر ارنسٹ زنڈل کا استاد مانا جاتا ہے اس نے آشوٹز کے قید خانوں، گیس چیمبروں، لاشیں جلائے جانے والے حصوں اور دیگر تمام اہم تنصیبات کے تکنیکی اور آرکیٹیکچرڈ ڈیزائن شتہار کیے۔ تھائیس کرسٹوفرسن (Thies Christopherson) جرمن ماہر باغبانی تھا۔ 1943-44ء کے انتہائی اہم عرصے میں وہ آشوٹز کیمپ میں تعینات تھا۔ جرمن ماہر ہونے کی وجہ سے اُسے پورے کیمپ تک رسائی حاصل تھی۔ اس عرصے میں اس نے انتہائی قیمتی اور نایاب تصاویر لیں۔ وہ پہلا چشم دید گواہ تھا جس نے ہولوکاسٹ سے انکار کیا۔ اس نے ایک ایک کر کے یہ ثابت کیا کہ آشوٹز کیمپ میں کہیں بھی کوئی گیس چیمبر نہیں تھا اور نہ ہی یہاں قتل عام کیا گیا۔ اس نے ایک مشہور کتابچہ "Die Aushwitz Liige" یعنی ''آشوٹز کا جھوٹ'' تحریر کیا۔ اس کتابچے کا کئی زبانوں میں ترجمہ ہوا۔

زنڈل نے 1985ء اور 1988ء کے دوران اپنے خلاف ہونے والی عدالتی کارروائی میں انہیں بطور گواہ پیش کیا۔ کرسٹوفرسن کو اپنی ان حرکتوں کی بھاری قیمت چکانی پڑی۔ وہ ایک سے دوسرے ملک بھاگتا رہا۔ اس پر کئی قاتلانہ حملے ہوئے۔ ایسے ہی ایک تیزابی حملے کے نتیجے میں وہ موت کے منہ تک جا پہنچے تھے۔ استحصالی کارروائیوں کے نتیجے میں وہ پہلے اپنی جائیداد اور پھر جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ جج ولہم اسٹیگلیکھ (Judge Wihelm Staglic) جنگِ عظیم دوم میں آشوٹز کے ایسے علاقے میں مقیم تھا جہاں اینٹی ایئر کرافٹ یونٹ تعینات تھی۔ اس نے ''آشوٹز کا افسانہ''(Der Aushwitz Mythos) نامی کتاب تحریر کی۔ مغربی جرمنی کے ایک عدالتی حکم کے نتیجے میں یہ کتاب ضبط کر کے اس کی تمام کاپیاں جلادی گئیں۔ جنگ کے بعد اسے جرمن عدالتوں میں کئی پیشیاں بھگتنی پڑیں اور اسے کئی بار سزاؤں کا سامنا کرنا پڑا۔ اس سے ڈاکٹر کی ڈگری لے لی گئی اور پنشن روک دی گئی۔ جوزف برگ بذاتِ خود ایک یہودی تھا۔ وہ کئی کتابوں کا مصنف تھا جن میں "Schuld and Schicksal" "Aushwitz in alle Ewigkeit", "Zionazi" جیسی کتابیں شامل ہیں۔ یہ یہودی خود یہودی ٹھگوں کے مظالم کا نشانہ بنا۔ جیوش ڈیفنس لیگ (جو ہولوکاسٹ کے روایتی افسانے کو بہر صورت قبول کروانے کیلئے بنائی گئی تھی) کے غنڈوں نے جوزف برگ پر بھی ظلم وستم کی انتہا کر دی تھی، جوزف برگ نے میونخ کے یہودی قبرستان میں دفن ہونے سے انکار کر دیا تھا۔ ہے ویو شیبر (Haviv Schieber) پولینڈ نژاد اسرائیلی یہودی تھا۔ وہ اسرائیلی شہر شیبا کا میئر بھی رہا۔ ہولوکاسٹ کے حوالے سے جب اس نے اس پورے واقعہ کو افسانہ قرار دیا تو اسے اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ اسرائیلی یہودیوں نے اس کا جینا حرام کر کے رکھ دیا۔ بالآخر اس نے اسرائیل سے راہِ فرار اختیار کی اور امریکہ جا پہنچا۔ وہاں اس نے پناہ کی درخواست دی مگر صیہونی قوتوں نے اس کی یہ درخواست قبول نہ ہونے دی۔ جب اسے ایئر پورٹ سے واپس اسرائیل ڈی پورٹ کیا جانے لگا تو اس نے اپنی کلائیاں کاٹ کر خودکشی کی کوشش کی۔ کئی برس کی

قانونی جنگ کے بعد اسے 1970ء کے عشرے میں امریکہ میں پناہ حاصل ہوئی۔ فرینکائز ڈیوپراٹ (Francois Duprat) فرانسیسی مصنف، مورخ اور ماہرِ تعلیم تھا۔ اس نے مشہور کتاب "Did Six Million Really Die?" کا فرانسیسی ترجمہ کر کے اسے شائع کر دیا۔ اس نے ''گیس چیمبر کا راز'' نامی کتاب بھی تحریر کی۔ 18 مارچ 1978ء کو جب ڈیوپراٹ کی عمر صرف 38 برس تھی، صیہونیت کا نشانہ بنا۔ اس کی کار کو بم سے اڑا دیا گیا۔ فرینکائز ڈیوپراٹ اس بم دھماکے میں ہلاک ہو گیا جب کہ اس کی بیوی دہشت گردی کے اس حملے میں اپنی دونوں ٹانگوں سے ہاتھ دھو بیٹھی۔ دو یہودی تنظیموں نے اس حملے کی ذمہ داری قبول کی۔ ان میں ایک ''جیوش دی ممبرنس کمانڈو'' اور دوسری تنظیم ''جیوش ریوولوشنری گروپ'' تھی۔ قاتل کبھی گرفتار نہ ہو سکے۔ ڈیٹلیب فیلڈرر (Ditlieb Felderer) کا معاملہ بڑا ہی عجیب ہے۔ ایک وقت وہ نمایاں جے ہواز ویٹنس (Jehovahs Witness) رہا تھا۔ وہ پہلا شخص تھا جس نے کمیونسٹ مشرقی یورپ میں موجود ہر بڑے کیمپ کے طبعی ثبوتوں پر تحقیق کی۔ اس نے ان تمام کیمپوں کے مختلف اہم حصوں کی 30,000 تصویریں لیں۔ ان تصاویر کی مدد سے اس نے یہ ثابت کیا کہ آشوونز کیمپ میں محصورین کیلئے سوئمنگ پول، جدید طبی سہولیات سے مزین اسپتال، لائبریری اور دیگر سہولیات موجود تھیں۔ اس کی تمام تر تحقیقات ہولوکاسٹ کے مبلغین کی چھاتی پر مونگ دلتی رہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ سنگین الزامات کے تحت گرفتار ہوا۔ مقدمہ چلا اور اسے سویڈن کی ایک جیل بھیج دیا گیا۔ ذرائع ابلاغ میں اس کے خلاف خوب پروپیگنڈا کیا گیا۔ بالآخر یہ شخص جلاوطنی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہوا۔ ارنسٹ زنڈل کے حوالے سے تفصیلات آپ گزشتہ سطور میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ اس پر تین قاتلانہ حملے ہوئے۔ اسے قانونی طور پر شدید ہراساں کیا گیا۔ کئی بار جیل کی سلاخیں اس کا مقدر ٹھہریں۔ اسے اپنی حرکتوں کی قیمت اپنے کاروبار سے ہاتھ دھونے کی صورت میں ادا کرنی پڑی۔ ایک دور کا یہ خوشحال اور کامیاب ترین کاروباری شخص مکمل طور پر دیوالیہ

ہوگیا۔ جم کیگسٹرا کینیڈین اسکول ٹیچر تھا جو ہولوکاسٹ کے حوالے سے دونوں اطراف کے نقطۂ نظر پڑھا رہا تھا۔ اس نے ہولوکاسٹ کے افسانے پر سوال اٹھائے تو کینیڈا کے "Hate Laws" کے تحت مقدمہ چلا۔ اس نے اپیل دائر کی تو اسے دوبارہ گرفتار کر کے دوبارہ مقدمہ چلایا گیا۔ تین دفعہ اس کا کیس سپریم کورٹ گیا۔ معاملہ یہیں نہیں رکا اسے اپنی ملازمت سے ہاتھ دھونے پڑے۔ اس پر حملے کیے گئے۔ 10 برس کی قانونی جنگ کے بعد اسے 3000 ڈالر جرمانہ کیا گیا مگر ان برسوں کے دوران اس کی مالی حالت تباہ و برباد ہو چکی تھی۔ فرینک والس پر یہودیوں نے کُل سات حملے کیے۔ تیزاب کے ایک حملے میں وہ موت کے منہ تک جا پہنچے۔ اس کی امریکی شہریت منسوخ کر دی گئی۔ جبکہ عدالتی کارروائیوں کا ایک ایسا سلسلہ شروع کیا گیا کہ اپنے دفاع کے لئے اسے اپنا گھر بیچنا پڑا۔ فرینک والس کو مشہور یہودی جھوٹوں کے بادشاہ ائمن ویزنتھل کے ایک جھوٹ کی بنیاد پر گرفتار کیا گیا۔ امریکی میڈیا نے اسے ''کیلسے کا قصائی'' قرار دیا۔ تمام تر صعوبتوں کا اس شخص نے جواں مردی سے مقابلہ کیا۔ کئی برس کی قانونی جنگ بالآخر اس نے جیت لی۔ اس پر دل کے کئی دَورے پڑے اور بالآخر وہ انتہائی کسمپرسی کی حالت میں اگلے جہاں سدھار گیا۔ اس نے امریکی سرزمین پر دفن ہونے سے انکار کیا اور کہا کہ اس ملک نے اس کے ساتھ غداری کی ہے۔ ایمل لیکاوٹ (Emil Lachout) کو آسٹریا کی حکومت کی انتہائی بے رحمی کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک عشرے تک اس کا ٹرائل ہوتا رہا۔ صورتحال یہاں تک جا پہنچی کہ اسے شدید ذہنی عارضے کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکاوٹ پیشے کے لحاظ سے استاد تھا۔ وہ سابق ملٹری پولیس مین اور بوائے اسکاوٹ لیڈر رہا تھا۔ بعد میں اس نے یورپی انسانی حقوق کی عدالت میں اپنا کیس جیت لیا تھا۔ آسٹریا کی حکومت کو اسے زرتلافی ادا کرنا تھا جو اس نے کبھی ادا نہ کیا۔ لیکاوٹ آسٹریا کی حکومت سے معافی مانگنے کا مطالبہ کر رہا ہے۔ جیوڈار روڈ ولف (Tjiu dar Rudaplh) جرمنی سیکورٹی سروس کا سابق رکن تھا۔ اسے پانچ زبانوں پر مکمل عبور حاصل تھا جس میں

پے ڈش اور پولش زبان بھی شامل تھی۔ اس نے جنگ عظیم دوم کے دوران ریڈ کراس کے آشوٹز اور دیگر کیمپوں کے دورے ترتیب دیئے۔ 1988ء میں وہ آشوٹز کا تکنیکی مطالعہ کرنے والے فریڈ لیوکٹر کے ہمراہ بطور ترجمان موجود تھا۔ اس پر یہ الزام لگایا گیا کہ وہ 60 لاکھ یہودیوں کے قتل عام کو متنازعہ بنانے کی کوشش کر رہا ہے۔ اسے سزا ہوئی اور وہ 85 برس کی عمر میں جرمنی کی ایک جیل بھیج دیا گیا۔ اوڈووے لنڈی (Udo Walendy) اپنی عمر کے ساتویں عشرے میں تھا جب اسے 15 ماہ کے لئے جیل بھیج دیا گیا۔ گرفتاری کے وقت اس کی صحت انتہائی خراب تھی اور اسے دل کا شدید عارضہ لاحق تھا، اس نے "Did Six Million Really Die" نامی کتاب کا جرمن زبان میں ترجمہ کیا۔ اس کے علاوہ "Historical Truths" نامی کتابچہ بھی تحریر کیا۔ اسے کئی دفعہ عدالتوں میں گھسیٹا گیا۔ بالآخر اسے عمر کے آخری حصے میں قید کر دیا گیا۔ فیڈ لیوکٹر گیس چیمبر اور ڈیزائننگ کا ماہر تھا۔ انتہائی پیشہ ور آدمی تھا۔ ارنسٹ زنڈل نے آشوٹز میں گیس چیمبر کے حوالے سے تکنیکی اسٹڈی کے لئے اس کی خدمات حاصل کیں۔ اس نے اس حوالے سے ایک مکمل تکنیکی رپورٹ تیار کی۔ رپورٹ کا نتیجہ یہ تھا کہ گیس چیمبر سراسر افسانہ ہے۔ اس کی یہ رپورٹ کینیڈا کی ایک عدالت میں ارنسٹ زنڈل نے اپنے مؤقف کی تائید میں پیش کی۔ اس کی اس رپورٹ نے صیہونی لابی پر جیسے قیامت ڈھادی تھی۔ اسے جرمنی میں گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا۔ اقتصادی طور پر اسے تباہ و برباد کر کے رکھ دیا گیا۔ یہ تو چند مثالیں ہیں جو آپ نے ملاحظہ فرمائیں۔ ایک طویل فہرست ہے۔ ان لوگوں کی جنہوں نے ہولوکاسٹ کی یہودی روایت کو غلط قرار دیا تھا اور پھر انہیں اس کی بھاری قیمت ادا کرنی پڑی مگر یہ لوگ اپنے مؤقف پر قائم رہے۔ اس طویل فہرست میں ایوان لاگا سے، ڈیوڈ ارونگ (جسے حال ہی میں تین برس قید کی سزا ملی)، گرڈ ہولنسک، والٹر لوفتل، امرے فنفا، اوٹو ارنسٹ ریمر، جیروم بریننار، اٹارنی جورجن ریگر، اٹارنی ڈوگ کرسٹ، اٹارنی کرگ لیانز، براڈلے اسمتھ، مائیکل ہوف مین 2 وغیرہ وغیرہ شامل ہیں۔

ان تمام لوگوں کو مختلف قسم کی صعوبتوں سے گزرنا پڑا مگر جو قدر تقریباً ان تمام افراد میں مشترک ہے وہ یہ کہ ان میں سے اکثریت کو ہولوکاسٹ منکرین کیلئے بنائے گئے قانون کے تحت لمبی اور تھکا دینے والی عدالتی جنگوں سے گزرنا پڑا۔ ان عدالتی جنگوں سے قبل ان سب کا میڈیا ٹرائل ہوتا اور پھر نتیجہ تقریباً ہر کیس میں وہی نکلتا کہ عدالتی کارروائی اور جیل۔ جو کیس جیت جاتے تو ان کی حالت ایسی ہوتی کہ دو وقت کی روٹی کیلئے ترستے۔ یہ تمام حقائق صرف یہ ثابت کرتے ہیں کہ ''ہولوکاسٹ ڈینائل لاء'' دراصل ان جیسے لوگوں کی زبان کو لگام دینے کے لئے بنایا گیا۔

ہولوکاسٹ کے حوالے سے اہم سوالات و جوابات

ہولوکاسٹ حقیقت ہے یا افسانہ اس کا مکمل پوسٹ مارٹم تو ہم کر ہی چکے۔ چونکہ یہ ایشو بطورِ خاص مسلم عوام سے متعلقہ ہے اور بدقسمتی سے مسلم عوام کی اکثریت بھی اب تک ہولوکاسٹ کے حوالے سے یہودیوں کی روایت کردہ داستان کو ایک تاریخی حقیقت سمجھ رہی تھی اس لئے یہی وہ مناسب موقع ہے کہ موضوع پر تحقیق کے عمل کو جاری رکھا جائے۔ ہولوکاسٹ، صیہونیت، اسرائیل اور مسلم دنیا اس حوالے سے ہونے والی تحقیق کا مرکزی نقطہ ہونا چاہیے۔ ہولوکاسٹ کے حوالے سے یہ رپورٹ نقطہ آغاز تو ہونا چاہیے مگر آخری نقطہ کسی طور بھی نہیں۔ ہماری کوشش یہ رہی ہے کہ ہولوکاسٹ اور صیہونیت کے موضوع سے دلچسپی رکھنے والے تحقیق کاروں کی اس رپورٹ کے ذریعے سمت متعین کرنے کا ساتھ ساتھ عوام کے سامنے تصویر کے دونوں رُخ رکھ دیں تا کہ وہ خود تجزیہ کرسکیں کہ کس کی بات میں زیادہ وزن ہے۔ ہولوکاسٹ پر نظر ثانی کا مطالبہ کرنے والوں نے عام قاری کو اس پورے ایشو سے روشناس کرانے کیلئے سوالات و جوابات کی صورت میں ایک اچھی کوشش کی۔ یہ سوالات اور جوابات عام قاری کو ہولوکاسٹ کے حوالے سے آگاہی فراہم کرنے کے لئے بہت کارآمد ہیں ان کی اسی افادیت کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم

مزید اضافوں کے ساتھ یہ سوالات وجوابات یہاں پیش کررہے ہیں۔ ہولوکاسٹ کے حوالے سے چھپنے والی رپورٹ کا ''اصل'' اگر قاری کے ذہن میں محفوظ ہو تو ان سوالات و جوابات کا فائدہ دو چند ہوگا بصورت دیگر اس کی اولین افادیت تو بہر صورت یقینی ہے۔

سوالات وجوابات پیش خدمت ہیں:۔

سوال: کیا دوسری جنگِ عظیم میں 60 لاکھ یہودیوں کے قتل عام کے کوئی ثبوت موجود ہیں؟

جواب: نہیں!...... ہمارے پاس جو کچھ بھی موجود ہے وہ جنگ کے بعد کی وہ شہادتیں ہیں جو اس واقعہ میں ''زندہ بچ جانے والوں'' نے دیں۔ ان میں سے چند ہی ایسے لوگ ہیں جن کا یہ دعویٰ تھا کہ انہوں نے یہودیوں کو ''گیس چیمبر'' میں قتل ہوتے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اس معاملے کا کوئی بھی دستاویزی ثبوت موجود نہیں۔ مارے جانے والوں کی لاشیں یا راکھ کچھ بھی موجود نہیں۔ نہ ہی ایسے گیس چیمبرز موجود ہیں جن میں لاکھوں لوگوں کے مارے جانے کی گنجائش ہو۔ کوئی انسان (یہودی) صابن، انسانی چمڑے سے بنائی جانے والی اشیاء یا آبادیاتی شماریات سے متعلقہ کوئی ثبوت موجود نہیں جو اس دعوے کی تائید میں پیش کیا جاسکے۔

سوال: اس دعوے کے کیا ثبوت ہیں کہ 60 لاکھ یہودی قتل نہیں ہوئے تھے؟

جواب: بے شمار کیمیائی و تکنیکی رپورٹیں، آبادیاتی اعداد وشمار، تجزیے، تقابلی ثبوت یہ ثابت کرتے ہیں کہ 60 لاکھ یہودیوں کا قتل عام ناممکن ہے۔ 6 ملین کا یہ ہندسہ غیر ذمہ دارانہ مبالغہ آرائی ہے۔

سوال: زائمن ویز نتھل کون ہے؟

جواب: زائمن ویزنتھل وہ واحد چشم دید گواہ ہے جسے ہولوکاسٹ کے مبلغین اپنے مؤقف کی تائید میں پیش کیا کرتے ہیں۔ یہ شخص یہودی النسل ہے اور خود کو

جنگِ عظیم دوم میں جرمنوں کا قیدی بتاتا ہے۔ ہولوکاسٹ کے حوالے سے کئی دعووں مثلاً 60 لاکھ یہودیوں کا قتل عام اور یہودیوں کی چربی سے صابن بنائے جانے کے خالقین میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ مغرب میں اس شخص کو نازیوں کا شکاری کہا جاتا ہے۔

سوال: کیا زائمن ویزنتھل نے کبھی یہ کہا کہ ''جرمن سرزمین پر قتل عام کا کوئی کیمپ موجود نہیں تھا؟

جواب: جی ہاں! ''نازیوں کا شکاری'' کے لقب سے مشہور اس شخص نے 24 جنوری 1993ء Stars & Stripes میں یہ دعویٰ کیا۔ اس نے اسی اخبار میں یہ دعویٰ کیا کہ یہودیوں کو گیس چیمبر میں جلائے جانے کے واقعات صرف پولینڈ میں ہوئے۔

سوال: داشاؤ (Dachau) کیمپ کہاں واقع ہے؟

جواب: جرمنی میں۔

سوال: جب ویزنتھل کہتا ہے کہ جرمنی میں قتل عام کا کوئی کیمپ تھا ہی نہیں تو پھر امریکہ میں ہولوکاسٹ کے ماہرین داشاؤ کیمپ کو ''موت کا کیمپ'' کیوں قرار دیتے ہیں؟

جواب: جب اتحادیوں نے داشاؤ کیمپ پر قبضہ کیا تو وہ بہت سارے لوگوں کو اس کیمپ میں لے گئے جن میں صحافی بھی شامل تھے۔ وہاں اتحادیوں نے ان لوگوں کو بتایا کہ یہ عمارت قتل عام کیلئے استعمال ہوتی تھی۔ آج بھی ذرائع ابلاغ اس جھوٹ کو پھیلانے میں مصروف ہیں حالانکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کا داشاؤ قتل عام کا کیمپ نہیں تھا۔

سوال: کیا آشوٹز کیمپ میں ''گیس چیمبرز'' کا کوئی ثبوت ملا ہے جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہاں لوگوں کو قتل کیا گیا؟

جواب: نہیں! آشووٹز پر سوویت فوج نے قبضہ کیا تھا۔ جنگ کے بعد اس کیمپ میں تعمیراتی تبدیلیاں کی گئیں اور ایک بہت بڑا کمرہ دوبارہ تعمیر کر کے اسے ''گیس چیمبر'' بتایا گیا۔ بعد میں امریکہ کے ٹاپ کے گیس چیمبر کی تعمیر اور ڈیزائننگ کے ماہر فریڈ لیوکٹر نے اس گیس چیمبر اور آشووٹز میں موجود گیس کی دیگر مبینہ سہولیات کا تفصیلی معائنہ کیا۔ اس نے ایک تفصیلی رپورٹ مرتب کی جس میں اس نے بتایا کہ گیس چیمبر کے حوالے سے کیا جانے والا دعویٰ سراسر جھوٹا ہے۔ یہ جگہ نہ تو بطور گیس چیمبر کبھی استعمال ہوئی ہے اور نہ ہی آج اسے اس کی موجودہ حالت میں بطور گیس چیمبر کے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ فریڈ لیوکٹر کو بعد میں یہود مخالف قرار دے کر گرفتار کر کے جرمنی کی ایک جیل میں بھیج دیا گیا اور مالی طور پر اسے تباہ کر کے رکھ دیا گیا۔

سوال: جب آشووٹز ''موت کا کیمپ'' نہیں تھا تو پھر کیا تھا؟

جواب: آشووٹز بڑے پیمانے کا صنعتی کمپلیکس تھا جہاں مصنوعی ایندھن تیار کیا جاتا۔ جنگ کے دوران یہاں قید کیے گئے لوگوں سے محنت مزدوری کا کام لیا جاتا۔

سوال: پہلا کنسنٹریشن کیمپ'' (بڑی تعداد میں لوگوں کے ایک جگہ محصور کرنے کا کیمپ) کس نے قائم کیا؟

جواب: 1899ء تا 1902ء کو بوئر جنگ (Boer War) میں برطانیہ نے جنوبی افریقہ میں ایک کیمپ قائم کیا جسے وہ کنسنٹریشن کیمپ کہتے۔ اس کیمپ میں انہوں نے افریقی عورتوں اور بچوں کو قید رکھا۔ جہنم جیسی اس جگہ پر 30,000 سے زائد لوگ ہلاک ہوئے۔

سوال: جرمن ''کنسنٹریشن کیمپ'' ان امریکی کیمپوں سے کیسے مختلف تھے جہاں انہوں نے جنگِ عظیم دوم کے دوران جاپانی نژاد امریکیوں کو قید کیے رکھا؟

جواب: جو سب سے بڑا فرق تھا وہ یہ کہ جرمن صرف ان لوگوں کو ان کیمپوں میں لا کر

قید کردیتے جو ان کی سیکورٹی کے لئے حقیقی خطرہ ہوتے جبکہ روز ویلٹ انتظامیہ نے اپنے یہ کیمپ نسلی قید خانے کے طور پر استعمال کئے جہاں صرف جاپانی النسل لوگ قید کئے جاتے۔

سوال: جرمنی کے یہودیوں نے کبھی جرمن مخالف سرگرمیوں میں حصہ لیا؟

جواب: جی ہاں! مثال کے طور پر مارچ 1933ء میں بین الاقوامی یہودی تنظیموں نے جرمن اشیاء کے بین الاقوامی بائیکاٹ کا اعلان کر دیا تھا۔

سوال: کیا یہودیوں نے کبھی جرمنی کے خلاف ''اعلان جنگ'' کیا؟

جواب: جی ہاں! دُنیا بھر کے ذرائع ابلاغ نے یہ اعلان جنگ رپورٹ کیا۔ مثال کے طور پر برطانوی اخبار لندن ڈیلی ایکسپریس نے 24 مارچ 1933ء کے اپنے شمارے میں صفحۂ اوّل پر یہ سرخی دی۔ "Judea Declares War on Germany" یعنی یہودیوں نے جرمنی کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔

سوال: یہ ''اعلان جنگ'' موت کے کیمپوں کی کہانیوں سے پہلے کیا گیا یا بعد میں؟

جواب: یہ اعلان جنگ ان کہانیوں سے برسوں پہلے کیا گیا۔ یہ کہانیاں 1941ء اور 1942 کے دوران پھیلنی شروع ہوئیں جبکہ یہودیوں کی طرف سے اعلان جنگ 1933ء میں کیا گیا۔

سوال: وہ کون سا ملک ہے، جس نے پہلی دفعہ عام شہریوں کو بمباری کا نشانہ بنایا؟

جواب: برطانیہ۔ 11 مئی 1940ء

سوال: جنگ کے دوران جرمنوں کے زیر قبضہ علاقوں میں یہودیوں کی کل تعداد کتنی تھی؟

جواب: 60 لاکھ سے کم۔ آبادیاتی شماریات یہ تعداد چار تا ساڑھے چار ملین بتاتے ہیں۔

سوال: اگر یہودیوں کو جرمنوں نے قتل نہیں کیا تھا تو پھر ان کے ساتھ کیا ہوا؟

جواب: جنگ کے بعد یورپ میں کئی ملین یہودی زندہ رہے۔ ڈیڑھ ملین کے قریب جنگ میں کام آئے۔ یہ تمام وجوہات سے ہلاک ہونے والے یہودی تھے۔ باقیوں نے فلسطین امریکہ اور دیگر ممالک میں سکونت اختیار کرلی۔ پھر بھی جنگ کے بعد بہت سارے یہودی یورپ میں زندہ سلامت رہے۔

سوال: یہودیوں کی کتنی تعداد کو سوویت یونین (سابقہ) اپنے ملک لایا یا وہ خود آئے؟

جواب: 2 ملین سے زائد یہودیوں کا 1941ء اور 1942ء کے دوران سوویت یونین نے انخلا کیا۔ یہ وہ یہودی تھے جو کبھی جرمنوں کے زیر تسلط نہیں آئے۔

سوال: جنگ سے پہلے کتنے یہودی یورپ سے ہجرت کر گئے تھے تا کہ خود کو محفوظ رکھ سکیں؟

جواب: تقریباً 10 لاکھ۔ ان میں وہ یہودی شامل نہیں جنہیں سابقہ سوویت یونین نے اپنے ملک میں بسایا۔

سوال: جب آشووٹز موت کا کیمپ نہیں تھا تو پھر اس کیمپ کے کمانڈر روڈولف ہاس (Rudolf Hoess) نے یہ اعتراف کیوں کیا کہ یہاں قتل عام ہوا؟

جواب: اسے تشدد کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ بعد میں برطانوی ملٹری پولیس چیف تفتیش کار نے اس اعتراف کو تشدد کے ذریعے لینے کا اعتراف کیا۔

سوال: کیا اس کے کوئی ثبوت ہیں کہ امریکی، برطانوی اور روسی پولیس نے تشدد کے ذریعے جرمن قیدیوں سے اعتراف جرم کرایا جسے بعد میں نورم برگ کے جنگی جرائم ٹربیونل میں بطور ثبوت یا گواہ کے پیش کیا جاتا؟

جواب: جی ہاں! جنگ کے بعد نورم برگ ٹرائل میں ثبوت کے حصول کیلئے تشدد کے ہتھیار کا بے رحمانہ استعمال کیا گیا۔

سوال: ہولوکاسٹ کے افسانے سے آج کل یہودیوں کو کیا فوائد حاصل ہورہے ہیں؟

جواب: اس افسانے نے یہودیوں کو تنقید سے مبرا تسلیم کروایا ہے، یہودی فنڈز جمع

کرنے کی مہم کے دوران اسی افسانے کو استعمال کرتے ہیں۔ یہی افسانہ اسرائیل کیلئے امریکی امداد کی توجیہہ کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

سوال: ہولوکاسٹ کے اس افسانے سے یہودی ریاست اسرائیل کو کیا فائدہ ہے؟

جواب: اسرائیل کے قیام کے لئے جواز یہی ہولوکاسٹ کا افسانہ ہے۔ اسرائیلی ریاست نے اسی افسانے کے بل پر جرمنی سے اربوں ڈالر تاوان وصول کیا۔ جو "زندہ بچ جانے والے" لاکھوں یہودیوں کو دیا گیا۔ صیہونی اور یہودی لابی اس افسانے کو مشرق وسطیٰ میں امریکہ کی خارجہ پالیسی کو ڈکٹیٹ کرنے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ امریکی شہریوں کو اسی افسانے کے بل بوتے پر سالانہ اربوں ڈالر کی اسرائیلی امداد کے لئے راضی رکھا ہوا ہے جو اپنے ٹیکسوں کے ذریعے ادا کرتے ہیں۔

سوال: عیسائی علماء اسے کس طرح استعمال کرتے ہیں؟

جواب: عیسائی علماء ہولوکاسٹ کی اس کہانی کو عہد نامہ قدیم کی ایک روایت قرار دیتے ہیں اور یہودیوں کو مقدس اور منتخب قوم قرار دیتے ہیں۔

سوال: کمیونسٹوں کو ہولوکاسٹ کے اس افسانے سے کیا فائدہ ہوا؟

جواب: اس افسانے نے جنگ کیلئے بے چین روسیوں اور جنگِ عظیم دوم سے پہلے اور بعد میں ڈھائے جانے والے روسی مظالم سے لوگوں کی توجہ بانٹ دی۔

سوال: کیا برطانیہ کو بھی اس سے کوئی فائدہ ہوا؟

جواب: جی ہاں، بالکل ویسا ہی فائدہ جو سوویت یونین کو ہوا۔

سوال: کیا اس کے کوئی ثبوت ہیں کہ ہٹلر نے یہودیوں کی نسل کشی کا حکم نامہ جاری کیا تھا؟

جواب: جی نہیں

سوال: جنگ کے دوران جرمنوں نے کیمپوں میں کس قسم کی گیس استعمال کی؟

جواب: ''زائیکلون بی'' سے حاصل کی ہوئی ہائیڈروسائیانک گیس، یہ کمرشل کیڑے مار گیس ہے اور پورے یورپ میں اس کا استعمال عام تھا۔

سوال: ''زائیکلون بی'' گیس کس مقصد کے لئے تیار کی گئی؟

جواب: یہ کیڑے مار گیس تھی جو ٹائی فس نامی وبا پھیلانے والی جوؤں اور دیگر کیڑوں کو ہلاک کرنے کے لئے استعمال ہوتی تھی۔

سوال: کیا ''زائیکلون بی'' گیس قتل عام کے لئے موزوں تھی؟

جواب: نہیں، اگر نازیوں کا مقصود قتلِ عام ہی تھا تو وہ زائیکلون بی سے کہیں زیادہ مؤثر زہریلی گیس استعمال کر سکتے تھے۔ زائیکلون آہستہ آہستہ اثر دکھانے والی گیس ہے اور اتنے وسیع پیمانے پر قتل عام کے لئے قطعاً موزوں نہیں۔

سوال: کسی بھی بند جگہ کو زائیکلون بی گیس استعمال کرنیکے بعد ہوا کے ذریعے اس کے اثرات صاف کرنے کے لئے کتنا وقت درکار ہوتا ہے؟

جواب: عام طور پر 20 گھنٹے اس گیس کے استعمال اور پھر اسے صاف کرنے میں پورا طریقہ کار انتہائی پیچیدہ اور خطرناک ہے۔ گیس ماسک کا استعمال ضروری ہے اور صرف تربیت یافتہ افراد ہی اس کے استعمال کیلئے بطور ملازم رکھے جاسکتے ہیں۔

سوال: آشووٹز کے کیمپ کمانڈر روڈولف ہاس نے نورم برگ ٹربیونل کے سامنے اعتراف کیا تھا کہ اس کے آدمی قتلِ عام کے بعد گیس چیمبر سے لاشوں کو دس منٹ کے بعد صاف کر دیتے تھے۔ اس کی وضاحت کریں؟

جواب: اس کی وضاحت نہیں کی جاسکتی، کیوں کہ وہ لوگ جو 20 گھنٹے سے پہلے اس گیس چیمبر میں داخل ہوتے، ان کا بھی وہی حشر ہوتا جو مارے گئے لوگوں کا ہو چکا ہوتا۔

سوال: روڈولف ہاس نے اپنے اعتراف جرم میں یہ بھی کہا کہ گیس چیمبر سے لاشوں

کو نکالتے وقت اس کے آدمی سگریٹ کے کش لگا رہے ہوتے وہ بھی گیس استعمال کرنے کے صرف دس منٹ بعد۔ کیا ''زائیکلون بی'' گیس دھماکہ خیز نہیں ہے؟

جواب: جی ہاں ''زائیکلون بی'' دھماکہ خیز ہے۔ روڈولف ہاس کا یہ اعتراف یقیناً جھوٹا تھا جو بذریعہ تشدد لیا گیا۔

سوال: وہ کون سے طریقہ ہائے کار تھے جو نازیوں نے مبینہ طور پر یہودیوں کو نسل کشی کے لئے اختیار کئے۔

جواب: کئی کہانیاں ہیں، گیس چیمبر کی چھت میں موجود سوراخوں کے ذریعے گیس کے کنستر یہودی ہجوم میں گرانے سے لے کر، شاور کے ذریعے گیس چیمبر میں گیس چھوڑنے اور اسٹیم چیمبرز سے لے کر بجلی کی مشین کے ذریعے ذبح کرنے تک کی تمام کہانیاں ہولوکاسٹ کی یہودی روایت کا حصہ ہیں۔ الزام لگایا جاتا ہے کہ ان طریقہ ہائے کار کے ذریعے لاکھوں کا قتلِ عام کیا گیا۔

سوال: جن لوگوں کو قتل کیا جانا مقصود تھا ان سے قتلِ عام کا یہ پورا منصوبہ کیسے خفیہ رکھا گیا؟

جواب: اسے خفیہ رکھا ہی نہیں جا سکتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ گیس کے ذریعے قتلِ عام ہوا ہی نہیں تھا بلکہ یہ جنگ کے دوران اُچھالا گیا پروپیگنڈا تھا۔ اگر گیس چیمبر میں یہودیوں کی اتنی بڑی تعداد کو مستقلاً قتل کیا جا رہا تھا تو باقی یہودی کبھی بھی گیس چیمبرز میں بآسانی داخل نہ ہوتے بلکہ مزاحمت کرتے مگر ایسی مزاحمت کا کوئی ثبوت اس وقت تک میسر نہیں ہے۔

سوال: تقریباً کتنے یہودی ان کیمپوں میں ہلاک ہوئے؟

جواب: تین لاکھ سے کم۔

سوال: یہ یہودی کیسے مرے؟

جواب: جنگ کے دوران پورے جنگ زدہ یورپ میں ٹائی فس نامی وبا پھیل گئی تھی جو اتنی بڑی تعداد میں قیدیوں کی ہلاکت کا سبب بنی۔ اس کے ساتھ ساتھ بھوک اور طبی سہولیات کی عدم فراہمی بھی اتنی بڑی تعداد میں اموات کی وجوہات تھیں۔ جنگ کے دوران ٹرانسپورٹ اور مواصلات کا نظام تباہ ہو چکا تھا اس لئے قیدیوں کو یہ تمام سہولیات بآسانی فراہم کرنا ممکن نہیں تھا۔

سوال: ٹائی فس (Typhus) کیا ہے؟

جواب: یہ ایک بیماری ہے جو اکثر اس وقت پھوٹ پڑتی ہے۔ جب بہت سارے لوگوں کو کسی ایسی جگہ لا کر جمع کر دیا جائے جہاں سینیٹیشن کا نظام موجود نہ ہو۔ یہ بیماری جوؤں کے ذریعے پھیلتی ہے جو بالوں اور کپڑوں میں رہتی ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اگر ان گیس چیمبرز میں جرمنوں نے زائیکلون بی گیس استعمال کی ہوتی تو یہودی مرنے کی بجائے زندہ بچ جاتے کیوں کہ یہ گیس کیڑے مار ہے۔

ہولوکاسٹ یہودیوں کا قتلِ عام......ایک سفید جھوٹ!

کچھ مزید سوالات و جوابات ملاحظہ فرمائیے!

سوال: کن اعداد و شمار کی بنیاد پر یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ جنگ عظیم دوم میں 60 لاکھ یہودی قتل نہیں ہوئے بلکہ یہ تعداد کئی سو گنا کم ہے؟ کیا کوئی اعداد و شمار دستیاب ہیں؟

جواب: ہمارے پاس ایسے مستند اعداد و شمار موجود ہیں جو 60 لاکھ یہودیوں کے قتلِ عام کے اس دعوے کو ایک انتہائی غیر ذمہ دارانہ جھوٹ ثابت کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر چیمبرز انسائیکلو پیڈیا کے مطابق جنگ سے پہلے یورپ میں یہودیوں کی کل آبادی 6,500,000 (پینسٹھ لاکھ) تھی۔ صاف ظاہر ہے اگر 60

لاکھ یہودیوں کے قتل عام کے دعوے کو صحیح تسلیم کرلیا جائے تو اس کا مطلب ہوگا کہ تمام کی تمام یہودی آبادی کو ہلاک کردیا گیا تھا مگر ایک غیر جانبدار سوئس پبلی کیشنز بیسلر (Baseler Nachrichten) کے مطابق 1933ء سے 1945ء کے بارہ برسوں کے دوران 1,500,000 (پندرہ لاکھ) یہودیوں نے برطانیہ، سویڈن، اسپین، پرتگال، آسٹریلیا، چین، انڈیا، فلسطین اور امریکہ ہجرت کی۔ سوئس پبلی کیشنز کے ان اعداد وشمار کو خود نیویارک کے یہودی اخبار (Anfban) نے بھی سندِ قبولیت عطا کی ہے۔ نیویارک کے اس یہودی اخبار Anfbanny نے 13 اگست 1948ء کی اپنی اشاعت میں ان برسوں کے دوران ہجرت کرنے والوں کی اتنی ہی تعداد لکھی ہے۔ ہجرت کرنے والے ان یہودیوں میں سے 400,000 (چار لاکھ) یہودی ستمبر 1939ء سے پہلے جرمنی سے آئے۔ جرمنی چھوڑنے والے یہودیوں کی یہ تعداد (چار لاکھ) ورلڈ جیوش کانگریس (عالمی یہودی تنظیم) نے اپنے شمارے Unity in Dispersion کے صفحہ نمبر 377 پر خود ہی کنفرم کی ہے۔ جرمنی کے علاوہ آسٹریلیا سے ہجرت کرنے والے یہودیوں کی تعداد 220,000 تھی۔ آسٹریا میں یہودیوں کی کل آبادی 2,80,000 تھی۔ یہ یہودی ستمبر 1939 سے پہلے پہلے آسٹریا سے نکل گئے تھے۔ پریگ Institute Jewish emirgraioni prague کے مطابق مارچ 1939ء کے بعد 260,000 یہودیوں نے چیکوسلواکیہ سے ہجرت کی۔ جرمنی۔ آسٹریا، اور چیکوسلواکیہ میں ستمبر 1939ء کے بعد 360,000 یہودی رہ گئے تھے۔ پولینڈ سے جنگ چھوٹنے سے پہلے پہلے تقریباً 500,000 یہودیوں نے ہجرت کی۔ ان اعداد وشمار کے مطابق دیگر یورپین ممالک مثلاً فرانس، ہالینڈ، مشرقی یورپ وغیرہ کے ممالک میں آنے والے یہودیوں کی

تعداد 120,000 تھی۔ یوں مندرجہ بالا حساب کتاب سے جنگ سے پہلے اور بعد میں یورپ میں یہودیوں کی کل تعداد 5,000,000 (پچاس لاکھ) رہ جاتی ہے اس کے ساتھ ساتھ ہمیں پچاس لاکھ کے اس ہندسے سے یہودیوں کی وہ تعداد بھی منفی کرنا ہوگی جو 1939 کے بعد سوویت یونین ہجرت کر گئی تھی۔ اس عرصے میں صرف پولینڈ سے 1,250,000 یہودیوں نے ترک وطن کیا۔ یہودی مؤرخ ریٹلنگر پولینڈ کے علاوہ مزید 300,000 یہودیوں کے سوویت یونین میں داخلے کو بھی تسلیم کرتا ہے۔ ریٹلنگر کے مطابق یہ تین لاکھ یہودی 1939ء اور 1941ء کے درمیان سوویت یونین میں داخل ہوئے۔ یوں سوویت یونین ترک وطن کر کے آنے والے یہودیوں کی کل تعداد 1,550,000 (ساڑھے پندرہ لاکھ) ہو جاتی ہے۔ کولیئرز میگزین (Colliers Magazin) کے 9 جون 1945 کے شمارے میں رُوسی یہودیوں پر لکھی گئی تحریروں میں فریلنگ فوسٹر (Frielin Foster) نے یہ تعداد 2,200,000 (بائیس لاکھ) بتائی ہے۔ فوسٹر لکھتا ہے ''1939ء سے 2,200,000 یہودیوں نے نازی مظالم سے راہ فرار اختیار کر کے سوویت یونین میں پناہ لی۔'' چلئے ہم اوپر بیان کیے گئے اعداد و شمار میں سے سب سے کم تعداد والے ہندسے کو بنیاد بناتے ہیں۔ اس کے مطابق جرمنی اور اس کے زیر قبضہ علاقوں میں جنگ کے دوران یہودیوں کی باقی رہ جانے والی تعداد ساڑھے تین ملین (3,450,000) رہ جاتی ہے۔ اس تعداد میں سے بھی یہودیوں کی وہ آبادی منفی کرنی پڑے گی۔ جو جنگ کے دنوں میں یورپ کے غیر جانبدار ممالک میں ترک وطن کر کے آئے۔ ورلڈ المانک (World Almanac) صفحہ نمبر 594 کے مطابق جبرالٹر، برطانیہ، پرتگال، اسپین، سویڈن، سوئٹزرلینڈ، آئرلینڈ اور ترکی میں یہودیوں کی

یہ تعداد 413,128 تھی، یوں ہمارے پاس جرمنی کے زیرِ قبضہ یورپ میں یہودیوں کی کل آبادی 3 ملین یعنی 30 لاکھ رہ جاتی ہے۔ ایسے میں 60 لاکھ یہودیوں کے قتلِ عام کو جھوٹ سے بھی بدتر کوئی نام دیا جانا بہتر ہے۔ یہ نہ تو سفید جھوٹ ہے اور نہ کالا بلکہ یہ سراسر دنیا بھر کے عوام کو 50 برسوں تک بے وقوف بنائے رکھنے کی انتہائی منظم مگر گھٹیا ترین حرکت ہے جو صیہونیوں نے اپنے مذموم مقاصد کے حصول کیلئے سرانجام دی۔

سوال: ہولوکاسٹ کے مبلغین یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ پولینڈ کے ساتھ جنگ کے نتیجے میں یہاں سے 3 لاکھ یہودیوں نے جرمنی کے زیرِ قبضہ دیگر علاقوں کا رُخ کیا جہاں وہ سب قتل کر دیئے گئے۔ اس دعوے میں کتنی صداقت ہے؟

جواب: یہ سراسر جھوٹا دعویٰ ہے۔ ہولوکاسٹ کے یہودی مبلغین اوپر کے جواب میں دیئے گئے اعداد و شمار کو جھٹلا نہیں سکتے اس لئے انہوں نے یورپ میں یہودیوں کی آبادی 60 لاکھ باور کرانے کے لئے یہ جھوٹ گھڑا۔

(Reitlinger Die End losing, P:36)

ریٹلنگر کے مطابق 1939ء میں ان میں سے 1,170,000 کے موسم خزاں میں روس کے زیرِ قبضہ علاقوں میں مقیم تھے۔ ان میں سے تقریباً ایک ملین (دس لاکھ) کو جون 1941ء میں جرمن حملے کے دوران یورال (Ural) اور جنوبی سائبیریا کے علاقوں میں انخلا کے ذریعے بھیج دیا گیا۔ (ایضاً، صفحہ نمبر 50) جیسے کہ بتایا جا چکا ہے کہ جنگ سے پہلے پولینڈ سے 500,000 یہودیوں نے ترکِ وطن کیا۔ معروف صحافی اے منڈ آرتھر ڈیوس جس نے جنگ سوویت یونین میں گزاری، کے مطابق 250,000 یہودیوں نے جرمنی کے زیرِ اثر پولینڈ سے 1939ء اور 1941ء کے درمیان ہجرت کی اور سوویت یونین کے ہر صوبے میں مقیم ہوئے (Odyssey Through

(Hell,N.Y. 1946) اس تمام تعداد کو پولینڈ کی کل آبادی 2,732,600 سے منفی کرنے کے بعد یہ حقیقت ثابت ہوتی ہے کہ 1939ء میں جرمن تسلط کے اختتام تک پولش یہودیوں کی آبادی 1,100,000 سے کسی طور زائد نہیں تھی۔ یاد رہے کہ اس تعداد میں آبادی کی افزائش کی نارمل شرح ملحوظ خاطر رکھی گئی ہے۔ (Gutachen des institute fur Zeilgesehichte, Munich,1956,P.80) اب پولش یہودی آبادی میں ہم جرمنی، آسٹریا، سابقہ چیکوسلواکیہ (بوہیمیا، موراویا اور سلواکیہ) میں رہ جانے والے یہودیوں کی تعداد 360,000 جمع کر دیں تو پورے جرمن مقبوضہ یورپ میں یہودیوں کی کل آبادی 2 ملین سے بھی کم ہوتی ہے۔ ایسے میں یہ دعویٰ کہ 30 لاکھ یہاں سے آئے یا وہاں سے، سراسر آنکھوں میں دھول جھونکنے کے مترادف ہے۔ بات سادہ حساب کتاب کی ہے اور آئیں بائیں شائیں سے معاملہ ہونے والا نہیں۔ اسی تعداد میں اگر ہم ہالینڈ (1,40,000) اٹلی (50,000) یوگوسلاویہ (55,000) ہنگری 380,000) اور رومانیہ میں آباد 725,000 یہودیوں کی آبادی بھی شامل کر لیں تو بھی یہودیوں کی یورپ میں کل آبادی 3 ملین سے تجاوز نہیں کرتی۔ یوں یہ تمام اعداد و شمار اس دعوے کو سچ ثابت کرتے ہیں کہ جرمنی کے زیر تسلط یورپ میں یہودیوں کی کل آبادی تقریباً 3 ملین تھی۔

سوال: کیا جرمنی کے زیر قبضہ میں آباد تمام 30 لاکھ یہودی قتل کر دیئے تھے؟

جواب: جی نہیں!...... اگر ہم 30 لاکھ کے ہولوکاسٹ مبلغین کے دعوے کے نصف کو بھی صحیح تسلیم کر لیں تو اس کا مطلب ہوگا کہ ان علاقوں میں ایک بھی یہودی زندہ نہیں بچا بلکہ مکمل طور پر صفایا کر دیا گیا۔ مگر حساب کتاب یہاں بھی آڑے آجاتا ہے۔ یہ حقیقت تو ہولوکاسٹ کے مبلغین اور منکرین دونوں تسلیم کرتے

ہیں کہ 1945 کے بعد بھی یورپ میں یہودیوں کی ایک بڑی تعداد زندہ تھی۔ مثال کے طور پر فلپ فریڈ مین نے اپنی کتاب میں لکھا ہے ''نازی جہنم سے کم از کم ایک ملین (دس لاکھ) یہودی زندہ بچ نکلے'' (Their Boother's Keepers, N.Y 1957, P: 13) ادھر جیوش جوائنٹ ڈسٹری بیوشن کمیٹی (Juish Joint Distribution Comittee) کے سرکاری اعداد وشمار کے مطابق جرمنی کے مقبوضہ یورپ میں جنگ کے بعد زندہ بچ جانے والے یہودیوں کی کل تعداد 1,559,600 (تقریباً ساڑھے پندرہ لاکھ) تھی۔ یوں یہ اعداد وشمار 30 لاکھ یہودیوں کے بھی نصف ہے۔

سوال: کیا مزید ایسے اعداد وشمار ہیں جو 60 لاکھ یہودیوں کے قتلِ عام کو غلط قرار دیں؟

جواب: جی ہاں!...... ورلڈ الماننک (World Almanac) کے مطابق 1938 میں یہودیوں کی یورپی دنیا میں کل آبادی 16,588,259 (تقریباً ایک کروڑ پینسٹھ لاکھ) تھی۔ جنگ کے بعد 1948 میں نیویارک ٹائمز 22 فروری 1948 کے مطابق یہودیوں کی آبادی کم از کم 15,600,000 اور زیادہ سے زیادہ 18,700,000 (اٹھارہ کروڑ ستر لاکھ) تھی۔ اب اگر یہودیوں کا یہ دعویٰ صحیح تسلیم کرلیا جائے کہ جنگ عظیم دوم میں 60 لاکھ یہودی قتل ہوئے تو اس کا مطلب ہوگا کہ صرف دس برسوں میں (نیویارک ٹائمز کے اعداد وشمار کے مطابق) 70 لاکھ یہودی دنیا میں آئے۔ یعنی صرف دس برسوں میں ہی باقی بچ جانے والے یہودیوں نے اپنے ہی جتنے بچے پیدا کرلئے اور یہ سراسر ناممکن ہے۔

سوال: کُل کتنے یہودی کانسنٹریشن کیمپوں میں ہلاک ہوئے؟

جواب: مستند اعداد وشمار ہلاک ہونے والے یہودیوں کی کل تعداد تین تا پانچ لاکھ کے

درمیان بتاتے ہیں۔

سوال: یہ یہودی کیسے مرے؟

جواب: ان میں سے زیادہ تر تعداد ٹائی فس نامی وبا سے ہلاک ہوئی۔ یہ وبا جنگ زدہ یورپ میں جنگ کے دوران پھیلی۔ اس کے علاوہ بھوک اور جنگ کے آخری دنوں میں طبی سہولیات کی عدم دستیابی ان ہلاکتوں کی بڑی وجہ تھی۔

سوال: یہودی جتنے کیمپوں اور چیمبرز کا دعویٰ کرتے ہیں، اگر یہ تمام چیمبرز 24 گھنٹے فعال ہوں تو اس میں زیادہ سے زیادہ کتنی تعداد میں لوگ جلائے جاسکتے ہیں؟

جواب: تقریباً 430,000۔

سوال: کیا یہ ممکن ہے کہ ان چیمبرز کو 24 گھنٹے فعال رکھا جاسکتا؟

جواب: ناممکن۔ 50% وقت یعنی روزانہ 12 گھنٹے کی فعالیت کا وقت بھی سخاوت کا مظاہرہ ہوگا۔ ظاہر ہے چیمبرز میں صرف لوگ ہی نہ جلائے جاتے بلکہ اس کی صفائی بھی کرنی پڑتی۔

سوال: جلائی جانے والی ایک لاش سے کتنی راکھ حاصل ہوتی؟

جواب: جوتوں کا ایک ڈبہ اس سے بھرا جاسکتا ہے اگر تمام ہڈیوں کو بھی جلادیا جائے تو۔

سوال: اگر 60 لاکھ یہودیوں کی لاشیں جلائی گئی ہوں تو اس راکھ کا کیا کیا گیا؟

جواب: اس سوال کا جواب ہولوکاسٹ کے مبلغین کے ذمے ہے۔ 60 لاکھ لاشوں کا مطلب ہے کئی ٹن راکھ۔ پورے یورپ میں ہولوکاسٹ کے مبلغین اس راکھ کو ٹھکانے لگانے کی جگہ بتا سکے نہ ہی ان کے پاس اس سوال کا جواب ہے کہ یہ راکھ آخر گئی کہاں۔

سوال: کیا جنگ کے دوران اتحادیوں کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ آشوٹز کیمپ کی اس دوران تصاویر اتارتے جب یہاں قتلِ عام اور پھر لاشیں جلائے جانے کا عمل جاری تھا؟

جواب: بالکل تھا اور اتحادیوں نے آشوٹز کیمپ کی سینکڑوں فضائی تصاویر اتاری بھی تھیں۔

سوال: کیا ان تصاویر سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آشوٹز کیمپ میں قتل عام کیا گیا؟

جواب: نہیں بلکہ تصاویر تو کوئی اور ہی منظر دکھاتی ہیں لاشیں جلائے جانے کے دوران بہت زیادہ دھواں اٹھنے کے مناظر کا ان تصاویر میں نظر آنا یقینی امر تھا مگر ایسی کوئی تصویر موجود نہیں جس میں آشوٹز یا دیگر کیمپوں سے دھواں اٹھتا نظر آتا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ خود ہولوکاسٹ کے مبلغین ان تصاویر کو ثبوت کے طور پر پیش کرنے سے ہچکچاتے ہیں۔ آپ کو بھوکے، ننگے، لنگڑے لولے تصاویر میں تو بہت دیکھنے کو ملیں گے لیکن ایسی کوئی تصویر آپ کہیں نہیں دیکھ سکیں گے۔

سوال: 1935ء کے نورم برگ قوانین کس مقصد کے لئے بنائے گئے؟

جواب: یہ قوانین جرمن اور یہودیوں کے مابین شادیوں کی روک تھام کیلئے بنائے گئے۔ ایسے قوانین آج کل اسرائیل میں بھی رائج ہیں۔

سوال: کیا امریکہ میں ایسے قوانین نافذ رہے ہیں جن کے ذریعے مختلف نسلوں کے درمیان شادیوں کی روک تھام کی گئی تھی۔

جواب: جی ہاں!

سوال: ہولوکاسٹ کے سوال کے حوالے سے ریڈ کراس کی رپورٹ کیا کہتی ہے؟

جواب: انٹرنیشنل ریڈ کراس (IRC) کی ایک رپورٹ ستمبر 1944ء میں آشوٹز کیمپ کے دورے کے بعد تیار کی گئی، اس رپورٹ کے مطابق محصورین کو امداد کے حصول کی اجازت تھی اور گیس چیمبرز کے حوالے سے اڑائی جانے والی افواہیں صحیح نہیں پائی گئی تھیں۔

سوال: نسل کُشی (Genocide) نامی لفظ کس کی اختراع تھی؟

جواب: ایک پولش یہودی رافیل لمکن (Raphael Lemkin) نے 1944 میں

پہلی دفعہ یہ لفظ اپنی کتاب میں استعمال کیا۔

سوال: کیا خود ہولوکاسٹ کے مبلغین بھی 60 لاکھ یہودیوں کے قتل عام پر متفق ہیں؟

جواب: نہیں! (Scourag of Swaslika London,1945) جوائنٹ ڈسٹری بیوشن کمیٹی ہلاک ہونے والے یہودیوں کی تعداد 5,012,000 (پچاس لاکھ سے کچھ زائد) بتاتی ہے۔ یہودی ماہر ہولوکاسٹ ریٹلنگر کے مطابق ہولوکاسٹ کے دوران 4,192,200 (تقریباً 42 لاکھ) یہودی ہلاک ہوئے۔ ورلڈ جیوش کانگریس کے لئے نیویارک وفد کے رکن ڈاکٹر ابلم۔ پرلزویگ Dr M.Perizeg کے مطابق 70 لاکھ یہودی دوسری جنگِ عظیم میں کام آئے۔ جنگ کے بعد اخبارات میں یہ تعداد کبھی 80 لاکھ بتائی گئی تو کبھی 90 لاکھ۔

اس سے دو باتیں بالکل واضح ہو جاتی ہیں:

۱۔ یہود نے مظلومیت کا لبادہ اوڑھ کر نہ صرف اپنے آپ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے دشمنی کے الزام سے مبرا کرالیا بلکہ دنیا کے بیشتر وسائل پر قبضہ بھی جمالیا۔

۲۔ ہولوکاسٹ کا ذمہ دار ہٹلر عیسائی تھا لیکن اس واقعہ کے بعد یہودی عیسائیوں کو اپنا سب سے مخلص دوست اور حلیف بنانے میں کامیاب ہو گئے اور مسلمانوں کا قتل عام کرنے میں مشغول ہو گئے۔ اسرائیل میں جدید امریکی اسلحہ فلسطینی مسلمانوں کے خلاف آزمایا جارہا ہے۔

اگر ہم پوری دنیا میں امن کا بول بالا دیکھنا چاہتے ہیں دہشت گردی کا خاتمہ چاہتے ہیں تو ہمیں انصاف قائم کرنا ہوگا۔ اب انصاف سے مراد وہ انصاف نہیں ہے جو عالمی طاقتیں پسماندہ ممالک سے کررہی ہیں۔ وہ ہتھیار جن کے رکھنے کو جرم قرار دیا جاتا ہے اس کے انبار ان کے اپنے پاس موجود ہوتے ہیں۔ امن کے لئے مشترک باتوں پر

متحد ہونا ضروری ہے۔ زیر نظر کتاب میں جناب ڈاکٹر ذاکر نائیک نے مختلف حوالوں، ثبوتوں اور مثالوں سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اسلام انسانیت کے لئے زحمت نہیں بلکہ رحمت ہے۔ اور پوری دُنیا میں جو ''مسلمان'' کی پہچان ایک ''دہشت گرد'' کی سی بن رہی ہے اُسے ڈاکٹر صاحب نے ٹھوس دلائل، تاریخ کے سچے واقعات اور حوالوں سے دُور کیا ہے۔

قرآن اور احادیث کے حوالے سے آپ نے اسلام کو رحمت ثابت کیا ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ہدایت حاصل کرنے کیلئے قرآن پاک کو ترجمہ کے ساتھ پڑھا کریں۔ انشاءاللہ ان کے اذہان کے دریچے وا ہو جائیں گے۔ جب آپ خود قرآن کریم کا مطالعہ کریں گے تو دوسروں کے حوالوں کی ضرورت نہیں ہوگی۔ تحمل، برداشت، بردباری مسلمانوں کے بنیادی اوصاف اور خصائل ہیں۔ افہام و تفہیم کی فضا برقرار رہے تو اپنا اپنا نقطہ نظر بیان کرنے سمجھنے اور سمجھانے میں سہولت رہتی ہے۔ مسلمانوں میں دیگر باتوں پر اختلاف ممکن ہے لیکن قرآن اور حدیث صحیحہ پر یہ چیز ممکن نہیں ہے۔ وحدت المسلمین اور پیام امن اس دَور کی سب سے اہم ضرورت ہے۔

اسلام کے خلاف پروپیگنڈا کرنے میں مغربی اور بالخصوص یہودی میڈیا پیش پیش ہے اور جھوٹ کو سچ اور سچ کو جھوٹ بنا کر پیش کرنا اس کا وطیرہ ہے۔ اسلام تو جابر حاکم کے سامنے کلمہ حق بلند کرنے کا حکم دیتا ہے اور اسلام کی تاریخ میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ سرزمینِ کربلا کی تپتی ہوئی ریت پر معصوم بچوں کی تڑپتی ہوئی لاشیں، مٹھی بھر انسانوں کا جھکنے سے انکار، مستورات کی غیرت و حمیت اور مظلومیت آج بھی انسانیت کو کلمہ حق بلند کرنے کا پیام دے رہی ہیں۔ اسی لئے جناب ڈاکٹر ذاکر نائیک نے بڑی جرأت سے بش کو دہشت گرد قرار دیا اور کسی مصلحت یا خوف کو جگہ نہیں دی۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی روش پر چلنے والے کٹ تو سکتے ہیں کسی فاسق و فاجر کے آگے جھک نہیں سکتے۔

ہم سے رقم ہوں گے نہ قصے یزید کے
ہم لوگ تو حسین رضی اللہ عنہ کے سیرت نگار ہیں

یہی وجہ ہے کہ شہدائے کربلا کے کردار کو مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلموں نے بھی سراہا ہے اور جب بھی ان پر ناانصافی اور سامراجیت کا غلبہ ہوتا ہے وہ اس کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیتے ہیں۔

انسان کو بیدار تو ہو لینے دو
ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسین رضی اللہ عنہ

Peace Tv کے پلیٹ فارم سے نہ صرف ڈاکٹر ذاکر نائیک بلکہ ڈاکٹر اسرار احمد اور دیگر عالمی سطح کے مسلم علماء اور مقررین خطاب کرتے رہتے ہیں اور اُمتِ مسلمہ کو خواب سے جگانے کے علاوہ دنیا بھر سے ہونے والی تنقید کا جواب دیتے ہیں۔ نیز دانستہ و نادانستہ غلط فہمیوں کا ازالہ کرتے ہیں۔ ''دین دلیل کے ساتھ'' اِسی کی ایک واضح مثال ہے، جس میں اسلام کے ہر پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہے اور نہ صرف مسلمانوں بلکہ غیر مسلم خواتین و حضرات کو اپنے مدلل جوابات سے مطمئن کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور یہ بھی ثابت کیا گیا ہے کہ قرآن حکیم کی 80% باتوں کو سائنسی کسوٹی پر پرکھا جا چکا ہے اور اس کے نتائج سو فیصد رہے ہیں۔ باقی بیس فیصد کو پرکھا نہیں جا سکا لیکن یہ بھی سو فیصد درست ہیں اور اگر مسلمان دوبارہ قرآن کی طرف رجوع کریں تو آج بھی سائنسی میدان میں ترقی کر سکتے ہیں اور دوسروں کو پیچھے چھوڑ سکتے ہیں۔

حجاب کے معاملات پر بھی تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ ویدوں میں، بائبل میں اور ہر مذہبی کتاب میں حجاب کا حکم ہے۔ حیرت انگیز بات یہ کہ جب شیکسپیئر کے ڈرامے تھیٹر کی زینت ہوا کرتے تھے اس وقت کسی عورت کو اس میں کام کرنے کی اجازت نہیں ہوتی تھی اور نسوانی کردار مرد کرتے تھے نیز عورتیں ان تھیٹروں میں یہ ڈرامے دیکھنے نہیں آتی تھیں۔ آج عریانیت کا جو سیلاب ہے وہ محتاجِ بیاں نہیں

ہے۔

قارئین محترم! زاویۂ نگاہ اور نقطۂ نظر میں کسی نہ کسی حد تک اختلاف ہوسکتا ہے اور اس کیلئے افہام و تفہیم کی راہ اپنائی جاتی ہے نیز کسی غلطی کا واقع ہو جانا بھی خارج از امکان نہیں ہوسکتا۔ غلطی ہو جانا بڑی بات نہیں لیکن غلط پر ڈٹ جانا بُری بات ہے۔ جو بڑا کام کرتا ہے، زیادہ کام کرتا ہے اس سے کہیں نہ کہیں غلطی ہو سکتی ہے اور جو کام ہی نہیں کرتا اس سے غلطی بعید از امکان ہے۔ کنارے پر بیٹھ کر سمندر کی لہروں سے لطف اندوز ہونے اور تلاطم میں اُتر کر بپھری ہوئی لہروں کے مقابل ہونے والوں میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے۔

گرتے ہیں شہسوار ہی میدانِ جنگ میں
وہ طفل کیا گرے گا جو گھٹنوں کے بل چلے

عالمی بھائی چارہ اس وقت، وقت کی اہم ترین ضرورت ہے اور اس موضوع پر بھی آپ کو ''دین دلیل کے ساتھ'' میں بہت کچھ پڑھنے کو ملے گا۔

آخر میں امر شاہد اور گگن شاہد کی لگن، خلوص اور کاوش کا اعتراف نہ کرنا زیادتی ہوگا۔ ان نوجوانوں کی مساعیٔ جمیلہ سے یہ خوبصورت اور پُر مغز کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے اور میں ان کو خراجِ تحسین پیش کرنے کے ساتھ ساتھ دُعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس طرح کے دینی کاموں کی مزید توفیقِ اولیٰ سے سرفراز فرمائے۔ نیز مرزا صفدر بیگ صاحب نظرثانی اور اپنے ذوق وشوق اور جذبے کی وجہ سے خصوصی شکریے کے مستحق ہیں اور جناب حافظ ناصر محمود صاحب کا شکریہ ادا کرنا نہیں بھولوں گا جنہوں نے پروف ریڈنگ میں ایک اہم کردار ادا کیا۔

پروفیسر سردار آصف (صدر پاکستان کشمیر فورم یوکے) اور بیرسٹر عابد لائرز ایسوسی ایشن یوکے نے ''خطباتِ ڈاکٹر ذاکر نائیک'' اور ''ڈاکٹر ذاکر نائیک کے فیصلہ کن مناظرے'' دونوں کتابوں کی بھرپور تعریف کی اور مجھے بتایا کہ یورپ میں مقیم پاکستانیوں

اور نوجوان نسل کیلیے یہ کتابیں بہت سود مند ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اس طرح کی کتابوں سے جہاں مسلمانوں کا اجتماعی شعور بیدار ہو گا وہیں غیر مسلم بھی ان سے مستفید ہوں گے اور دُنیائے اسلام میں ایک بار پھر سے خلافتِ راشدہ کی یاد تازہ کرتے ہوئے خلافت کے مثالی نظام کے قیام کی راہ ہموار ہو گی۔ پروفیسر سردار آصف نے بتایا کہ ڈاکٹر ذاکر نائیک سے ان کے گہرے دوستانہ مراسم ہیں اور جب بھی وہ انگلستان خطاب کیلیے تشریف لاتے ہیں ان کے ساتھ ملاقات کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ وہ ان کی تحریروں اور خاص طور پر ان کے دلائل اور مثالوں سے انتہائی متاثر ہیں۔

قارئینِ محترم!

اس کے ساتھ ہی آپ سے اجازت چاہوں گا۔ کتاب کے بارے میں اپنے تاثرات سے ضرور آگاہ فرمائیے گا۔ شکریہ!

انجم سلطان شہباز

anjumsultan14@gmail.com

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اُس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی مرے دِل میں ہے

Peace Tv Online

24-Hour Spirtual Edutaiment
International Satellite TV Channel

Peace Tv جو اِس وقت دُنیا بھر میں 24 Hours اِسلامی چینل ہونے کی حیثیت سے انتہائی شہرت کا حامل ہے، اَب انٹرنیٹ پر براہِ راست دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ ایک ایسا چینل ہے جس پر پہلی دفعہ دُنیا بھر کے سکالرز امن کا پیغام لے کر میدان میں اُترے کہ ''اسلام امن کا داعی ہے''...... ''اسلام ہی اصل بھائی چارہ قائم کرتا ہے''...... ''اسلام اِنسانیت کیلئے رحمت ہے نہ کہ زحمت''۔

جہاں یہ سکالرز دینِ اسلام کو دلیل کے ساتھ پیش کر رہے ہیں۔ یقیناً آپ اِس چینل سے بے خبر نہ ہوں گے۔ آج پوری دُنیا میں دیکھا جانے والا یہ چینل غیر مسلموں کی ہی نہیں بلکہ بہت سے مسلمانوں کے نظریات کی بھی اِصلاح کر رہا ہے۔

ہم مسلمان جو کئی برس سے غیر مسلموں کے لفظی پتھراؤ سے نظریں جھکائے ہوئے تھے، اَب یہ عالم ہے کہ اِس چینل کی بدولت ہم سر اُٹھا کر اُنہیں دلائل کے ساتھ منہ توڑ جواب دے سکتے ہیں، اُن کی غلط فہمیوں کو دُور کر سکتے ہیں اور دینِ حق کی طرف گامزن کر سکتے ہیں۔

Peace Tv کے مشہور خطیب ''ڈاکٹر ذاکر نائیک'' سے آج کون واقف نہیں!!...... اِن جیسی شخصیات نے اِسلام کو عروج بخشا اور آج یہ عالم ہے کہ اُن کے ہر لیکچر کو سننے والے لوگ اُن کی باتوں کو غور سے سنتے ہیں، سمجھتے ہیں اور حق کی طرف لوٹ آتے ہیں!

اس وقت دُنیا بھر کے سکالرز Peace Tv کی بدولت اسلام کا پیغام پوری دُنیا تک پہنچا رہے ہیں۔ جن میں ڈاکٹر ذاکر نائیک، شیخ احمد دیدات، ڈاکٹر اسرار احمد، ڈاکٹر ابوامینہ بلال فلپس، عبدالرحیم گرین، حسین یی، یاسر فزاگا، مولانا عبدالکریم پاریکھ، ڈاکٹر جمال بیداوی، سراج وہاج، یوسف اسلام، مختار مگرائی، شبیر علی، یوسف ایسٹس، عبداللہ حاکم کوئیک، گیری ملر، جیفری لینگ، احمد وان ڈیفر اور ڈاکٹر شعیب سیّد شامل ہیں۔

آج ہی اِس ویب سائٹ سے اپنے دوست واحباب کو متعارف کروائیں اور ساری دُنیا میں دین کا پیغام پہنچانے میں شامل ہو جائیں۔

www.peacetv.tv

برائے ایصالِ ثواب پرنٹ کروانے کے خواہشمند حضرات یہ کتاب مناسب تعداد میں اپنے
اُن مرحومین کے نام سے طبع کرواسکتے ہیں جو دُنیا سے رخصت ہو کر ہماری کسی قسم کی خدمت
سے بے نیاز ہو چکے ہیں۔ اب صرف ہماری دُعائیں ہی اُن کے درجات بلند کر سکتی ہیں۔



دُنیا و آخرت کی بھلائی کی

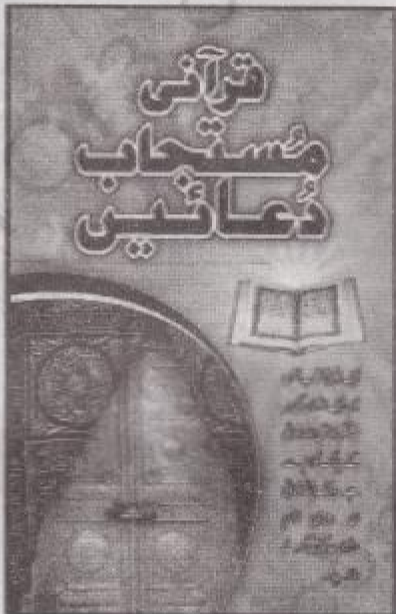
دعائیں

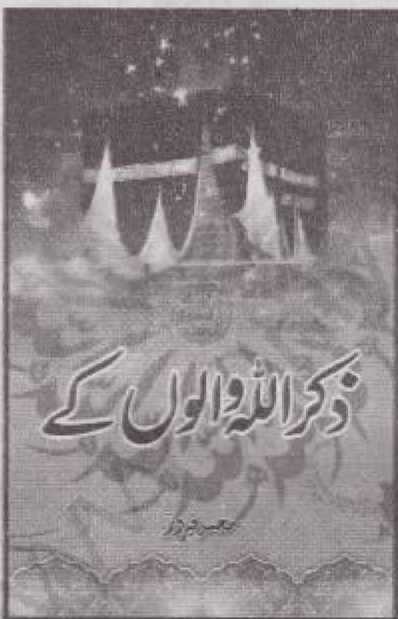


بُک کارنر شوروم

بالمقابل اقبال لائبریری، بک سٹریٹ، جہلم پاکستان

ہماری نئی مطبوعات









بک کارنر شوروم

بالمقابل اقبال لائبریری، بک سٹریٹ، جہلم پاکستان

Ph: +92 (0544) 614977 - 0321-5440882

Email: showroom@bookcorner.com.pk - Web: www.bookcorner.com.pk

"اور پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لائق اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لائق ہیں" ﴿القرآن﴾

سیرۃ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا

نبی کریم ﷺ کی پیاری صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا جن کو نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ "فاطمہ! تم جنتی عورتوں کی سردار ہو!" کی معطر زندگی کے حالات و واقعات کو جو خاص طور پر مسلم عورتوں کیلئے اور عام طور پر ساری دُنیا کی عورتوں کیلئے مشعلِ راہ ہیں، محترم جناب حافظ ناصر محمود صاحب نے انتہائی محنت اور عقیدت سے جمع کیا ہے۔ آج کے اس جدید دور میں اس کتاب کا مطالعہ ہماری عورتوں کی گھریلو زندگی کو خوشگوار بنانے کیلئے انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔

چھپ کر تیار ہے!

حافظ ناصر محمود

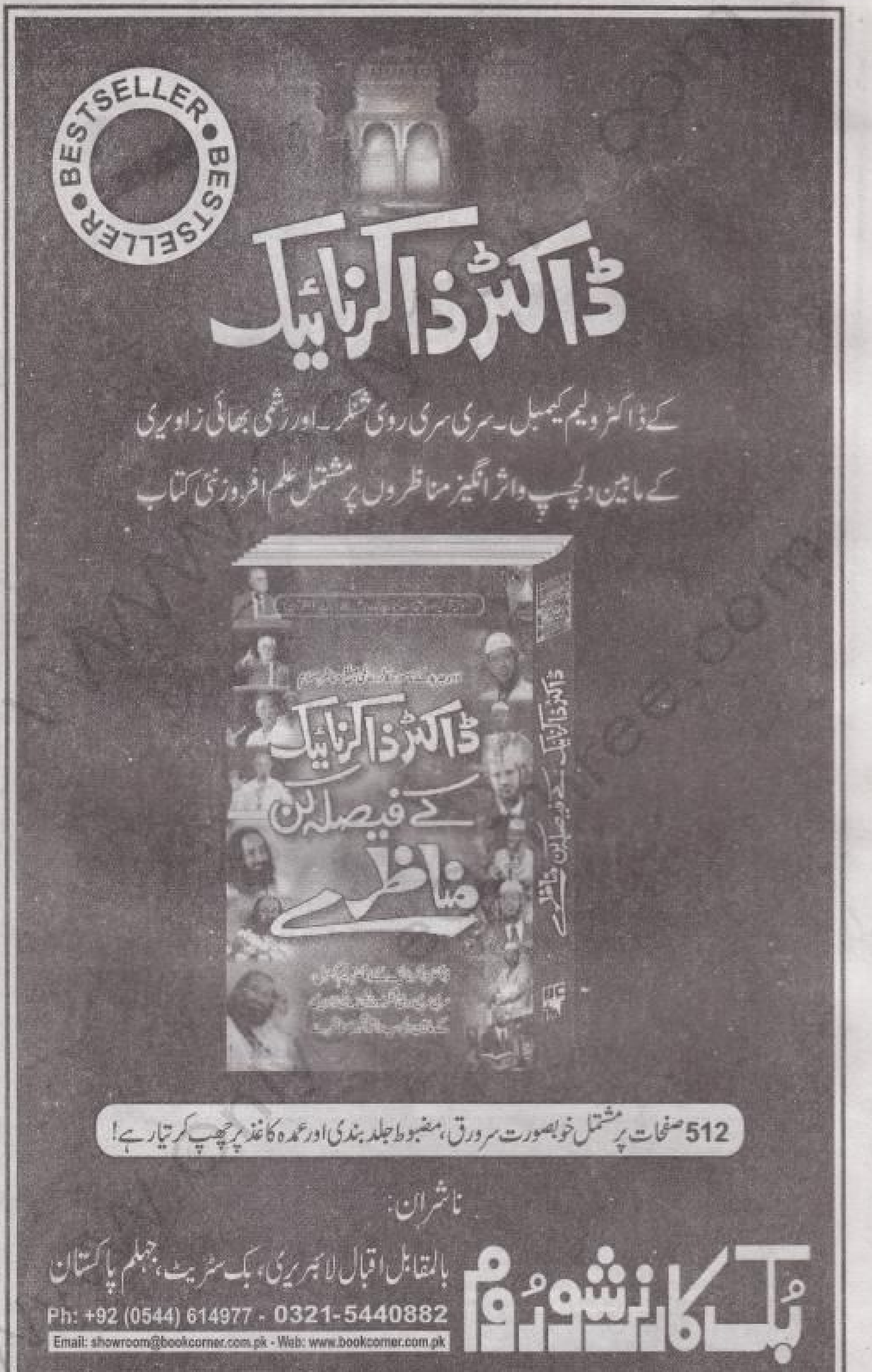
ناشران:

بُک کارنر شوروم

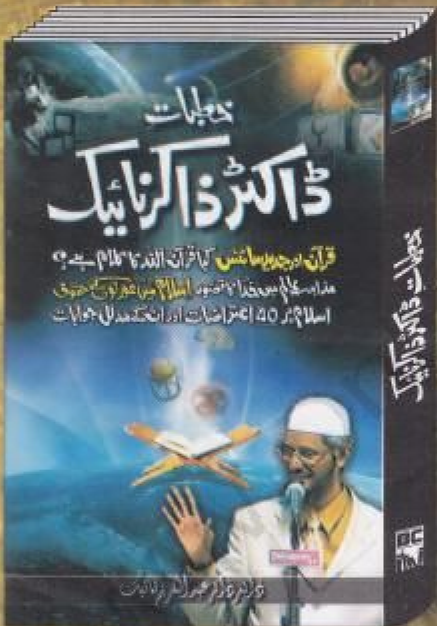
بالمقابل اقبال لائبریری، بک سٹریٹ، جہلم پاکستان

Ph: +92 (0544) 614977 - 0321-5440882

Email: showroom@bookcorner.com.pk - Web: www.bookcorner.com.pk


BESTSELLER • BESTSELLER •
ڈاکٹر ذاکر نائیک
کے ڈاکٹر ولیم کیمبل۔ سری سری روی شنکر۔ اور رشمی بھائی زاویری
کے مابین دلچسپ و اثر انگیز مناظروں پر مشتمل علم افروز نئی کتاب
ڈاکٹر ذاکر نائیک
کے فیصلہ کن
مناظرے
512 صفحات پر مشتمل خوبصورت سرورق، مضبوط جلد بندی اور عمدہ کاغذ پر چھپ کر تیار ہے!
ناشران:
بُک کارنر شوروم
بالمقابل اقبال لائبریری، بک سٹریٹ، جہلم پاکستان
Ph: +92 (0544) 614977 - 0321-5440882
Email: showroom@bookcorner.com.pk - Web: www.bookcorner.com.pk

دورِ حاضر کے نامور سکالر **ڈاکٹر ذاکر نائیک** کے بہترین لیکچرز پر مبنی نئی کتب



خطباتِ ڈاکٹر ذاکر نائیک

پارٹ 1

قرآن اور جدید سائنس کیا قرآن اللہ کا کلام ہے؟

مذاہبِ عالم میں خدا کا تصور اسلام میں عورتوں کے حقوق

اسلام پر 40 اعتراضات اور ان کے مدلل جوابات



ڈاکٹر ذاکر نائیک کے فیصلہ کن مناظرے

- قرآن اور بائبل، جدید سائنس کی روشنی میں
- اسلام اور ہندو مت میں خدا کا تصور
- کیا گوشت خوری جائز ہے یا ناجائز؟

بک کارنر شوروم

بالمقابل اقبال لائبریری، بک سٹریٹ، جہلم پاکستان

Ph: +92 (0544) 614977 - 0321-5440882

Email: showroom@bookcorner.com.pk - Web: www.bookcorner.com.pk